سلسله مطبوعات دار الدعوة : ٣٧

"صلوا كما رأيتموني أصلي"

أخطاء المصلين

تاليف : الشيخ أبو عبيده مشهور بن حسن آل سلمان

مع رسالہ

كيفية صلاة النبى ﷺ

تاليف : سماحة الشيخ عبد العزيز بن باز رحمه الله

ترجمه ، تخريج وتعليق

رياض أحمد محمد سعيد السلفي

اشراف

احمد مجتبى نذير عالم السلفى

تقديم ومراجعة

د/ عبدالرحمن بن عبدالجبار الفريوائي

أستاذ حديث جامعة الإمام محمد بن سعود الإسلامية بالرياض

فريوائی اکادمی، نئی دہلی، ۱۱۰۰۲۵

أخطاء المصلين
تاليف : الشيخ أبو عبيده مشهور بن حسن آل سلمان
فريوائی اکادمی، نئی دہلی، ۱۱۰۰۲۵

سلسلہ مطبوعات دارالدعوۃ:۳۷

"صلّوا كما رأيتموني أصلي"

أخطاء المصلين

تالیف: الشیخ أبو عبیدۃ مشہور بن حسن آل سلمان

مع رسالہ

كيفية صلاة النبى صلى الله عليه وسلم

تالیف: سماحۃ الشیخ عبد العزیز بن باز رحمہ اللہ

ترجمہ، تخریج و تعلیق

ریاض أحمد محمد سعید السلفي

تقدیم و مراجعۃ

د/عبد الرحمن بن عبدالجبار الفریوائي

أستاذ حدیث جامعۃ الإمام محمد بن سعود الإسلامیۃ بالریاض

فریوائی اکادمی، نئی دہلی، ۱۱۰۰۲۵

نام کتاب : أخطاء المصلين

نام مؤلف : ابو عبیدہ مشہور بن حسن آل سلمان

مترجم : ریاض احمد محمد سعید سلفی

تقدیم و مراجعہ : ڈاکٹر عبد الرحمٰن بن عبد الجبار الفریوائی

سن طباعت : اکتوبر ۲۰۰۵ء مطابق رمضان المبارک ۱۴۲۶ھ

تعداد : گیارہ سو

صفحات : ۲۷۲

ناشر : فریوائی اکادمی، نئی دہلی - ۱۱۰۰۲۵

فون : 011-(S)23278435 (R)26945084

ای میل : dksalafiah@yahoo.co.in

قیمت : 95/-

ملنے کے پتے:

☆ دار الکتب السلفیہ، 425/8، اردو مارکیٹ، ٹمیا محل، جامع مسجد، دہلی-۱۱۰۰۰۶

☆ فریوائی اکیڈمی، C-7/2، شاہین باغ، ابو الفضل انکلیو II، جامعہ نگر، نئی دہلی-۱۱۰۰۲۵

☆ مکتبہ الکوثر، لال گوپال گنج (ترابا) ضلع: الہ آباد، یوپی-۲۲۹۴۱۳

☆ مکتبہ ترجمان، 4116، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی-۱۱۰۰۰۶

☆ دار الکتب الاسلامیہ، 419، اردو، مارکیٹ، ٹمیا محل، جامع مسجد، دہلی-۱۱۰۰۰۶

☆ الکتاب انٹرنیشنل، F-50B/6، مرادی روڈ، بٹلہ ہاؤس جامعہ نگر، نئی دہلی-۱۱۰۰۲۵

☆ دار المعارف، 13، محمد علی بلڈنگ، بھنڈی بازار، ممبئی-۴۰۰۰۰۳

☆ مکتبہ مسلم، بربر شاہ، سرینگر، کشمیر

"صلوا كما رأيتموني أصلي"

رسالہ

كيفية صلاة النبى صلى الله عليه وسلم

تاليف : سماحة الشيخ عبد العزيز بن باز رحمه الله

ترجمه، تخريج و تعليق

رياض أحمد محمد سعيد السلفي

إشراف

أحمد مجتبىٰ نذير عالم سلفى

تقديم و مراجعة

الشيخ د/عبد الرحمن بن عبدالجبار الفريوائي

أستاذ حديث جامعة الإمام محمد بن سعود الإسلامية بالرياض

فریوائی اکادمی، نئی دہلی، ۱۱۰۰۲۵

الحمد للّٰه رب العالمين والصلاة والسلام على عبده و رسوله نبينا محمد وآله وصحبه، أمابعد:

تمام طرح کی تعریفیں تنہا اللہ کے لیے ہیں، درود وسلام ہو اس کے بندے اور رسول ہمارے نبی محمد (ﷺ) پر اور ان کے آل واصحاب پر، امابعد:

نبی کریم ﷺ کی نماز کی کیفیت کے بیان میں یہ مختصر سی تحریر ہر مسلمان (مرد وعورت) کے لیے ہے، تاکہ اس پر مطلع ہونے والا ہر شخص رسول اللہ ﷺ کے فرمان: ''مسلمانو! اسی طرح نماز پڑھو جس طرح تم مجھے پڑھتے ہوئے دیکھ رہے ہو۔''[1] پر عمل کرتے ہوئے اسی طرح نماز پڑھنے کی کوشش کرے جس طرح آپ ﷺ پڑھا کرتے تھے۔

۱- کامل وضو کرنا:

پوری طرح وضو کرے، جس طرح اللہ رب العالمین نے قرآن مقدس میں اسے کرنے کا حکم دیا ہے: '' ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلاةِ فاغْسِلُواْ وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُواْ بِرُؤُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَينِ﴾[2] (اے ایمان والو! جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اپنے منہ کو، اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھولو، اپنے سروں کا مسح کرلو، اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھولو۔''

اور جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ ''پاکی حاصل کئے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی''[3]۔

۱- صحیح بخاری: کتاب الأذان: باب الاذان للمسافر إذا کانوا جماعۃ الخ (٦٣١)

۲- سورة المائدة:٦

۳- صحیح مسلم: کتاب الطہارۃ: باب وجوب الطہارۃ للصلاۃ (۲۲۴)

۲- نیت کرنا، قبلہ کی طرف رخ کرنا، اور آگے سترہ رکھنا:

نمازی جہاں کہیں بھی ہو، اپنے پورے جسم کے ساتھ قبلہ یعنی کعبہ کی طرف رخ کرے، اور دل سے اس نماز کی نیت کرے جسے وہ ادا کرنا چاہتا ہے، چاہے وہ فرض ہو یا نفل، نیت کے الفاظ زبان سے ادا نہ کرے، کیوں کہ زبان سے نیت کرنا ثابت نہیں ہے، بلکہ یہ بدعت ہے، نہ تو نبی کریم ﷺ نے نیت کے الفاظ زبان سے ادا کیے، نہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے۔

نمازی اگر امام ہے یا منفرد تو اپنے آگے سترہ رکھ کر نماز ادا کرے۔ (احادیث نبویہ میں اس کی سخت تاکید ہے)

نماز میں قبلہ کی طرف منہ کرنا شرط ہے، سوائے اُن معروف مستثنٰی مسائل کے، جن کی وضاحت علماء کی کتابوں میں موجود ہے۔

۳- تکبیر تحریمہ: رفع یدین اور سینہ پر ہاتھ رکھنے کا بیان۔

سجدہ کی جگہ کو دیکھتے ہوئے "اللہ اکبر" کے الفاظ سے تکبیر تحریمہ کہے۔

تکبیر کہتے وقت اپنے دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر یا کانوں کی لو تک اٹھائے۔

پھر اپنے دونوں ہاتھ سینہ پر رکھے، اس طور پر کہ دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت، کلائی اور بازو پر ہو، نبی کریم ﷺ سے یہی ثابت ہے۔

۴- نماز شروع کرنے کی بعض دعائیں:

تکبیر تحریمہ کے بعد اور قرأت شروع کرنے سے پہلے یہ مسنون دعا پڑھے:

«اللَّهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِي وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ

وَالْمَغْرِبِ اللَّهُمَّ نَقِّنِي مِنْ الْخَطَايَا كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الأَبْيَضُ مِنْ الدَّنَسِ اللَّهُمَّ اغْسِلْ خَطَايَايَ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ» (یعنی اے اللہ! میرے اور میرے گناہوں کے درمیان اتنی دوری فرمادے جتنی تو نے مشرق اور مغرب کے درمیان دوری رکھی ہے، اے اللہ! مجھے گناہوں سے اس طرح پاک وصاف کردے جس طرح سفید کپڑا میل سے صاف کیا جاتا ہے، اے اللہ! میرے گناہوں کو پانی، برف اور اولے سے دھودے) [1]۔

چاہے اس کی جگہ یہ دعا پڑھے: «سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَلاَ إِلَهَ غَيْرُكَ» (یعنی: اے اللہ! تیری ذات پاک ہے، ہم تیری حمد وثنا بیان کرتے ہیں، تیرا نام بابرکت اور تیری ذات بلند وبالا ہے، تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں) [2]۔

اگر ان کے علاوہ نبی کریم ﷺ سے ثابت شدہ کوئی دوسری افتتاحی دعا پڑھ لے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ افضل یہ ہے کہ کبھی ایک دعا پڑھے اور کبھی دوسری، اسی میں سنت نبوی کی مکمل اتباع ہے۔

٦۔ تعوذ، تسمیہ اور قرأت فاتحہ:

پھر ”أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ“ اور ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمَانِ الرَّحِيْمِ“ کہہ کر سورہ فاتحہ پڑھے، کیوں کہ رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے: ”لَاَ صَلاَةَ

۱۔ صحیح بخاری: کتاب الأذان: باب مایقول بعد التکبیر (۷۴۴) صحیح مسلم: کتاب المساجد: باب مایقال بین تکبیرة الاحرام والقرأة (۵۹۸)۔

۲۔ سنن أبی داود: کتاب الصلاة: باب من رأی الاستفتاح بسبحانک اللھم وبحمدک (۷۷۶) جامع الترمذی: کتاب الصلاة: باب مایقول عند افتتاح الصلاة (۲۴۳)، سنن ابن ماجہ: کتاب اقامة الصلاة الخ: باب افتتاح الصلاة (۸۰۶) حدیث صحیح ہے، دیکھئے: ”ارواء الغلیل“ (۳۴۱)

لِمَنْ لَمْ یَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْکِتَابِ" یعنی جو سورہ فاتحہ نہیں پڑھتا اس کی نماز نہیں ہوتی[1]۔

سورہ فاتحہ پڑھنے کے بعد آمین کہے، جہری نماز ہو تو بلند آواز سے اور سری نماز ہو تو دھیمی آواز سے۔ پھر جتنا ہو سکے قرآن پاک پڑھے۔

۷- سورہ فاتحہ کے بعد کیا پڑھے؟

افضل یہ ہے کہ ظہر، عصر اور عشاء کی نمازوں میں سورہ فاتحہ کے بعد اوساط مفصل[2] کی کوئی سورت، اور فجر کی نماز میں طوال مفصل کی کوئی سورت پڑھے۔ اور مغرب کی نماز میں احادیث رسولؐ پر عمل کرتے ہوئے کبھی طوال مفصل سے اور کبھی قصار مفصل سے پڑھے۔

۸- رکوع اور اس کی دعاء:

تکبیر کہتے ہوئے، اپنے دونوں ہاتھ کندھوں یا کانوں کے برابر اٹھاتے ہوئے اس طرح رکوع کرے کہ اس کا سر پیٹھ کے برابر ہو، ہاتھ گھٹنوں پر اس طرح ہوں کہ انگلیاں پھیلی ہوئی ہوں، (اس کے جسم کے سارے جوڑوں کو) اطمینان و سکون حاصل ہو، اور "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ" (میرا رب پاک ہے جو بہت بڑا ہے) کہے۔ افضل یہ ہے کہ یہ کلمات تین مرتبہ یا اس سے زیادہ بار دہرائے۔ اس کے ساتھ یہ دعا پڑھنی بھی مستحب ہے: "سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي" (اے اللہ!

۱- صحیح بخاری: کتاب الأذان: باب وجوب القرأۃ للامام والماموم (۷۵۶) صحیح مسلم: کتاب الصلاۃ: باب وجوب قرأۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ الخ (۳۹۴)

۲- سورہ "ق" سے سورہ "نبا" تک طوال مفصل، سورہ "نبا" سے سورۃ "الضحیٰ" تک اوساط مفصل اور سورۃ "الضحیٰ" سے آخر تک کی سورتیں قصار مفصل کہلاتی ہیں۔

ہم تیری پاکی اور حمد بیان کرتے ہیں، اے اللہ! تو مجھے بخش دے)[۱]۔

۹- رکوع سے اٹھنے اور اس میں پڑھی جانے والی دعاؤں کا بیان

دونوں ہاتھوں کو کندھوں یا کانوں کے برابر اٹھاتے ہوئے اگر امام یا منفرد ہے تو "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ" (اللہ نے اس کی دعاء سن لی جس نے اس کی تعریف کی) کہتے ہوئے رکوع سے سر اٹھائے، اور کھڑا ہو کر یہ کہے: "رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيهِ مِلْءُ السَّمَاوَاتِ مِلْءُ وَالأَرْضِ وَمِلْءُ مَاشِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ......" (یعنی: اے ہمارے پروردگار! سب تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں، ایسی تعریفیں جو زیادہ ہیں، پاکیزہ ہیں، اور جن میں برکت دی گئی ہے، جو آسمانوں اور زمین بھر کے اور اس چیز کے بھرنے کی مقدار میں ہیں جسے تو چاہے)[۲]۔

اور اگر مقتدی ہے تو کھڑا ہو کر (رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ) آخر تک کہے[۳]۔

اور اگر امام، مقتدی، منفرد، تینوں میں سے ہر ایک ان الفاظ کا اضافہ کرے تو اچھا ہے: "أَهلَ الثَّنَاءِ وَالْمَجْدِ، أَحَقُّ مَاقَالَ الْعَبْدُ وَكُلُّنَالَكَ عَبْدٌ اَللّٰهُمَّ لاَ مَانِعَ لِمَاأَعْطَيْتَ وَلاَ مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ، وَلاَيَنْفَعُ ذَالْجَدِّ مِنْكَ الْجَدّ" (تو تعریف اور بزرگی کے لائق ہے، زیادہ لائق اس تعریف کے جو اس بندے نے کی ہے، ہم تیرے بندے ہیں، الٰہی کوئی روکنے والا نہیں جس کو تو دے، اور نہیں دینے والا ہے کوئی جس کو تو روک دے، اور نہیں نفع دیتی مالدار کو اس کی مال داری تیرے عذاب

۱- صحیح بخاری: کتاب الأذان: باب التسبیح والدعاء فی السجود (۸۱۷) صحیح مسلم: کتاب الصلاۃ: باب مایقال فی الرکوع والسجود (۴۸۴)

۲- صحیح مسلم: کتاب الصلاۃ: باب مایقول إذا رفع رأسہ من الرکوع (۴۷۶)۔

۳- یعنی: مقتدی اٹھتے ہوئے "سمع اللہ لمن حمدہ" نہیں کہے گا، بعض لوگ کہتے ہیں کہ مقتدی بھی کہے گا، تفصیل کے لیے دیکھئے أخطاء المصلین کا مسئلہ نمبر: ۳/۲۰ اور اس کا حاشیہ۔

سے نیچنے کے لیے ۔کیوں کہ نبی اکرم ﷺ سے یہ ثابت ہے۔

مستحب یہ ہے کہ امام مقتدی اور منفرد تینوں اسی طرح سینے پر ہاتھ رکھیں، جس طرح انھوں نے رکوع سے پہلے قیام کی حالت میں رکھا تھا وائل بن حجر اور سہل بن سعدؓ کی مرفوع حدیث سے یہی ثابت ہوتا ہے۔[1]

۱۰- پہلا سجدہ:

تکبیر کہہ کر اپنے دونوں گھٹنے، ہاتھوں سے پہلے ممکن ہو تو زمین پر رکھتے ہوئے[2] سجدہ کرے، اگر دشوار ہو تو ہاتھ گھٹنوں سے پہلے رکھے۔[3] ہاتھ اور پاؤں کی انگلیاں قبلہ رخ ہوں، اور ہاتھ کی انگلیاں ملی اور پھیلی ہوئی ہوں، اور سات اعضاء (ناک سمیت پیشانی، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنوں اور دونوں پاؤں کی انگلیوں کے باطنی حصے) پر سجدہ کرے، اور ''سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی'' (یعنی: میرا پروردگار پاک ہے جو بلند و بالا تر ہے) کہے۔ یہ دعاء تین یا اس سے زائد بار پڑھنا سنت ہے، اس کے ساتھ (سُبْحَانَكَ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا

۱- شیخ رحمہ اللہ کا یہ اپنا استدلال ہے، جسے بعض لوگوں نے اختیار کیا ہے، اس کے برعکس جمہور علماء کا موقف ہے کہ اسی موقع پر ہاتھوں کو چھوڑے رکھنا ہی مستحب ہے، علامہ البانیؒ نے اسی پر مفصل و مدلل گفتگو کی ہے، دیکھئے: سلسلۃ الأحادیث الصحیحۃ حدیث نمبر: ۲۲۴۔ صفۃ صلاۃ النبی، ترجمہ عبدالباری فتح اللہ ص: ۲۰۳۔

۲- سجدہ میں جاتے وقت گھٹنوں سے پہلے ہاتھوں کو زمین پر رکھنا مطلقاً افضل ہے، اس کے لیے دشواری یا آسانی کی کوئی قید نہیں ہے۔ اس کے لیے مستدرک حاکم (۱/۲۲۶) وغیرہ میں مروی ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث اور سنن نسائی (۱۰۹۱) وغیرہ میں مروی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ سجدہ میں جاتے وقت اپنے دونوں ہاتھ زمین پر گھٹنوں سے پہلے رکھتے تھے، نیز آپ اسی کے کرنے کا حکم بھی دیتے تھے، یہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں، اس کے برخلاف ابوداود وغیرہ میں مروی وائل بن حجر کی حدیث جس سے گھٹنوں کو پہلے رکھنے کا ثبوت ملتا ہے ضعیف ہے، جیسا کہ علامہ البانیؒ نے سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ (۹۲۹) اور ارواء الغلیل (۳۵۷) میں مفصل طور پر واضح کیا ہے۔ لہٰذا صحیح احادیث کے صحیح مفہوم پر عمل کرتے ہوئے مستحب یہ ہے کہ ہاتھ زمین پر پہلے رکھے جائیں۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: مرعاۃ المفاتیح (۳/۲۱۶، ۲۲۱)

۳- صحیح مسلم: کتاب الصلاۃ: باب ما یقول اذا رفع راسہ من الرکوع (۴۷۷)

وَ بِحَمْدِكَ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ) (یعنی: اے اللہ! ہمارے پروردگار! ہم تیری پاکی اور حمد بنان کرتے ہیں، اے اللہ تو مجھے بخش دے) [1] کہنا مستحب ہے۔ اور کثرت سے دعاء کرے، اس لیے کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: "رکوع میں اپنے رب کی عظمت بیان کرو، اور سجدے میں خوب دعاء ما کرو، کیونکہ سجدے کی دعاء قبولیت کی زیادہ مستحق ہے" [2]۔

اپنے رب سے دنیا و آخرت کی بھلائی طلب کرے، خواہ فرض نماز ہو یا نفل۔

اپنے باز و پہلوؤں سے، پیٹ دونوں رانوں سے، اور رانوں کو پنڈلیوں سے علیحدہ رکھے، اور اپنے باز و زمین سے اوپر اٹھا کر رکھے۔ اس لیے کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: "سجدے میں اعتدال کرو، اور کتے کی طرح باز و پھیلا کر نہ رکھو" [3]۔

۱۱- دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنا:

اللہ اکبر کہتے ہوئے سجدے سے اپنا سر اٹھائے، اپنا بایاں پیر بچھا کر اس پر بیٹھ جائے، دایاں پاؤں کھڑا رکھے، ہاتھ رانوں اور گھٹنوں پر رکھ کر اطمینان سے بیٹھے اور کہے: (رَبِّ اغْفِرْلِيْ وَارْحَمْنِيْ وَاهْدِنِيْ وَارْزُقْنِيْ وَعَافِنِيْ وَاجْبُرْنِيْ) (یعنی: اے میرے رب! تو مجھے بخش دے، مجھ پر رحم فرما، مجھے ہدایت دے، مجھے عافیت سے رکھ اور مجھے روزی عطا فرما) [4]۔

دوسرا سجدہ:

تکبیر کہتے ہوئے دوسرے سجدے میں جائے، اور اس میں وہ سب کچھ کرے جو پہلے سجدہ میں کیا تھا۔

۱- اس کی تخریج صفحہ (۵) پر گزر چکی ہے۔

۲- صحیح مسلم: کتاب الصلاۃ باب النہی عن قراءۃ القرآن فی الرکوع والسجود (۴۷۹)

۳- صحیح بخاری: کتاب الأذان: باب لایفترش ذراعیہ فی السجود (۸۲۲)، صحیح مسلم: کتاب الصلاۃ: باب الاعتدال فی السجود الخ (۴۹۳)

۴- سنن أبي داود: کتاب الصلاۃ: باب الدعاء بین السجدتین (۸۵۱)، جامع ترمذی: کتاب الصلاۃ: (۸۹۸)، حدیث صحیح ہے جیسا کہ علامہ البانیؒ نے صراحت کی ہے۔

دوسرے سجدہ کے بعد بیٹھنا:

اللہ اکبر کہتے ہوئے سر اٹھائیے، دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنے کی طرح تھوڑا سا بیٹھے، اسے "جلسہ استراحت" کہتے ہیں، یہ مستحب ہے، اسے چھوڑ دے تو کوئی حرج نہیں ہے، اس میں کوئی ذکر اور دعا نہیں ہے، پھر دوسری رکعت کے لیے اپنے گھٹنوں پر سہارا لیتا ہوا آسانی سے کھڑا ہو سکے تو ہو[1]، لیکن اگر دشواری ہو تو زمین کا سہارا لے کر کھڑا ہو، سورہ فاتحہ اور اس کے بعد قرآن سے جو میسر ہو پڑھے۔ پھر وہی عمل کرے جو پہلی رکعت میں کیا تھا۔

تشہد کی بیٹھک

اگر نماز دو رکعت والی مثلاً فجر، جمعہ یا عید کی ہے تو دوسرے سجدہ سے اٹھ کر دایاں پاؤں کھڑا کر کے، بایاں پاؤں بچھا کر، دایاں ہاتھ دائیں ران پر اور بایاں ہاتھ بائیں ران اور گھٹنے پر رکھ کر بیٹھے، ساری انگلیاں سمیٹ کر شہادت کی انگلی سے اللہ کی وحدانیت کا اشارہ کرے، اور اگر چھوٹی اور ساتھ والی انگلی سمیٹ کر کے، درمیانی انگلی سے انگوٹھے کا حلقہ بنا کر شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے، تو اچھا ہے، نبی کریم ﷺ سے دونوں طرح ثابت ہے، افضل یہ ہے کہ کبھی ایک عمل کرے، کبھی دوسرا۔

اس بیٹھک میں یہ دعائے تشہد پڑھے " التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِينَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ

---

[1]- دوسری رکعت کے لیے زمین کا سہارا لے کر کھڑا ہونا مطلقاً مسنون ہے، کیوں کہ دشواری ہو یا آسانی ہر دو صورت میں رسول اللہ ﷺ کا اسی پر عمل تھا، جیسا کہ صحیح بخاری (۸۲۴) اور سنن نسائی (۱۱۵۳) میں مروی مالک بن حویرث کی حدیث میں صراحت ہے، اس کے برخلاف گھٹنوں پر سہارا لے کر کھڑا ہونے پر دلالت کرنے والی حدیث ضعیف ہے، جیسا کہ علامہ البانی " نے سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ (۹۲۹) اور ارواء الغلیل (۳۵۷) میں تفصیل سے واضح کیا ہے، لہٰذا دونوں حدیثوں میں کسی تطبیق کی ضرورت نہیں۔

مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ" (یعنی: تمام زبانی، بدنی اور مالی عبادتیں اللہ ہی کے لیے ہیں، آپ پر اے نبی! سلام ہو اور اللہ کی رحمت اور برکتیں نازل ہوں، ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر بھی سلامتی ہو، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں) [1] پھر یہ درود شریف پڑھے: "اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ" (یعنی: اے اللہ! محمد (ﷺ) اور محمد (ﷺ) کے آل پر رحمت نازل فرما، جیسا کہ تو نے ابراہیم پر اور ابراہیم کے آل پر رحمت نازل فرمائی، بے شک تو تعریف کیا ہوا قابل تعظیم ہے، اے اللہ! محمد (ﷺ) اور محمد (ﷺ) کے آل پر برکت نازل فرما، جیسا کہ تو نے ابراہیم اور ابراہیم کے آل پر برکت نازل فرمائی، بے شک تو تعریف کیا ہوا قابل تعظیم ہے) [2] پھر چار چیزوں سے بایں الفاظ اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے: "اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ، وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ" (اے اللہ! میں جہنم کے عذاب سے تیری پناہ چاہتا ہوں، اور قبر کے عذاب سے تیری پناہ چاہتا ہوں، اور مسیح دجال کے فتنہ سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور زندگی اور موت کے فتنہ سے تیری پناہ چاہتا ہوں) [3]۔

۱- صحیح بخاری: کتاب الاستیذان: باب السلام اسم من اسماء اللہ تعالیٰ (۶۲۳۰)، صحیح مسلم: کتاب الصلاۃ: باب التشہد فی الصلاۃ (۴۰۲)

۲- صحیح بخاری: کتاب احادیث الأنبیاء (۳۳۷۰)، صحیح مسلم: کتاب الصلاۃ: باب الصلاۃ علی النبی ﷺ بعد التشہد (۴۰۶)

۳- صحیح مسلم: کتاب المساجد: باب ما یستعاذ منہ فی الصلاۃ (۵۹۰)

پھر دنیا و آخرت کی بھلائی کے لیے، والدین یا دیگر مسلمانوں کے لیے جو چاہے دعاء کرے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے، خواہ فرض نماز ہو یا نفل، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول حدیث میں نبی ﷺ کا ارشاد عام ہے، آپ ﷺ نے جب ان کو تشہد کی تعلیم دی، تو فرمایا: ”پھر نمازی کو جو دعا سب سے اچھی لگے اس کے ذریعہ وہ دعاء کرے [۱]، ایک دوسری روایت میں ہے: ”پھر بندہ دنیا و آخرت کے تعلق سے جو چاہے اللہ سے مانگے۔“ پھر ”السلام علیکم ورحمة اللہ“ ”السلام علیکم ورحمة اللہ“ کہتا ہوا دائیں اور بائیں سلام پھیرے۔

تین اور چار رکعت والی نماز کی کیفیت

اگر نماز تین رکعت والی مثلا مغرب کی ہے، یا چار رکعت والی مثلا ظہر، عصر یا عشاء کی ہے تو مذکورہ بالا تشہد اور درود شریف پڑھے، پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے، گھٹنوں کا سہارا لیتے ہوئے کھڑا ہو کر، کندھے یا کانوں تک اپنے ہاتھ اٹھا کر سینے پر باندھ لے، جیسا کہ پہلے گزرا، اب صرف سورہ فاتحہ پڑھے، اگر ظہر کی تیسری یا چوتھی رکعت میں کبھی کبھار سورہ فاتحہ کے علاوہ قرآن سے کچھ پڑھ لے تو کوئی حرج نہیں، کیوں کہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں نبی کریم ﷺ کا اس طرح پڑھنا ثابت ہے [۲]۔

پھر مغرب کی تیسری اور ظہر، عصر اور عشاء کی چوتھی رکعت کے بعد تشہد پڑھے، نبی کریم ﷺ پر درود بھیجے، اور عذاب جہنم، عذاب قبر، زندگی اور موت کے فتنہ اور مسیح دجال کے فتنہ سے اللہ کی پناہ مانگے، اور خوب دعا کرے، جیسا کہ دو رکعت والی نماز کے

۱- صحیح بخاری: کتاب الأذان: باب ما یتخیر من الدعاء بعد التشہد الخ (۸۳۵)، صحیح مسلم: کتاب الصلاۃ: باب التشہد فی الصلاۃ (۴۰۲)
۲- صحیح مسلم: کتاب الصلاۃ: باب القراءۃ فی الظہر والعصر (۴۵۲)

بیان میں گزر چکا ہے۔

[لیکن اس دوسرے تشہد میں تورک کرے، یعنی اپنا بایاں پاؤں داہنے پاؤں کے نیچے سے نکال لے، اور بائیں سرین پر ٹیک لگا کر بیٹھ جائے، صحیح حدیث میں ایسا ہی آیا ہے۔]

پھر ("اَلسَّلاَمُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ" "اَلسَّلاَمُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ" کہتا ہوا) دائیں اور بائیں سلام پھیرے، اس کے بعد تین بار "اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ" کہے۔ پھر "اللَّهُمَّ أَنْتَ السَّلاَمُ وَمِنْكَ السَّلاَمُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلاَلِ وَالإِكْرَامِ" (یعنی: اے اللہ! تو تمام عیب سے پاک ہے، اور تیری طرف سے سلامتی ہے، اے ذوالجلال والاکرام تو بڑا ہی برکت والا ہے) [1] پڑھے۔ امام ہو تو وہ یہ دعا لوگوں کی طرف منہ کرنے سے پہلے پڑھے۔

پھر یہ دعا پڑھے (لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللّٰهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، اللَّهُمَّ لاَ مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلاَ مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ، وَلاَ يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ [2]، لاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ إِلاَّ بِاللّٰهِ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللّٰهُ، وَلاَ نَعْبُدُ إِلاَّ إِيَّاهُ، لَهُ النِّعْمَةُ وَلَهُ الْفَضْلُ وَلَهُ الثَّنَاءُ الْحَسَنُ، لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللّٰهُ، مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ" [3] (یعنی: اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اس کے لیے بادشاہت اور تمام تعریفیں ہیں، اور وہ ہر چیز پر

۱۔ صحیح مسلم: کتاب المساجد: باب استحباب الذکر بعد الصلاۃ الخ (۵۹۲)
۲۔ صحیح بخاری: کتاب الأذان: باب الذکر بعد الصلاۃ (۸۴۴)، صحیح مسلم: کتاب المساجد: باب استحباب الذکر بعد الصلاۃ، الخ (۵۹۳)
۳۔ صحیح مسلم: کتاب المساجد: باب استحباب الذکر بعد الصلاۃ الخ (۵۹۴)

قدرت رکھنے والا ہے، اے اللہ! اس چیز کو کوئی روکنے والا نہیں جس کو تو نے دیا، اور اس چیز کو کوئی دینے والا نہیں جسے تو نے روک لیا، اور دولت والے کو تیرے مقابلے میں دولت نفع نہیں دیتی، گناہوں سے پھرنے کی طاقت اور عبادت کرنے پر قوت صرف اور صرف اللہ کی مدد سے ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے، ہم اس کی عبادت کرتے ہیں، اسی کے لیے نعمت و فضل اور اچھی تعریف ہے، نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ! ہم اسی کے لیے خالص عبادت کرنے والے ہیں، اگرچہ کافر برا مانیں)

پھر ۳۳ بار سبحان اللہ، ۳۳ بار الحمد للہ، ۳۳ بار اللہ اکبر کہے۔ اور سو کی گنتی "لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ "[1] کہہ کر پوری کرے۔

نمازی ہر نماز کے بعد "آیۃ الکرسی"[2] ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ "﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ "اور ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ پڑھے[3]۔

نبی کریم ﷺ کی احادیث کی روشنی میں نماز فجر اور نماز مغرب کے بعد ان تینوں سورتوں کا تین تین بار پڑھنا مستحب ہے، یہ سارے اذکار سنت ہیں، فرض نہیں۔

مؤکدہ سنتوں اور وتر کا بیان

ہر مسلمان مرد و عورت کے لیے مسنون ہے کہ ظہر سے پہلے چار رکعتیں بعد میں

۱- صحیح مسلم: کتاب المساجد: باب استحباب الذکر بعد الصلوۃ الخ۔ (۵۹۷)

۲- اس لیے کہ ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعا مروی ہے: "جو شخص ہر نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھتا رہا اسے جنت میں داخل ہونے سے سوائے موت کے کوئی چیز نہیں روک سکتی۔" عمل الیوم واللیلۃ للنسائی (۱۰۰)، علامہ البانیؒ نے حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، دیکھئے: سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ (۹۷۲)

۳- سنن ابی داود: کتاب الوتر: باب فی الاستغفار (۱۵۲۳)، مسند احمد (۴/۱۵۵)، علامہ البانی نے حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

دو، مغرب کے بعد دو، عشا کے بعد دو، اور نمازِ فجر سے پہلے دو (کل بارہ رکعتیں) ادا کرے، یہ رکعتیں رواتب (یعنی موکدہ سنتیں) کہلاتی ہیں، اس لیے کہ نبی کریم ﷺ حالت حضر میں انہیں ہمیشہ پڑھتے تھے، اور حالت سفر میں چھوڑ دیتے تھے، البتہ فجر کی سنت اور وتر سفر اور حضر دونوں ہی حالتوں میں پابندی کے ساتھ ادا کرتے تھے۔ افضل یہ ہے کہ وتر اور موکدہ سنتیں گھر میں پڑھی جائیں، اگر کوئی شخص انہیں مسجد ہی میں پڑھ لے تو کوئی حرج نہیں ہے، نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: "فرض نماز کے علاوہ آدمی کی بہترین نماز وہ ہے جو گھر میں ہو"[۱]۔

نبی اکرم ﷺ کے فرمان کے مطابق ان رکعتوں پر ہمیشگی برتنا جنت میں دخول کا سبب ہے، آپ ﷺ نے فرمایا ہے: "جس کسی نے رات اور دن میں بارہ رکعتیں نیکی اور ثواب کی نیت سے ادا کیں اللہ تعالیٰ جنت میں اس کے لیے گھر بنائے گا"۔ اسے امام مسلم نے اپنی صحیح[۲] میں روایت کی ہے۔

اگر عصر سے پہلے چار رکعتیں، مغرب سے پہلے دو، اور عشاء سے پہلے دو رکعتیں بھی پڑھ لے تو اچھا ہے، کیوں کہ نبی کریم ﷺ سے یہ رکعتیں ثابت ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔

وصلى الله على نبينا محمد بن عبد الله وعلى آله وأصحابه وأتباعه بإحسان إلى يوم الدين۔

☆☆☆

۱- صحیح بخاری: کتاب الأذان: باب صلاة الليل (۷۳۱)، صحیح مسلم: کتاب الصلاة: باب استحباب صلاة النافلة فی بیتہ الخ (۷۸۱)
۲- کتاب الصلاة: باب فضل السنن الراتبة قبل الفرائض وبعدهن، الخ (۷۲۸)

سلسله مطبوعات دارالدعوة:۳۷

"صلوا كما رأيتموني أصلي"

أخطاء المصلين

تاليف: الشيخ أبو عبيدة مشهور بن حسن آل سلمان

ترجمه، تخريج و تعليق

رياض أحمد محمد سعيد السلفي

إشراف

أحمد مجتبي نذير عالم السلفي

تقديم و مراجعة

د/عبد الرحمن بن عبد الجبار الفريوائي

أستاذ حديث جامعة الإمام محمد بن سعود الإسلامية بالرياض

فریوائی اکادمی، نئی دہلی، ۱۱۰۰۲۵

تقریظ

زیر ترجمہ کتاب دراصل "تخصص فی الحدیث النبوی" کی ڈگری کے لیے مقالہ کا عنوان ہے، جو جامعہ سلفیہ، بنارس میں پیش کیا گیا تھا، مترجم موصوف مولانا ریاض احمد سلفی نے جب مذکورہ مقصد کے لیے کسی عنوان کا مشورہ طلب کیا تو میں نے اس کتاب کے ترجمہ و تخریج کا مشورہ دیا، بات دراصل یہ تھی کہ ڈاکٹر فریوائی محترم نے مذکورہ کتاب کا ترجمہ اس کی افادیت کے پیش نظر میرے حوالے کیا تھا، مگر جامعہ سلفیہ کے تدریسی، تحقیقی اور تبلیغی فرائض کی وجہ سے مجھے فرصت نہیں مل پا رہی تھی، اس لیے جب مترجم موصوف نے اپنے لیے مقالے کا عنوان طلب کیا، تو میں نے فوراً یہی عنوان طے کر دیا۔

موصوف چونکہ تخصص میں دو سال میرے زیر درس رہ چکے تھے اس لیے میں ان کی صلاحیت سے اچھی طرح واقف تھا، بس فوراً یہ کام ان کے حوالے کر دیا، اور توقع کے مطابق موصوف نے کما حقہ اس کام کا حق ادا کر کے تخصص کی ڈگری اعلیٰ پوزیشن سے حاصل کر لی، ولا ازکی علی اللہ احداً۔

اور یہ عجب اتفاق کی بات ہے کہ جب اس کتاب کی اشاعت کا موقع آیا تو موصوف دارالدعوۃ الہ آباد منتقل ہو چکے تھے اور میں دارالدعوۃ دہلی کے شاخ میں منتقل ہو چکا تھا، اس لیے ڈاکٹر فریوائی محترم نے اس کی دوبارہ مراجعت کا کام میرے ہی ذمہ لگا دیا، میں نے کسی کتاب کے شائع کرنے کی جو ضروری امور ہوتے ہیں اس کے حساب سے اس کا دوبارہ مراجعہ کیا اور اس کے بعد ڈاکٹر موصوف نے مراجعہ کیا، اس طرح یہ کتاب قارئین کے ہاتھوں میں جاری رہی ہے، امید ہے کہ امتِ مسلمہ کے کثیر افراد اس کے ذریعے اپنی نمازوں کو درست کر کے دربارِ الٰہی میں نماز جیسی بڑی عبادت کا نذرانہ صحیح طور سے پیش کر کے قبولیت کے سزاوار بن سکیں گے، اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ ہماری نمازوں اور ساری عبادتوں کو اخلاص کے ساتھ اور صحیح طریقہ سے ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور قبول فرمائے۔

احمد مجتبیٰ بن نذیر عالم سلفی
(نائب رئیس دارالدعوۃ، دہلی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال النبي ﷺ لمسئ الصلاة :

"ارجع، فصلّ، فإنك لم تصلّ" قال له ذلك ثلاثاً، قال: والذی بعثك بالحق ما أحسن غيره، فعلّمني، فقال: "إذا قمت إلى الصلاة فكبر، ثم اقرأ ما تيسر معك من القرآن، ثم اركع حتى تطمئن راكعاً، ثم ارفع حتى تعتدل قائماً، ثم اسجد حتى تطمئن ساجداً، ثم ارفع حتى تطمئن جالساً، ثم افعل ذلك في صلاتك كلها" (بخاری)

فہرستِ مضامین

چھٹی فصل: نماز جمعہ میں نمازیوں کی غلطیوں اور تارکین جمعہ پر وعید کا بیان ۱۹۱

☆☆☆

تقدیم

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على رسوله الكريم أما بعد:

زیرِ نظر کتاب "اخطاء المصلین" ہمارے فاضل دوست شیخ مشہور حسن آل سلمان حفظہ اللہ کی اس موضوع پر مختصر کتاب کا اردو ترجمہ ہے، موصوف نے سب سے پہلے اس موضوع پر ایک مبسوط اور مدلل کتاب تحریر فرمائی جس کو اہل علم نے بہت سراہا، موضوع کی اہمیت وافادیت اور عوام وخواص کے استفادہ کو سامنے رکھتے ہوئے موصوف نے کتاب کی ازخود تلخیص فرمائی اور یہ تلخیص بھی اصل کی طرح افادہ عام وخاص کا عنوان بنی، اللہ تعالی مؤلف حفظہ اللہ کی ان کوششوں کو قبول فرمائے آمین۔

نماز کی صحیح ادائیگی کے سلسلہ میں یہ کتاب کلیدی اہمیت رکھتی ہے، اردو میں بے شمار کتابیں نماز اور متعلقات نماز کے موضوع پر موجود ہیں، جن میں "دستور المتقی" تالیف مولانا عبد الحکیم نصیر آبادی، "صلاۃ محمدی" تالیف مولانا محمد جوناگڈھی، "صلاۃ الرسول" تالیف مولانا صادق سیالکوٹی، "صلاۃ المصطفیٰ" تالیف مولانا عصمت اللہ مئوی رحمہم اللہ تعالے عاملین بالحدیث کے طبقہ میں معروف ومشہور ہیں، اب تو فقہی حلقوں سے ایسی کتابیں منظرِ عام پر آرہی ہیں جن میں عام فقہی طرز سے الگ احادیث کو ذکر کرکے زوایتی طریقوں کو نئے انداز میں پیش کرنے یا معاشرہ میں احادیث صحیحہ کے پھیلنے اور اس پر عمل کی روش عام کے دباؤ کی وجہ سے اس سلسلے کے وارد اشکالات کو دفع

کرنے کی کوشش کی گئی ہے، ہمارے دوست **مولانا عبد الحنان نبیرہ علامہ محمد اشرف سندھو** نے "صلاۃ الرسول" کی بالاستیعاب تخریج و تحقیق و اشاعت کا فریضہ انجام دے کر اس موضوع کو اور منقح کیا، ادھر البانی صاحب کی "صفۃ صلاۃ النبی"، کی اشاعت کے بعد اس کی تلخیص ڈاکٹر بدر الزماں نیپالی نے اردو میں شائع کی، "صفۃ صلاۃ النبی" کے اردو ایڈیشن پہلے ہند وپاکستان میں مولانا صادق خلیل صاحب کے قلم سے اور ہندوستان اور دبئی میں شیخ عبد الباری فاضل جامعہ اسلامیہ کے قلم سے آئے جس سے مسائل صلاۃ کی تنقیح و تفہیم میں مدد ملی، دینی جرائد و مجلات بالخصوص اہل حدیث مکتب فکر کے اشاعتی ادارے برابر اس بات کی کوشش کرتے رہے کہ اس سلسلے میں کچھ نہ کچھ شائع ہوتا رہے، ایک زمانہ تک نماز کے بعد اجتماعی دعا، کی سنیت و بدعیت پر تحریریں آتی رہیں اور اب عوام کے یہاں یہ مسئلہ تقریباً رواں ہو گیا ہے اور اس میں پہلے کی طرح نہ تو التزام باقی رہا، اور نہ شدت۔

اسی طرح ننگے سر نماز پڑھنے کا مسئلہ ہے، بعض حضرات اس مسئلہ کو اِنتہائی سنجیدگی سے لیتے ہیں حتی کہ مساجد میں کپڑوں سے لے کر پلاسٹک اور کھجور کے پتوں تک کی ٹوپیاں فراہم رہتی ہیں، عمامہ کا اہتمام بھی کہیں کہیں نظر آتا ہے، صف کی درستگی، اور سترہ کے اہتمام کا مسئلہ بھی گاہے بگاہے زیر بحث آتا رہتا ہے، یہی حال دوسرے مسائل کا ہے۔

بالخصوص بر صغیر کی فضاء میں حنفی مذہب کے ماننے والوں کی اکثریت ہے، عام طور پر لوگ نماز سے متعلق احادیث سے ناواقف ہیں، نیز انہیں کبھی کبھی اپنے موقف پر اصرار ہوتا ہے، اس لیے اہل حدیث علماء نے ان مسائل پر کتابیں لکھیں اور ماضی میں

اہل حدیث، دیوبندی اور بریلوی مکاتب فکر کے یہاں اختلافی مسائل کی بناء پر بڑی رسہ کشی رہی، اب پہلے جیسے حالات تو الحمد للہ نہیں رہے، لیکن بعض مذہب نما سیاسی رہنما ان اختلافات کو ہوا دے کر اپنی دکان چمکانے اور اپنی سیاست کو فروغ دینے کا کام کرتے رہتے ہیں۔

عام دینی بیداری، تعلیم کی زیادتی، کتاب و سنت سے شغف عام، کتابوں کی اشاعت، سعودی عرب اور خلیج سے عام مسلمانوں کے روابط، اور وہاں کی صاف ستھری مذہبیت اور دینی ماحول سے تاثر کے نتیجہ میں اب حالات کافی بدل چکے ہیں، لوگوں میں اپنے اعمال واخلاق اور اپنی عبادات کو سنت کے مطابق ڈھالنے کا جذبہ بڑھ رہا ہے، بالخصوص نمازوں کے تعلق سے بہت حساس ہو گئے ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ اسے سنت کے مطابق ادا کریں۔

اصلاح نماز کا کام ہندوستان میں مختلف انداز سے حسب سابق جاری ہے، چونکہ اہل حدیث علماء نے بے شمار کتابیں نماز کے فروعی مسائل پر لکھیں ہیں مثلاً: رکعات تراویح پر ۳۰ سے زائد رسالے لکھے گئے، نیز نماز میں حنفی اور اہل حدیث کے مابین عورت اور مرد کی نماز میں فرق پر مولانا احمد اللہ دہلوی کا رسالہ، سورہ فاتحہ پر مولانا عبد الرحمن مبارک پوری کی کتاب، اسی طرح طرح رفع یدین، آمین بالجہر اور صفوں کی درستگی وغیرہ مسائل پر بھی بہت سی کتابیں لکھیں گئیں ہیں۔

لیکن افسوس کہ نماز کی اصلاح کے واضح عناوین پر کتابوں کی اب تک کافی کمی ہے مثلاً نماز کے چھوڑنے یا اس میں تساہل برتنے، مساجد کی اصلاح، یا نماز اور مساجد سے اسلامی ہم آہنگی، مسلم سماج میں تعلیم وتربیت کا کام، نماز کو خشوع وخضوع سے کس

طرح پڑھا جائے، یا نماز کے سکھانے کا ایسا اہتمام جس سے عجمی مصلیان نماز میں پڑھی جانے والی عام سورتوں اور ماثور دعاؤں کو یاد کرلیں اور اس کے معانی اور مطالب کو بھی مستحضر رکھیں، نیز نماز میں قیام قعود اور رکوع و سجود جیسی حرکات و سکنات سے توحید باری تعالے اور تقوے و پاکیزگی کا درس لیں اور یہ نمازیں اللہ تعالے کے یہاں محو سیئات اور رفع درجات کے ساتھ دنیا میں ان کو فواحش و منکرات سے بھی روک سکیں، اور ان میں اتحاد و تعاون کی فضا کو برقرار رکھ سکیں، مسجد جھگڑے کا دنگل نہ ہو، بلکہ پیار و محبت، علم و آگہی اور عبادت و ریاضت کا مقدس مقام ہو، ہم اپنے نوجوانوں کو دعوت دیں گے کہ وہ ان موضوعات کے ذریعہ مسلم امہ کی تربیت کا سامان بہم پہنچائیں۔

بات اصلاح نماز کے رسائل و مؤلفات پر ہو رہی تھی، شیخ مشہور نے امتِ مسلمہ کی نمازوں کی اصلاح پر کتاب تالیف فرما کر گویا ایک قرض کو ادا کردیا جو امتِ محمدیہ پر تھا کہ اس عہد شر و فساد میں، اس موضوع پر جامعیت کے ساتھ دلائل سے مزین یہ رسالہ ہر مسلمان کی اس عظیم فریضہ اسلامی کی اصلاح میں ممد و معاون ہوگا، اس کتاب میں اذان و اقامت سے سلام پھیرنے بلکہ ان سے بعد تک کی غلطیوں اور فروگذاشتوں کی نشان دہی اس جذبہ سے کی گئی ہے کہ برادرانِ اسلام اس سے فائدہ اٹھا کر اپنی نمازوں کو سنت کے مطابق ادا کرکے عند اللہ قبولیت کا سامان بہم پہونچائیں اور اس سے دنیا میں ہر طرح کی سعادتوں کو حاصل کریں۔

راقم الحروف نے بیس سال پہلے مدینہ یونیورسٹی سے ایم-اے کرنے کے فوراً بعد نماز اور ایمان سے متعلق سب سے اہم ماخذ کتاب "تعظیم قدر الصلاۃ" للمروزی کی تحقیق و تخریج کرکے شائع کردی تھی، اور یہ خیال برابر دامن گیر رہا اور بعض اساتذۂ

کرام و محبین سے بھی مشورہ ہوا کہ سندوں اور مکرر احادیث کو حذف کر کے کتاب کا اختصار دو دو عنوان سے کر دیا جائے: ایک "ایمان و اعتقاد" اور دوسرا "نماز کی اہمیت" لیکن اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔

بہر حال اس سلسلہ کی دینی خدمات کا بیڑا عزیز گرامی مولانا ریاض احمد سلفی نے اٹھایا اور اس کتاب کا اردو میں ترجمہ کر کے اردو لٹریچر میں ایک مفید اضافہ کیا، اور میرے لیے خوشی کی بات یہ ہے کہ انہوں نے مجھ سے بھی تھوڑا بہت بنارس میں پڑھا ہے اور ہمارے ہی مشورہ سے وہ جامعہ ابن تیمیہ چندن بارہ چمپارن بہار میں فرائض تدریس ادا کرتے رہے، اور اس وقت اپنے ذاتی مسائل کی وجہ سے گھر اور والدین کے قریب رہنے کی خواہش سے وہ جامعہ ابو ھریرہ، الہ آباد آگئے اور فی الحال وہ دار الدعوۃ کے زیر نگرانی (دہلی میں) تصنیف و تالیف اور تدریس کے فرائض انجام دے رہے ہیں، موصوف کا اصرار تھا کہ میں کتاب پر نظر ثانی کروں، مگر میں اپنی علمی مصروفیات و اداری مشغولیات کے سبب اسے مؤخر کرتا رہا، ان کی یہ کتاب ایک مدت سے کمپیوٹر میں محفوظ تھی لیکن مراجعہ کی وجہ سے اس کی اشاعت ٹلتی رہی، ہم اپنے رفقاء کے ساتھ کتب حدیث کی اشاعت کے اہم منصوبہ کی تکمیل میں مصروفیت کی وجہ سے ہم اس طرف دھیان نہ دے سکے، لیکن جب اراکین دار الدعوۃ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا، اور اخوان نے چھوٹی کتابوں کی اشاعت کا کام بھی شروع کر دیا تو اس کتاب کو مزید مؤخر کرنے کا خیال ترک کرنا پڑا، ادھر آخری دنوں میں میں اپنے وطن میں تھا کہ سفر سے ایک دن پہلے بلکہ سفر کی رات مولانا ریاض صاحب مسودہ لے کر آئے اور کہنے لگے کہ ذرا اس کو دیکھ لیجیے، میں نے ان سے ان کا نسخہ یہ کہہ کر لے لیا کہ راستہ میں، یا دلی میں

وقت ملا تو دیکھ لوں گا، اور دلی میں چھوڑ دوں گا اور وہ آپ تک پہنچ جائے گا، دہلی پہنچ کر شیخ احمد مجتبیٰ سلفی صاحب سے میں نے پوچھا کہ کتاب کس حالت میں ہے؟ انھوں نے کہا کہ میں نے نگرانی تو کی ہے لیکن موضوع کتاب کی اہمیت وافادیت کے پیش نظر میں اسے خود دوبارہ پڑھوں گا، اور گزارش ہے کہ آپ بھی مراجعہ کر دیں، میں کتاب کی سی ڈی لے کر ریاض آ گیا، اور الحمد للہ مشغولیات کے ہجوم میں اتنا موقع مل ہی گیا کہ اس کتاب کو میں نے بالاستیعاب اس نقطہء نظر سے پڑھ لیا کہ میں خود اس سے فائدہ اٹھاؤں، اور اس کو قارئین کرام کے لیے بھی آسان اور مفید بناؤں، واضح رہے کہ شیخ احمد مجتبیٰ نے کتاب کو دوبارہ حرفاً حرفاً پڑھ لیا ہے، نیز مولانا ابواسعد قطب محمد الاثری استاذ جامعہ ابوہریرہ نے بھی اس ترجمہ کو بالاستیعاب پڑھا ہے۔

ترجمہ کی زبان میں عام قارئین کے معیار کو خاصا خیال رکھا گیا ہے، لیکن پھر بھی کتاب کا موضوع خالص علمی ہے، اور دینی وشرعی اصطلاحات میں عربی تراکیب واصطلاحات کا آنا بھی ضروری ہے، اس لیے بہت سی جگہوں پر بعینہ وہی الفاظ رکھنے پڑے جو عربی یا ماضی قریب کی اردو میں مستعمل تھے اور اب بھی اردو کے مخصوص حلقے میں مستعمل ہیں، چونکہ دور حاضر میں اردو سے بے اعتنائی اور ہندی کے چلن میں اردو زبان سے دوری بڑھتی جا رہی ہے جس کی وجہ سے عام مسلمان اردو سے بہت دور ہو گئے ہیں اس لیے یہ پریشانی بہر حال ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم تیزی سے اپنے اسلامی ورثہ کو ہندی میں منتقل کریں، واضح رہے کہ انگریزی زندہ زبان ہے اور ساری دنیا کے مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد انگریزی زبان بولتی اور سمجھتی ہے، اس لیے انگریزی میں اسلامیات کا کام بڑا اچھا ہو رہا ہے، لیکن ہندی اور علاقائی زبانوں میں اس کی بڑی اہمیت ہے، دار الدعوۃ دہلی کے قیام کا مقصد صرف اور صرف یہی ہے کہ صحیح

اسلام کا تعارف اردو، ہندی اور دوسری علاقائی زبانوں میں تیزی سے کیا جا سکے، الحمد للہ کئی سال کی محنت کے بعد اب ہم اس مقام پر پہنچ گئے ہیں کہ ادارہ کی تالیفات کو تدریجی طور سے منظر عام پر لا سکیں، اللہ تعالی سے دعا ہے کہ اس کام میں برکت عطا فرمائے، کارکنان کو اخلاص و ثبات علے الحق کی توفیق دے، اور ہمارے اعمال کو اپنی رضا کا ذریعہ بنائے۔ آمین ثم آمین۔

زیر نظر کتاب ہم اس توقع سے شائع کر رہے ہیں کہ اس سے عقیدۂ توحید کے بعد اسلام کے بنیادی رکن فریضۂ نماز میں واقع ہونے والی غلطیوں کے ازالہ میں یہ کتاب کلیدی رول ادا کرے گی، اللہ تعالے اس کتاب کے مؤلف شیخ مشہور حسن اور اس کے مترجم مولانا ریاض احمد سلفی اور اس کتاب کے نگراں شیخ احمد مجتبیٰ سلفی اور جس نے بھی اس کی اشاعت میں حصہ لیا ہے سب کو اجر عظیم عطا فرمائے آمین۔

نوٹ: زیر نظر کتاب کے موضوع کی مناسبت سے مؤلف محترم نے اپنی کتاب سے پہلے سماحۃ الشیخ علامہ ابن باز رحمہ اللہ کا صحیح طریقۂ نماز سے متعلق ایک رسالہ منسلک کیا ہے، اس لیے ہم نے بھی اس رسالہ کو کتاب کے شروع میں منسلک کر دیا ہے، تاکہ نماز میں واقع ہونے والی غلطیوں سے پہلے صحیح طریقۂ نماز کا ایک اجمالی خاکہ قارئین کے ذہن میں موجود رہے۔

وصلى الله على نبيه وعلى آله وصحبه وسلم

ذی الحجہ ۱۴۲۵ھ — ڈاکٹر عبد الرحمٰن بن عبد الجبار الفریوائی

جنوری ۲۰۰۵ء — استاذ حدیث جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیۃ

ریاض، سعودی عرب

عرض مترجم

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين نبينا محمد وآله و صحبه أجمعين، أما بعد:

نماز بندوں پر اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا فریضہ، دین کا ستون اور مسلمانوں اور کافروں کے درمیان مابہ الامتیاز ہے، اس میں ایمان اور دین کی حفاظت، اللہ تعالیٰ سے تعلق، دائرہ اسلام میں رہنے اور جماعت مومنین میں شمولیت کی حفاظت و سلامتی کا راز پوشیدہ ہے، نماز مومن کے لیے اس محبت کرنے والی ماں سے بھی زیادہ پناہ لینے، سر چھپانے اور آرام پانے کی جگہ اور اس کی گود سے بھی زیادہ راحت رساں اور جنت بداماں ہے جو ایک یتیم، ضعیف و عاجز، بے سہارا اور لاڈلے بچہ کے لیے ہر وقت کھلی رہتی ہے اور جب بھی بچہ کو کسی قسم کی گزند اور نقصان کا خطرہ ہوتا ہے، کوئی اس کو چھیڑتا اور پریشان کرتا ہے، یا اس کو بھوک اور پیاس ستاتی ہے یا وہ کسی چیز سے ڈر اور سہم جاتا ہے تو فوراً ماں سے چمٹ جاتا ہے اور گود میں بیٹھ کر سمجھ لیتا ہے کہ وہ سب سے محفوظ ہو گیا، اسی طرح نماز بھی مومن کی سب سے بڑی پناہ گاہ اور جائے قرار ہے، یہ وہ مضبوط رسی ہے جو اس کے اور اس کے رب کے درمیان پھیلی ہوئی ہے، وہ جب چاہے اس رسی کو مضبوطی سے تھام کر اپنی حفاظت کی ضمانت حاصل کرسکتا ہے، یہ اس کی روح کی غذا، درد کا درماں، زخم کا مرہم، بیماری سے شفا اور اس کا سب سے بڑا ہتھیار اور سہارا ہے۔

یہ آزاد اور غلام، امیر اور غریب، بیمار اور تندرست، مسافر اور مقیم پر ہمیشہ کے لیے اور ہر حال میں فرض ہے، کسی عاقل بالغ انسان کو کسی حال میں اس سے مستثنیٰ نہیں کیا جا سکتا، بر خلاف روزہ، حج اور زکوۃ کے، جن کی فرضیت مختلف شرائط کی موجودگی میں ہے اور ان عبادتوں کے متعین اور محدود اوقات ہیں، نماز تو میدان جنگ میں بھی ساقط نہیں ہے حتیٰ کہ اس کا نہایت کٹھن مرحلہ جب کہ دشمن تعاقب میں ہو اس کی فرضیت کی راہ میں حائل نہیں ہو سکا۔

اس کی اہمیت و افادیت اور ہمہ گیر حیثیت ہی کے پیش نظر شریعت اسلامیہ نے اس پر حد درجہ شرح وبسط کے ساتھ روشنی ڈالی ہے، اس کے تمام جزئیات کی تعیین فرمائی ہے، شروط وارکان، فرائض و واجبات، سنن و مستحبات نیز اس کے تعلق سے کوئی گوشہ تشنہ نہیں چھوڑا ہے، پھر یہ میراث نبوت اپنے تمام تر اشکال و آداب اور احکام و تفصیلات کے ساتھ بحفاظت ایک نسل سے دوسری نسل تک اور ایک عہد سے دوسرے عہد تک منتقل ہوتی رہی، محدثین و فقہاء نے نماز کی احادیث کی تخریج، احکام کے استنباط اور فرض و واجب، مندوب و مستحب، سنت و نفل اور جائز و ناجائز کی تفصیلات مرتب کرنے میں نہایت دقت نظری اور باریک بینی سے کام لیا ہے، اور اس کا کوئی گوشہ ایسا باقی نہیں رکھا جو شرعی دلائل سے مدلل اور نور شریعت سے منور نہ ہو، نیز نماز علماء و معلمین، خطباء و مؤلفین، دعاۃ و مبلغین اور انشاء پرداز و باحثین کا مسلسل مرکز توجہ رہی ہے، دنیا کی ہر زندہ زبان میں اس موضوع پر تصنیف و تالیف اور تحقیق و تعلیق کا ایک لامتناہی سلسلہ جاری ہے۔

لیکن افسوس کہ شریعت مطہرہ کی تمام تر عنایت و توجہ اور ہر دور و عہد اور ملک و شہر

میں ربانی علماء کی پوری عرق ریزی و جانفشانی اور مکمل جد جہد کے باوجود بہت سے مسلمانوں کی نمازیں سنت نبوی سے کوسوں دور ہیں، کتنے ایسے ہیں جن کی نمازیں بے اعتنائی و بے توجہی اور تکاسلی و سہل پسندی کی نذر ہو رہی ہیں، کتنوں کی نمازیں شعوری یا غیر شعوری طور پر ایسے اخطاء و اغلاط اور مخالف سنت امور کا معجون مرکب ہیں جن سے یا تو اس کے ثواب میں خاصی کمی آتی ہے یا سرے سے نماز ہی چلی جاتی ہے، کتنے ایسے ہیں جن کی نمازیں تقلید جامد، مسلکی عصبیت اور مخصوص فقہی آراء کی آئینہ دار ہیں، اور کتنوں کی نمازیں ہوئی و ہوس اور شہوت و انانیت کی بھینٹ چڑھ رہی ہیں، ضرورت تھی کہ بغیر کسی جانب داری و تعصب، مداہنت و مفاہمت اور خوف و خطر کے اس اہم ترین عبادت میں دانستہ یا غیر دانستہ واقع ہونے والی غلطیوں کی نشان دہی کرتے ہوئے قرآن و سنت کی صحیح تعلیم کی وضاحت کی جائے۔

لیکن اس نازک اور اہم کام کے لیے ایک ایسے عالم کی ضرورت تھی جس کی ایک طرف کتاب و سنت، فقہ و اصول اور سلف کے متفق علیہ و مختلف فیہ اقوال پر گہری اور وسیع نظر ہو، قدیم مآخذ کا اس کا مطالعہ بالواسطہ نہ ہو، بلکہ براہ راست اور بلا واسطہ ہو، اس نے علوم کے ماہرین اور کہنہ مشق اساتذہ و مدرسین کی نگرانی میں تعلیم و مطالعہ کے منازل طے کئے ہوں اور اس کو اس بارے میں ایسا درجہ اعتماد حاصل ہو جس کو چیلنج نہ کیا جا سکے، دوسری طرف وہ جمود و تجدد دونوں ہی سے پاک ہو، اس میں دینی ذمہ داریوں کا احساس ہو، خود اس کی عملی زندگی ایک متدین عالم اور ایک مخلص داعی کی زندگی ہو۔

الحمد للہ خوش قسمتی سے یہ تمام شرائط اور صفات فاضل مؤلف میں پائے جاتے ہیں، میری مراد شیخ ابو عبیدہ مشہور حسن سلمان حفظہ اللہ سے ہے، وہ ہر طرح سے اس

موضوع پر قلم اٹھانے کے اہل ہیں۔ آپ کتاب وسنت کے رمز شناس، علوم شریعت میں گہری نظر رکھنے والے ایک متبحر عالم دین اور کہنہ مشق مؤلف ومحقق ہونے کے ساتھ سلفیت کے فروغ کے جذبے سے سرشار ہیں، اور کیوں نہ ہوں جبکہ آپ بیسویں صدی عیسوی کے عظیم ترین محدث، ممتاز محقق اور خالص سلفی طرز پر سفر حیات طئے کرنے والے عالم ربانی علامہ محمد ناصر الدین البانی - رحمہ اللہ وادخلہ فسیح جناتہ - کے علوم ومعارف سے فیض یاب، ان کی گراں قدر توجیہات وتحقیقات سے بہرہ یاب اور ان کے خاص تربیت یافتہ ہیں۔

اس عبادت کے تعلق سے لوگوں کی فکری وعملی بے راہ روی دیکھتے ہوئے آپ نے اپنی توجہ اس کی طرف مبذول فرمائی، اور "القول المبین فی اخطاء المصلین" کے نام سے ایک مفصل ومدلل کتاب تالیف فرمائی، کتاب اس طرح انفرادیت کی حامل تھی کہ دیکھتے ہی دیکھتے مقبول خاص وعام ہو گئی، لیکن اس کی طوالت اپنی تمام تر افادیت کے باوجود بہت سے لوگوں کے لیے استفادہ کی راہ میں حائل تھی، لہٰذا مؤلف نے از خود "المحکم المتین فی اختصار القول المبین فی اخطاء المصلین" کے نام سے اس کا از حد مفید ونفع بخش اختصار فرمایا، یہ اختصار بھی اس طرح استیعاب اور استدلال کے وصف سے متصف ہے اور اس میں جامعیت وانفرادیت کا پہلو اس حد تک نمایاں ہے کہ قاری کو مسئلہ کی حقیقت تک علی وجہ البصیرۃ پہنچنے میں کسی دقت کا سامنا نہیں ہوتا، اس میں فاضل مؤلف نے عوام وخواص کی طرف سے واقع ہونے والی نماز کی غلطیوں کا حتی المقدور استقصاء کیا ہے، اور انہیں کتاب وسنت کے نور سے منور اور دیگر مُسکِت ادلہ سے مدلل فرمایا ہے، نماز کے شروط وارکان، صفات وکیفیات اور اس کی

اہم ترین اقسام سے متعلق غلطیوں کا بڑی حد تک بالاستیعاب تذکرہ اور ایسا علمی تجزیہ اور کامیاب شرعی پوسٹ مارٹم کیا ہے جس سے اس طرح کی کتابیں یکسر خالی ہیں، انداز بیان ایسا شستہ و شگفتہ ہے کہ پڑھنے والا پڑھتے ہی رہ جاتا ہے، چونکہ وہ تمام غلطیاں جو اس کتاب میں زیر بحث آئی ہیں اردوداں طبقہ میں بدرجۂ اتم موجود ہیں اس لیے کتاب کو اردو کے قالب میں ڈھالنا از حد ضروری تھا۔

قابل صد مبارک باد ہے مادر علمی جامعہ سلفیہ اور اس کے ذمہ داران و اساتذہ بالخصوص اس مقالے کے مشرف فضیلۃ الشیخ احمد مجتبیٰ سلفی حفظہ اللہ وتولاہ جن کی دور رس نگاہوں نے اس کی اہمیت و معنویت کو بھانپ لیا اور اس کا ترجمہ، تخریج و تعلیق میرے تخصص فی الحدیث النبوی کے مقالے کا موضوع قرار دیا، میں اس انتخاب پر انہیں خراج تحسین پیش کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے ان کی صحت و عافیت اور خیر کی طرف سبقت کی دعاء کرتا ہوں۔

یوں تو میں اس لائق نہیں تھا کہ ایسے اہم کام کا بیڑا اٹھاؤں، لیکن اپنے روحانی آباء کے ایماء پر اللہ تعالیٰ کی توفیق و تائید اور نصرت و اعانت کے سہارے اس بارگراں کو اٹھالیا اور اپنی بساط کے مطابق اس کی تحسین و تنقیح، تصحیح و تدقیق اور ظاہری و باطنی از دہار و نکھار میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی ہے، ترجمہ میں دقت و صحت اور اصل کے ساتھ مطابقت، تخریج میں واقعیت اور اصل مصادر و مراجع کی طرف نسبت اور تعلیق میں معنویت وانفرادیت اور کتاب و سنت اور علوم و معارف سلف کی روشنی میں تجزیہ اور دقیق تحلیل کی پوری کوشش کی گئی ہے، اب فیصلہ ارباب علم و دانش کے ہاتھ میں ہے، کتاب کے اس اردو نسخے میں میرا کام حسب ذیل ہے:

۱- کتاب کا از اول تا آخر سلیس اور سادہ زبان میں ترجمہ۔

۲- ترجمہ میں مؤلف کے الفاظ و حروف اور اسلوب و تعبیر کی مکمل رعایت کی گئی ہے، اس میں کسی طرح کے حذف واضافہ اور خرد برد سے کلی اجتناب کیا گیا ہے۔

۳- کتاب میں موجود احادیث و آثار اور اقوال سلف کی علمی انداز میں تخریج۔

۴- عمل تخریج میں اصل مراجع و مصادر کا مکمل اہتمام کیا گیا ہے، الا یہ کہ کوئی کتاب دستیاب نہ رہی ہو، لیکن ایسا شاذ و نادر ہی ہے۔

۵- تخریج میں حد درجہ اختصار سے کام لیا گیا ہے، اگر حدیث صحیح بخاری و صحیح مسلم یا ان دونوں میں سے کسی میں ہے تو اس کی تخریج کسی اور کتاب سے نہیں کی گئی ہے، اور ان میں نہ پائی جانے والی حدیث کی تخریج بالعموم سنن اربعہ (ابوداود، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ) سے کی گئی ہے، کیوں کہ اردو داں طبقے میں یہی زیادہ متداول ہیں۔

۶- صحیح بخاری و صحیح مسلم کے علاوہ دیگر مصادر کی احادیث پر مناسب حکم لگایا گیا ہے۔ اس حکم میں بالعموم علامہ البانی رحمہ اللہ کی تحقیق پر اعتماد کیا گیا ہے الا یہ کہ کہیں راقم کو ان سے اختلاف ہو، دریں صورت دقیق علمی تجزیہ کے بعد ہی کوئی حکم جگہ پاسکا ہے۔

۷- کتاب کے جن مقامات پر راقم کو مؤلف کے ساتھ اختلاف تھا یا مزید وضاحت واستدلال کی ضرورت تھی وہاں حسب ضرورت تعلیق لگادی گئی ہے۔

۸- تعلیق میں کتاب وسنت اور ٹھوس علمی اصولوں کی روشنی میں ثابت ہونے والے امر کو حد درجہ اختصار کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، البتہ بعض مقامات پر ضرورت کے تحت قدرے تفصیل سے بھی کام لیا گیا ہے۔

اختتام پر میں مادر علمی جامعہ سلفیہ کو تہہ دل سے خراج عقیدت و محبت پیش کرتا

ہوں جس کے آغوش میں پروان چڑھ کر میں اس قابل ہوا کہ ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں چند سطور قید تحریر میں لا سکوں، پھر اس کے ذمہ داران اور اساتذہ کو اپنی دلی مبارک باد پیش کرتا ہوں جنھوں نے اپنے خون جگر سے اس گلستان علم ودانش کی آبیاری کی، اس کے اندر نہایت صاف ستھرا علمی ماحول برپا کیا اور ہماری تعلیم وتربیت اور تعمیر وترقی کے لیے اپنے آپ کو وقف کردیا، فجزاہم اللہ احسن الجزاء۔

خصوصیت کے ساتھ اساتذہ گرامی قدر ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری وکیل الجامعہ، حضرت مولانا رئیس احمد ندوی شیخ الحدیث ومفتیٔ جامعہ، فضیلۃ الشیخ محمد مستقیم السلفی شیخ الجامعۃ، فضیلۃ الشیخ اصغر علی امام مہدی سلفی ناظم عمومی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، وسابق استاذ جامعہ سلفیہ بنارس، اور اس مقالے کے مشرف فضیلۃ الشیخ احمد مجتبیٰ سلفی حفظہم اللہ کی خدمات میں تشکر و امتنان اور شکر وسپاس کا حسین گلدستہ پیش کرتا ہوں، جنہوں نے نہ صرف مقالے کی تیاری کے درمیان (جب وہ جامعہ سلفیہ میں استاد تھے) ہر قدم پر میری رہنمائی کی، بلکہ طباعت سے پہلے از سر نو دوبارہ کتاب کا دقت نظر سے مراجعہ کیا، نیز کتاب پر ایک گراں قدر تشجیع نامہ لکھا۔

اسی طرح میں استاذ گرامی قدر ڈاکٹر عبدالرحمٰن بن عبدالجبار الفریوائی، پروفیسر امام محمد بن سعود اسلامک یونیورسٹی ریاض ومؤسس ورئیس مؤسسۃ دار الدعوۃ، لال گوپال گنج، ودہلی اور سابق استاذ جامعہ سلفیہ، کی خدمت میں گلہائے عقیدت ومحبت پیش کرتا ہوں، جنہوں نے ہر نازک موڑ پر مجھے سہارا دیا اور ہماری تہذیب وتثقیف اور ارشاد وتوجیہ میں ہمہ تن مصروف ہیں، نیز اس پر بھی میں ان کا از حد ممنون ہوں کہ انہوں نے اس کتاب کو از حد پسند کیا اور دار الدعوۃ کی طرف سے شائع کرنے کا حکم دیا۔ فجزاہ اللہ عنا

احسن الجزاء۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر میں اس موقع پر اپنے اولین مرکز عمل "جامعۃ الامام ابن تیمیہ" چندن بارہ، بہار کا تذکرہ نہ کروں، جس کے صاف ستھرے علمی ماحول اور معطر فضا میں سانس لیتے ہوئے میں نے اس کام کو انجام دیا، میں اپنے محبوب ترین جامعہ کو خراج عقیدت و محبت پیش کرتا ہوں، اور اس کے مؤسس ورئیس ڈاکٹر محمد لقمان سلفی حفظہ اللہ نیز ان کے رفقاء کار سابق نائب رئیس شیخ خورشید عالم مدنی اور اور موجودہ نائب رئیس شیخ محمد ارشد المدنی کی خدمت میں شکر و سپاس کا نذرانہ پیش کرتا ہوں، جنھوں نے جامعہ میں خالص علمی ودینی ماحول برپا کر رکھا ہے اور ناچیز کو ہر نازک موڑ پر سہارا دیتے رہے ہیں، فجزاھم اللہ عنا أحسن الجزاء۔

ساتھ ہی میں اپنے ان مخلص احباب کا بھی شکر گزار ہوں جنھوں نے اپنی نایاب کتابوں کے ذریعہ یا کسی بھی نوعیت کا میرے ساتھ تعاون کیا، نیز ہماری نیک تمنائیں اور پر خلوص دعائیں اپنے ان عزیز طلباء کے ساتھ بھی ہیں جنھوں نے کتاب کی تبییض وغیرہ میں میرا بھرپور تعاون کیا۔

اخیر میں اللہ تعالی سے دعا ہے کہ اس حقیر کوشش کو قبول فرمائے، اس کا افادہ عام فرمائے، اور ہمیں نیز اس کے جملہ معاونین کو اجر جزیل سے نوازے، آمین۔

وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم تسلیما کثیرا۔

راقم: ریاض احمد السلفی
رکن مجلس علمی دار الدعوۃ، نئی دہلی

۱۰/۱۰/۲۰۰۵ء

☆☆☆

مقدمہ مولف

إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ.

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ اتَّقُواْ اللّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلاَ تَمُوتُنَّ إِلاَّ وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ﴾ (سورة آل عمران: ۱۰۲)

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُواْ رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيرًا وَنِسَاء وَاتَّقُواْ اللّهَ الَّذِي تَسَاءلُونَ بِهِ وَالأَرْحَامَ إِنَّ اللّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾ (سورة النساء: ۱)

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلاً سَدِيدًا، يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَن يُطِعْ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا﴾ (سورة الأحزاب: ۷۰-۷۱)

أما بعد: فإن أصدق الحديث كلام الله، وخير الهدي هدي محمد ﷺ، وشر الأمور محدثاتها، وكل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة، وكل ضلالة في النار.

بیشک تمام حمد و ثناء اور تعریف صرف اللہ ہی کے لیے ہے، ہم اس کی حمد کرتے ہیں،

اس سے مدد مانگتے ہیں، اس کی مغفرت و بخشش کے طالب ہیں، ہم اپنے نفوس کے شر و فساد اور اپنے اعمال کی برائیوں سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں، جسے اللہ رب العزت ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے وہ گمراہ کر دے اسے کوئی راہ راست پر نہیں لا سکتا، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ یکتا و اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس (اللہ) کے بندے اور رسول ہیں۔

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے، اور تم کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مومن ہو۔"

"لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا، اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا، اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورت پھیلا دیئے، اس اللہ سے ڈرو جس کے نام پر ایک دوسرے سے مانگتے ہو، اور رشتے ناطے توڑنے سے بھی بچو بیشک اللہ تعالیٰ تم پر نگہبان ہے۔"

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور ٹھیک بات کہا کرو، اللہ تمہارے اعمال درست کر دے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا، جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اس نے بڑی کامیابی حاصل کر لی۔"

امابعد! بلاشبہ سب سے سچی بات اللہ کا کلام ہے، اور سب سے بہتر طریقہ محمد ﷺ کا طریقہ ہے، اور سب سے بدتر چیز دین میں نئی ایجادات ہیں اور (دین میں) ہر نو ایجاد چیز بدعت ہے، ہر بدعت گمراہی ہے، اور ہر گمراہی جہنم میں لے جانے والی ہے۔

امابعد! یہ مجموعہ میری کتاب "القول المبین فی اخطاء المصلین" کا۔ان شاء اللہ۔

مفید و نفع بخش اختصار ہے، جسے میں نے اپنی اصل کتاب ” القول المبین فی أخطاء المصلین “ کے رواج پانے کے بعد عوام اور جن کے پاس مطولات کے پڑھنے کی ہمت یا وقت نہیں ہے ان کی آسانی کے پیش نظر تیار کرنا مناسب سمجھا، مزید یہ کہ مبتدی طالب علم کے لیے صحیح قول پر واقفیت اور نماز میں مروجہ غلطیوں پر مختصر ترین عبارت اور واضح ترین دلیل یا اشارہ کے ذریعہ تنبیہ ہو جائے۔

اس اختصار و تلخیص میں میرا منہج حسب ذیل ہے:

۱- محض دلیل کے ذکر پر اکتفاء کرتے ہوئے غلطیوں کی تلخیص کروں گا، علماء کی عبارتوں کا اس مختصر میں ذکر نہیں ہوگا، بجز ان مسائل کے جو اصل کتاب میں مذکور نہیں ہو سکے۔

۲- اس مختصر میں بعض مقامات پر علماء کی کچھ عبارتیں آئیں گی، جن کی نسبت ان علماء کی طرف کی جائے گی، البتہ اصل کتاب میں ذکر کردہ مراجع پر اکتفاء کرتے ہوئے مراجع و مآخذ کا ذکر یہاں نہیں کیا جائے گا۔

۳- اس مختصر میں ہم نے صرف صحیح یا حسن حدیث کو جگہ دی ہے [1] البتہ اصل پر اکتفاء کرتے ہوئے ان کی تخریج عمل میں نہیں آئی ہے۔

۴- کچھ ایسے مسائل میرے سامنے آئے جن کا ذکر اصل کتاب میں نہیں ہو سکا تھا [2] ان کو میں نے اس مختصر میں جگہ دی ہے، البتہ انھیں ان کے مقامات پر معکوفین [ ] کے درمیان رکھا ہے۔

۱- اس کے علاوہ جو حدیثیں ہیں، ان کے ضعیف یا موضوع ہونے پر تنبیہ کر دی گئی ہے (مؤلف)۔

۲- حواشی کا تعلق بھی زیادات ہی سے ہے (مؤلف)۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمارے صالح اعمال کو قبول فرمائے، اور ہماری تحریر، تدریس اور ارشاد و توجیہ کو بروز قیامت ہمارے اعمال صالحہ کے میزان میں رکھے، نیز ہمیں اس لائق بنائے کہ ہم سے دوسروں کو فائدہ پہنچے، وہ اس کا کارساز اور اس پر قادر ہے۔

وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم، وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

راقم

أبو عبيدة مشهور بن حسن آل سلمان

☆☆☆

پہلی فصل

نماز میں لباس اور ستر پوشی سے متعلق غلطیوں کا بیان

یہ فصل درج ذیل مباحث پر مشتمل ہے:

☆ ایسے چست کپڑوں میں نماز جو ستر کی ہیئت نمایاں کرتے ہوں

☆ پتلے اور باریک کپڑوں میں نماز

☆ ستر کھلے ہونے کی حالت میں نماز

☆ ٹخنے سے نیچے کپڑا لٹکا کر نماز پڑھنے والے کی نماز

☆ نماز میں سدل کرنا اور چہرہ ڈھانکنا

☆ نماز میں کپڑا اکٹھا کرنا (چڑھانا)

☆ عریاں (ننگے) کندھے والے کی نماز

☆ تصویر والے کپڑے میں نماز

☆ (زعفرانی) کسم رنگ سے رنگے ہوئے کپڑے میں نماز

☆ ننگے سر نماز پڑھنے کا حکم

☆ جوتا پہن کر نماز پڑھنے والے پر نکیر

۱-ایسے چست کپڑوں میں نماز جو ستر کی ہیئت نمایاں کرتے ہوں

چست کپڑوں کا استعمال شرعی اور طبی اعتبار سے مکروہ ہے، اس لیے کہ وہ جسم کے لیے مضر ہیں، حتی کہ ان میں سے بعض کے اندر سجدہ کرنا مشکل اور دشوار ہو جاتا ہے۔

اگر ان کپڑوں کے استعمال سے نماز کا ترک لازم آئے، خواہ بعض نمازوں ہی کا ترک کیوں نہ ہو، تو ان کا پہننا قطعی طور پر حرام ہے، اور تجربات سے ثابت ہے کہ ان کپڑوں کا استعمال کرنے والوں میں سے اکثریا تو نماز ہی نہیں پڑھتے یا منافقین کی طرح کبھی کبھار پڑھ لیتے ہیں، نیز اس دور کے بہت سے نمازی ایسے کپڑوں میں نماز پڑھتے ہیں جن میں دونوں شرمگاہ یا کوئی ایک نمایاں ہوتی ہے۔

علامہ البانیؒ فرماتے ہیں:

"پتلون ستر کے حجم وہیئت کو نمایاں کرتا ہے، مرد کا ستر گھٹنے سے ناف تک ہے، اور نمازی پر فرض ہے کہ وہ اس حالت میں جب کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہے اس کی نافرمانی سے امکانی حد تک دور ہو، اور جب اس کے دونوں سرین بلکہ ان کے درمیان کا حصہ مجسّم نظر آتا ہے تو یہ انسان کیسے نماز پڑھتا اور رب العالمین کے سامنے کھڑا ہوتا ہے؟

لیکن اگر پتلون کشادہ ہے تو اس میں نماز درست اور صحیح ہے، البتہ بہتر ہے کہ اس کے اوپر ایسی قمیص ہو جو ناف سے گھٹنے تک چھپانے کے ساتھ نصف پنڈلی یا ٹخنے تک لٹکتی ہو، اس لیے کہ یہ ستر پوشی کی کامل ترین صورت ہے۔

۲- پتلے اور باریک کپڑوں میں نماز

جس طرح ایسے تنگ لباس میں نماز مکروہ ہے جو اپنی تنگی کے باعث ستر کو نمایاں اور اس کی ہیئت و حجم کو ظاہر کرتے ہیں، اسی طرح ایسے باریک کپڑوں میں نماز ناجائز ہے جن سے جسم جھلکتا ہو، جیسے اس دور کے بعض فریب خوردہ لوگوں کے لباس جو اس طرز کے کپڑوں سے تیار ہوتے ہیں، جن میں شرعی عیوب جان بوجھ کر رکھے جاتے ہیں، اس لیے کہ وہ نفسانی خواہشات کے اسیر اور بری عادتوں کے غلام ہیں، نیز ان کے پاس ایسے اباحیت پسند ہوتے ہیں جو انھیں ان لباسوں کی ترغیب دلاتے ہیں، اور دوسرے کپڑوں پر ان کی فضیلت و برتری ثابت کرتے ہیں کہ یہ جدید طرز کے لباس ہیں جو ماڈرن لوگوں کے لیے مناسب ہیں۔ یہ پرانے فرسودہ لباس نہیں ہیں جو اپنی قدامت کے باعث ناپسندیدہ ہیں۔

درج ذیل صورت بھی اسی باب سے ہے:

۱/۲: سونے کے لباس (نائٹ ڈریس[۱]) میں نماز پڑھنا

صحیح بخاری میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: قَامَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهُ عَنِ الصَّلَاةِ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ، فَقَالَ: « أَوَكُلُّكُمْ يَجِدُ ثَوْبَيْنِ »، ثُمَّ سَأَلَ رَجُلٌ عُمَرَ، فَقَالَ: إِذَا وَسَّعَ اللَّهُ فَأَوْسِعُوا، جَمَعَ رَجُلٌ عَلَيْهِ ثِيَابَهُ، صَلَّى رَجُلٌ فِي إِزَارٍ وَرِدَاءٍ، فِي إِزَارٍ وَقَمِيصٍ، فِي إِزَارٍ وَقَبَاءٍ، فِي سَرَاوِيلَ وَرِدَاءٍ، فِي سَرَاوِيلَ وَقَمِيصٍ، فِي سَرَاوِيلَ وَقَبَاءٍ، فِي تُبَّانٍ وَقَبَاءٍ، فِي تُبَّانٍ وَقَمِيصٍ، - قَالَ: وَأَحْسِبُهُ - قَالَ: فِي تُبَّانٍ وَرِدَاءٍ.

۱- عربوں کے یہاں اس کو "بیجامات" کہتے ہیں ہمارے یہاں اس سے مراد "نائٹ ڈریس" ہے۔

یعنی: ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے ایک کپڑے میں نماز سے متعلق سوال کیا، تو آپ نے فرمایا: ”کیا تم میں سے ہر ایک کو دو کپڑے میسر ہیں؟“ پھر ایک شخص نے عمر رضی اللہ عنہ سے یہی سوال کیا تو انھوں نے فرمایا: جب اللہ نے وسعت دی ہے تو تم بھی وسعت کرو، کوئی تہبند اور چادر میں نماز پڑھے، کوئی تہبند اور قمیص میں، کوئی تہبند اور قباء (چغا) میں، کوئی پائجامہ اور چادر میں، کوئی پائجامہ اور قباء (چغا) میں، کوئی جانگھیا اور قباء (چغا) میں، اور کوئی جانگھیا اور قمیص میں[1]۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے نافع کو خلوت میں ایک کپڑے میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو ان سے فرمایا: کیا میں نے تمھارے لیے دو کپڑے نہیں مہیا کر رکھا ہے؟ کہا: کیوں نہیں، تو آپ نے فرمایا: کیا تم ایک کپڑے میں بازار کے لیے نکلتے ہو؟ کہا: نہیں، تو فرمایا: اللہ تعالیٰ زیادہ حق دار ہے کہ اس کے لیے زینت اختیار کی جائے[2]۔

اسی طرح (اس شخص سے کہا جائے گا) جو سونے کے لباس میں نماز پڑھتا ہے، وہ خود اس کی باریکی و پتلا پن کے باعث اس میں بازار جانے سے شرم محسوس کرتا ہے، (تو ایسے کپڑوں میں اللہ کے سامنے جانے سے کیوں شرم محسوس نہیں کرتا)؟۔

درج ذیل صورت بھی اسی باب سے ہے:

بعض لوگوں کا پورے جسم کو ڈھانپنے والے

ایسے باریک لباس (دشداس[3]) کو پہن کر نماز پڑھنا

جس سے چمڑے کی رنگت نمایاں ہوتی ہو اور نیچے پاجامہ نہ ہو

عمر رضی اللہ عنہ کا مذکورہ کلام (جس میں انھوں نے زیادہ ساتر اور کثیر الاستعمال

۱- صحیح بخاری: کتاب الصلاۃ: باب الصلاۃ فی القمیص والسراویل والتبان والقباء (۳۶۵)۔

۲- سنن کبریٰ: کتاب الصلاۃ: باب ما یستحب للرجل ان یصلی فیہ من الثیاب (۳۲۷۳)۔

۳- ایسے ”ثوب“ کو کہتے ہیں جو قمیص کی لمبی شکل ہے اور ٹخنے تک پہنچی جاتی ہے۔

لباس کوذکر کرنے کے بعد ہر ایک کے ساتھ دوسرے لباس کو شامل کیا ہے، جس سے حصر مقصود نہیں، بلکہ اس طرح کے دوسرے لباس کا بھی یہی حکم ہے)، اس امر پر دلیل ہے کہ ساتر کپڑوں میں نماز ادا کرنا واجب ہے، ایک کپڑے پر اکتفاء تنگی اور غربت کے باعث تھا[1] نیز دو کپڑوں میں نماز ایک کپڑے میں نماز سے افضل ہے، قاضی عیاض کی صراحت کے مطابق اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے[2] امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

اگر کوئی شخص ایسی قمیص میں نماز پڑھتا ہے جس سے اندرون جسم جھلکتا ہے تو وہ نماز اسے کفایت نہیں کرے گی، مزید فرماتے ہیں:

اگر عورت ایسی قمیص اور دوپٹے میں نماز پڑھتی ہے جس میں اس کا جسم نمایاں ہو تو اس کا معاملہ اس سلسلہ میں مرد سے زیادہ سنگین ہے، میرے نزدیک بہتر ہے کہ وہ نماز میں قمیص کے اوپر چادر کا التزام کرے اور اس کو جسم سے الگ رکھے، تاکہ قمیص اس کے جسم کو نمایاں نہ کر سکے[3] لہذا عورت پر لازم ہے کہ وہ نائلن اور شیفون کے باریک کپڑوں میں نماز نہ پڑھے، کیوں کہ وہ ان میں زیب تن ہونے کے باوجود بے پردہ ہوتی ہے، گرچہ کپڑا اس کے پورے بدن کو ڈھانکے ہوا ہو، حتی کہ اگر کپڑا کشادہ ہے تب بھی، اس کی دلیل درج ذیل فرمان نبوی ہے:

(سَيَكُونُ فِي آخرِ أُمَّتِي نِسَاءٌ كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ.......)

"میری امت کے عہد اخیر میں ایسی عورتیں ہوں گی جو پہننے کے باوجود ننگی ہوں گی"[4]

۱- کبھی کبھار ایک پر اکتفاء جواز پر عمل کرتے ہوئے ہوتا تھا، جابرؓ کی متفق علیہ روایت اس کا بین ثبوت ہے۔

۲- قاضی عیاض کے علاوہ ابن عبد البر، علامہ قرطبی اور امام نووی نے بھی عدم اختلاف کی صراحت کی ہے، ملاحظہ ہو: نیل الاوطار (۲/۷۷) شرح مسلم للنووی (۴/۲۳۱)

۳- کتاب الام (۱/۹۰-۹۱)

۴- صحیح مسلم: کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمها واهلها: باب النار يدخلها الجبارون والجنۃ يدخلها الضعفاء، (۲۱۲۸)

۳- ستر کھلے ہونے کی حالت میں نماز

اس غلطی کا ارتکاب درج ذیل قسم کے لوگ کرتے ہیں:

۱- وہ شخص جو ایسا پتلون پہنتا ہے جس سے ستر کا حجم نمایاں یا اس کا اندرونی حصہ جھلکتا ہے اور اس پر چھوٹی قمیص استعمال کرتا ہے، رکوع و سجدہ کی حالت میں قمیص پتلون سے سرک جاتی ہے، اور اکثر و بیشتر نہیں تو بعض اوقات میں ضرور نمازی کی پشت اور شرمگاہ کا بعض حصہ ظاہر ہو جاتا ہے، اس طور پر اس کی شرمگاہ عین اسی حالت میں ظاہر ہوتی ہے جب وہ اللہ کے سامنے رکوع یا سجدہ کئے ہوتا ہے، جہالت اور جاہلوں سے اللہ کی پناہ! نماز کی حالت میں ستر کھولنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے، اس ارتکاب کا سبب غیر اسلامی ممالک سے درآمد کیا ہوا پتلون ہے۔

۲- ایسی عورت جو جہالت یا سستی یا بے اعتنائی کے باعث اپنے لباس کا اہتمام نہیں کرتی اور مکمل طور پر تن پوشی نہیں کرتی حالانکہ وہ اپنے رب کے سامنے ہوتی ہے۔

جمہور اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نماز میں عورت کے لیے کفایت کرنے والا لباس قمیص اور دوپٹہ ہے جبکہ بعض عورتیں اس حال میں نماز میں داخل ہوتی ہیں کہ ان کے بال یا اس کا کوئی جزء یا ان کے بازو یا پنڈلی کا کوئی حصہ کھلا ہوتا ہے، اس صورت میں ان پر (جمہور اہل علم کے نزدیک) وقت کے اندر اور اس کے بعد اس نماز کا دہرانا (اعادہ) لازم ہے [۱] اس کی دلیل ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی درج ذیل روایت ہے جس میں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

۱- یہ اس صورت میں ہے جب کھلا ہوا حصہ زیادہ ہو، لیکن اگر وہ معمولی ہے تو بشمول امام احمد و ابو حنیفہ اکثر اہل علم کے نزدیک اس پر نماز کا اعادہ لازم نہیں، جیسا کہ امام ابن تیمیہؒ نے فتاوی (۲۲/ ۱۲۳) میں اور علامہ ابن قدامہ نے (مغنی) (۲/ ۳۲۸) میں صراحت کی ہے۔

"لا يَقْبَلُ اللّٰهُ صَلَاةَ حَائِضٍ إِلَّا بِخِمَارٍ"

"اللہ تعالیٰ حائض (بالغ عورت) کی نماز بغیر دوپٹہ کے قبول نہیں کرتا"۔[۱] یعنی: اس حدیث میں وارد لفظ حائض سے مراد وہ عورت ہے جو حیض آنے کے وصف سے متصف ہو، نہ کہ وہ جس سے بروقت حیض کا خون جاری ہو، کیوں کہ حائض عام وصف ہے، جس کا اطلاق ہر اس عورت پر ہوتا ہے جو اس وصف سے متصف ہو (یعنی بالغ ہو)، گرچہ بروقت اس میں وہ چیز موجود نہ ہو۔

چونکہ بعض اسلامی ممالک میں چھوٹی قمیص کا استعمال اور اس میں نماز پڑھنا بیشتر نوجوان عورتوں کے درمیان عام ہے، اس لیے اس امر پر ان کو تنبیہ ناگزیر اور ضروری ہے، نصوص کتاب وسنت صحیحہ اس امر پر دال ہیں کہ دونوں قدم ستر کا حصہ ہیں، یعنی ان کو چھپانا واجب ہے۔

لہذا اس کپڑے کا استعمال گناہ کا باعث ہے، اور جو اس میں نماز پڑھتی ہیں وہ اپنی نماز بطلان کے حوالہ کر چکی ہوتی ہیں[۲]۔

۱- سنن ابی داود: کتاب الصلاۃ: باب المرأۃ تصلی بغیر خمار (۶۴۱)، سنن ابن ماجہ: کتاب الطہارۃ وسننہا: باب اذا حاضت الجاریۃ لم تصل الا بخمار (۶۵۵) مسند احمد (۶/ ۱۵۰، ۲۱۸، ۲۵۹) حدیث صحیح ہے، دیکھئے: "صحیح سنن ابی داود" (۱/ ۱۹۰)

۲- یہ مسئلہ مصنف کے گمان کی حد تک واضح نہیں، امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: اسی طرح قدم کو ظاہر کرنا امام ابو حنیفہ کے نزدیک جائز ہے، اور یہی موقف زیادہ قوی ہے، اس لئے کہ حضرت عائشہؓ نے اسی کو زینت ظاہرہ (یعنی وہ زینت اور حصہ جسم جس کا چھپانا ممکن نہیں) میں شامل کیا ہے، جیسا کہ ابن ابی حاتم نے روایت کی ہے، ان کا قول اس امر پر دلیل ہے کہ عورتیں اولاً چہرہ اور ہتھیلیوں کی طرح اپنے قدم کو بھی ظاہر کرتی تھیں، کپڑا تو وہ لٹکاتی تھیں، لیکن قدم چلنے کے دوران ظاہر ہو جاتے تھے اور وہ موزوں یا جوتوں میں نہیں چلتی تھیں، نیز نماز میں اسے ڈھانکنے میں حرج عظیم ہے "فتاوی" (۲۳/ ۱۱۴-۱۱۵) علامہ شوکانی اور نواب صدیق حسن خاں قنوجی نے بھی صراحت کی ہے کہ اگر زینت سے مراد زینت کی جگہیں ہیں تو زینت ظاہرہ سے مراد وہ اعضاء ہیں جن کا چھپانا عورت کے لیے دشوار ہے، جیسے ہتھیلیاں اور دونوں قدم وغیرہ، "فتح القدیر" (تفسیر سورہ نور: ۳۱) "نیل المرام" (۲/ ۶۵۴) اور علامہ شنقیطی نے لغت عرب اور قرآنی شواہد کی روشنی میں واضح کیا ہے کہ زینت ظاہرہ سے =

۳۹- اسی غلطی کا ارتکاب وہ باپ بھی کرتے ہیں جو اپنے بچوں کو ہاف پینٹ پہناتے ہیں، اور اسی حالت میں انھیں مسجدوں میں لے جاتے ہیں، وہ اس غلطی کے مرتکب اس لیے مانے جائیں گے کیونکہ فرمان نبوی "اپنے بچوں کو جب وہ سات سال کے ہو جائیں نماز کا حکم دو"[1] بلاشبہ ان بچوں کو نماز کے شروط اور ارکان کا حکم دینے کو بھی شامل ہے، اس لیے آپ کو متنبہ ہو جانا چاہیے اور غافل لوگوں میں سے نہ ہونا چاہیے۔

۴۰- ٹخنے سے نیچے کپڑا لٹکا کر نماز پڑھنے والے کی نماز

ٹخنے سے نیچے کپڑا خواہ نماز میں لٹکایا جائے یا اس کے باہر اس کی حرمت پر متعدد مشہور دلائل موجود ہیں، البتہ نماز میں اس فعل کا ارتکاب کھلی معصیت اور واضح گناہ ہے، اس کے باوجود اس دور کے بہت سے نمازی ٹخنے سے نیچے کپڑا لٹکائے ہوئے نماز پڑھتے ہیں، ان پر لازم ہے کہ وہ اس سے باز رہیں، کیوں کہ اس پر سنن ابوداود وغیرہ میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث میں وعید شدید بایں الفاظ آئی ہے:

= کوئی عضو مراد نہیں ہے بلکہ اس سے بقول ابن مسعود وہ برقعہ یا چادر مراد ہے جس کا دیکھنا بدن کو دیکھنے کو مستلزم نہیں [(أضواء البیان)(۶/ ۱۹۸-۲۰۰)] جمہور کی دوسری بنیادی دلیل ام سلمہؓ کی حدیث ہے جسے امام ابوداود وغیرہ نے بایں الفاظ روایت کیا ہے: انھوں نے رسولؐ سے سوال کیا کہ کیا عورت قمیص اور دوپٹہ میں بغیر ازار کے نماز پڑھ سکتی ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں! جب قمیص اتنی لمبی ہو کہ اس کے پاؤں کے اوپری حصہ کو چھپا لے، لیکن اس حدیث کو حفاظ کی ایک جماعت: امام أبوداود، امام دار قطنی، علامہ ابن عبد الهادی حنبلی، علامہ زیلعی حنفی، حافظ ابن حجر نے موقوف قرار دیا ہے، علامہ البانیؒ نے اس کے موقوف ہونے کو راجح قرار دینے کے ساتھ فرمایا: اس کی کوئی بھی سند صحیح نہیں، نہ مرفوع نہ موقوف، ملاحظہ ہو: مشکوۃ بتحقیق البانیؒ (۷۶۳)، سابقہ تفصیل سے واضح ہے کہ قدم کے ستر ہونے پر کوئی واضح صحیح دلیل نہیں، لہذا ان کے کھلنے پر نماز کا باطل نہ ہونا ہی اقرب الی الصواب ہے، گرچہ جمہور اس کے قائل نہیں، البتہ نماز میں ان کو چھپانا احوط ہے، لیکن اجنبیوں سے پورے بدن کی طرح ان کو چھپانا بھی لازم ہے۔

[1] سنن أبی داود: کتاب الصلاۃ: باب متی یومر الغلام بالصلاۃ (۴۹۵)، علامہ البانیؒ نے "حدیث کو حسن صحیح" کہا ہے، "صحیح ابوداود" (۱/ ۹۴).

"إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى لا يَقْبَلُ صَلاةَ رَجُلٍ مُسْبِلٍ إِزَارَهُ". (یعنی: اللہ تعالیٰ (ٹخنے سے نیچے) تہبند لٹکا کر نماز پڑھنے والے کی نماز قبول نہیں فرماتا۔[1])

اس حدیث کو امام نوویؒ نے ریاض الصالحین[2] میں اور علامہ احمد شاکر نے المحلی پر اپنی تعلیق[3] میں حسن قرار دیا ہے، لیکن ازروئے تحقیق یہ حدیث ضعیف ہے، اس لیے کہ اس میں تابعی مجہول ہیں[4]۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ حدیث ضعیف ہے، ورنہ اس غلطی کے مرتکبین کا معاملہ حددرجہ پر خطر تھا، بہر حال ان کی نماز اس غلطی کے ارتکاب کے باوجود صحیح ہوگی، لیکن وہ گنہگار اور قصوروار قرار دیئے جائیں گے، اللہ تعالیٰ ہمیں اور ان کو اس سے محفوظ فرمائے (آمین)۔

۵- نماز میں سدل کرنا اور چہرہ ڈھانکنا

نماز میں سدل کرنا اور چہرہ کو ڈھانکنا منع ہے، جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے:

"عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ السَّدْلِ فِي الصَّلاةِ وَأَنْ يُغَطِّيَ الرَّجُلُ فَاهُ".

۱- سنن أبي داود: کتاب الصلاۃ: باب الاسبال فی الصلاۃ (۶۳۸) کتاب اللباس: باب ما جاء فی اسبال الإزار (۴۰۸۶) مسند أحمد (۴/۶۷-۵/۳۷۹).

۲- ص: ۲۷۷-۲۷۸ باب صفۃ طول القمیص والکم والإزار الخ، ان کا قول ہے: "اسنادہ صحیح علی شرط مسلم".

۳- محلی بتعلیق أحمد شاکر (۴/۷۵) انھوں نے امام نووی کی تصحیح پر اعتماد کیا ہے جیسا کہ فرماتے ہیں: "ھو حدیث صحیح، قال النووی فی ریاض الصالحین "اسنادہ صحیح علی شرط مسلم"

۴- اس کی بابت علامہ البانیؒ فرماتے ہیں: اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں ابو جعفر اور ان سے روایت کرنے والے یحییٰ بن ابی کثیر یعنی انصاری مدنی مؤذن ہیں، اور یہ مجہول ہیں جیسا کہ ابن قطان نے صراحت کی ہے اور حافظ نے "تقریب" میں "لین الحدیث" کہا ہے لہٰذا جن لوگوں نے اس کی تصحیح کی ہے ان سے اس معاملہ میں وہم ہوا ہے، (مشکوٰۃ بتعلیق البانی (۷۶۱).

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نماز میں سدل کرنے اور منھ ڈھانکنے سے منع فرمایا ہے[۱]۔

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، نخعی، سفیان ثوری، ابن المبارک، مجاہد، شافعی اور عطاء نماز میں سدل کی کراہت کے قائل ہیں[۲]۔

سدل کی تفسیر میں اہل علم کے مختلف اقوال ہیں:

۱- ایک قول یہ ہے کہ کپڑا اس حد تک لٹکایا جائے کہ زمین تک پہنچ جائے، یہ تفسیر امام شافعی کی ہے[۳]۔

اس تفسیر کے مطابق اس میں اور اسبال (جس کا ذکر سابقہ غلطی میں ہوا) میں معنوی اشتراک ہے۔

۲- دوسرا قول یہ ہے کہ آدمی اپنے کپڑے کو کندھے پر سے لٹکائے، پھر اسے نہ پکڑے۔

اس تفسیر کے مطابق ممانعت کا سبب کندھوں کے کھلنے کا خدشہ ہے۔

اس کی بحث ان شاء اللہ عنقریب آرہی ہے، یہ تفسیر امام احمد بن حنبل کی ہے[۴]۔

صاحب النہایہ علامہ ابن الأثیر نے فرمایا:

سدل یہ ہے کہ آدمی اپنے پورے جسم کو کپڑے سے ڈھانک لے، اور دونوں ہاتھوں کو اندر ہی سے داخل کرے، اسی حالت میں رکوع و سجدہ کرے، مزید فرمایا کہ یہ

۱- سنن أبي داود: كتاب الصلاة: باب ماجاء في السدل في الصلاة (۶۴۳)، جامع ترمذی: كتاب الصلاة: باب ماجاء في كراهية السدل في الصلاة، (۳۷۸)، الفاظ ابو داود کے ہیں، علامہ البانی نے حدیث کو حسن قرار دیا ہے "صحیح سنن أبي داود" ((۱/۱۲۶))۔

۲- ملاحظہ ہو: المغنی (۱/۶۲۳ .... نیل الأوطار (۲/۶۸)

۳- ملاحظہ ہو: المجموع شرح المهذب (۳/۱۸۱)

۴- ملاحظہ ہو: مسائل ابراہیم بن ہانی للامام احمد بن حنبل (۲۸۸)

صورت قمیص اور دیگر کپڑوں میں موجود ہے[۱]۔

میرے نزدیک اس تفسیر کے مطابق سدل اور اشتمال صماء میں معنوی اشتراک ہے، ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اشتمال صماء سے منع فرمایا[۲]۔

اس کی تفسیر میں اہل لغت نے فرمایا کہ آدمی اپنے جسم کو کپڑے سے اس طرح ڈھانک لے کہ اس کا کوئی کنارہ نہ اٹھائے اور نہ ہی اس میں ہاتھ نکالنے کا راستہ باقی ہو[۳]۔

ابن قتیبہ فرماتے ہیں کہ اس کو صماء اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ سارے راستوں کو بند کر دیتا ہے، گویا اس سخت چٹان کی طرح ہو جاتا ہے جس میں کوئی شگاف نہ ہو[۴]۔

مذکورہ تفسیر کے مطابق:

۵/۱- بہت سے ایسے نمازیوں کی غلطی واضح ہو جاتی ہے جو جیکٹ کندھوں پر رکھ کر اس کی آستین میں ہاتھ داخل کیے بغیر نماز پڑھتے ہیں۔

۵/۲- نیز چہرہ کو ڈھانک کر نماز پڑھنا مکروہ ہے جیسا کہ پچھلی حدیث "وأن يغطي الرجل فاه" دلالت کرتی ہے۔

اسی طرح نماز میں ہاتھوں کو منہ پر رکھنا بھی مکروہ، الا یہ کہ جمائی آ جائے، اس صورت میں منہ پر ہاتھ رکھنا مسنون ہے، حدیث میں ہے:

۱- النھایۃ فی غریب الحدیث (۲/۳۵۵) باب السین مع الدال۔

۲- صحیح بخاری: کتاب الصلاۃ: باب ما یستر من العورۃ (۳۶۸)، صحیح مسلم: کتاب اللباس والزینۃ: باب النھی عن اشتمال الصماء والاحتباء فی ثوب واحد (۲۰۹۹)

۳- لسان العرب (۴/۲۳۳۱) مادہ "ش، م، ل" تہذیب اللغۃ للازہری (۱۱/۳۷۰) ابواب الثلاثی الصحیح من حروف الشین: باب الشین واللام۔

۴- ملاحظہ ہو: نیل الاوطار (۱/۷۹) تحفۃ الاحوذی (۳/۶۱)۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِذَا تَثَاوَبَ أَحَدُكُمْ فَلْيُمْسِكْ بِيَدِهِ عَلَى فِيهِ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَدْخُلُ».

یعنی ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے جب کسی کو جمائی آجائے تو اپنے منھ پر ہاتھ رکھ لیا کرے اس لیے کہ شیطان (منہ کے) اندر داخل ہو جاتا ہے[1]۔

٦- نماز میں کپڑا اکٹھا کرنا (چڑھانا)

بعض نمازیوں کی ایک غلطی یہ ہے کہ وہ نماز میں داخل ہونے سے قبل اپنے کپڑے چڑھا لیتے ہیں، جب کہ حدیث میں اس سے منع کیا گیا ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «أُمِرْتُ أَنْ أَسْجُدَ عَلَى سَبْعَةٍ وَلَا أَكُفَّ شَعَرًا وَلَا ثَوْبًا».

یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعا مروی ہے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ سات اعضاء پر سجدہ کروں، اور بال یا کپڑے نہ سمیٹوں[2]۔

۱- صحیح مسلم: کتاب الزھد: باب تشمیت العاطس وکراھیۃ التثاؤب (۲۲۹۴)، صحیح بخاری: کتاب الأدب: باب إذا تثاوب فلیضع یدہ علی فیہ (۶۲۲۶)۔

۲- صحیح بخاری: کتاب الأذان: باب لا یکف ثوبہ فی الصلاۃ (۸۱۶)۔ صحیح مسلم: کتاب الصلاۃ: باب أعضاء السجود والنھی عن کف الشعر والثوب وعقص الرأس فی الصلاۃ (۴۹۰)

فائدہ: بال سمیٹنے کا مطلب یہ ہے کہ انھیں گوندھ کر گدی کے پیچھے گرہ لگادی جائے، یا انھیں عمامہ (پگڑی) کے نیچے سمیٹ لیا جائے، یا کسی چیز سے باندھ دیا جائے، اور کپڑا سمیٹنے کا مطلب یہ ہے کہ اسے چڑھا لیا جائے یا درمیان میں اس کو باندھ دیا جائے وغیرہ۔ اس ممانعت کی علت یہ ہے کہ انسان کے ساتھ اس کے بال اور کپڑے بھی سجدہ کرتے ہیں، اور ان کے سمیٹنے میں اس اجر و ثواب میں کمی آتی ہے جو ان کے سجدہ کرنے سے حاصل ہوتا ہے، یا بال اور کپڑے زمین سے بلند رکھنے میں متکبرین سے مشابہت ہے۔ ''مرعاۃ المفاتیح'' (۳/۲۰۶، ۲۰۷)۔

نووی فرماتے ہیں: کپڑا یا آستین وغیرہ چڑھا کر نماز پڑھنا بالاتفاق ممنوع ہے[1]۔

۷- عریاں (ننگے) کندھے والے کی نماز

حدیث میں ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «لَا يُصَلِّيَنَّ أَحَدُكُمْ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ لَيْسَ عَلَى عَاتِقِهِ مِنْهُ شَيْءٌ» وَفِي رِوَايَة مسلم: «عَلَى عَاتِقَيْهِ».

یعنی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے کوئی ایک کپڑے میں نماز نہ پڑھے اس طرح کہ اس کے کندھے پر کچھ نہ ہو“[2]۔

مسلم کی روایت میں ”عاتقیہ“ یعنی ”اس کے دونوں کندھے“ کا ذکر ہے[3]۔

مذکورہ حدیث میں جو نہی (ممانعت) ہے وہ تحریم کی متقاضی ہے، اور اسے قیاس پر مقدم کیا جائے گا[4]، البتہ جمہور اہل علم کے نزدیک نماز نہیں باطل ہوتی، لیکن انھوں نے

۱- شرح مسلم للنووی (۴/۲۰۹)۔ البتہ اس کی نماز کے عدم بطلان پر بجز حسن کے تمام کا اتفاق ہے، ان سے منقول ہے کہ نماز کا اعادہ اس پر واجب ہے، جیسا کہ حافظ نے ”فتح الباری“ (۱۰/۲۹۶) میں صراحت کی ہے۔

۲- صحیح بخاری: کتاب الصلاۃ: باب اذا صلی فی الثوب الواحد فلیجعل علی عاتقیہ (۳۵۹)، صحیح مسلم: کتاب الصلوٰۃ: باب الصلوٰۃ فی ثوب واحد وصفۃ لبسہ، سنن ابی داود: کتاب الصلوٰۃ: باب جماع اثواب ما یصلی فیہ (۶۲۶)، سنن نسائی: کتاب القبلۃ: باب صلوٰۃ الرجل فی الثوب الواحد لیس علی عاتقیہ منہ شئی، الفاظ نسائی کے ہیں۔

۳- مسلم کے علاوہ بخاری میں بھی ”عاتقین“ کی زیادتی ہے، ابوداود میں ”منکبین“ کا ذکر ہے۔

۴- یہی مذہب امام احمد اور بعض سلف کا ہے، از روئے دلیل یہی مذہب قوی ہے، اس لئے کہ اس نہی کو حقیقی معنی سے پھیرنے کے لئے کوئی قرینہ نہیں ہے، بعض لوگوں نے جواز پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے، اور اسے اس نہی کے لئے قرینہ صارفہ قرار دیا ہے، لیکن دعویٰ اجماع بذات خود باطل ہے، لہذا نہی تحریم پر محمول ہوگی۔ البتہ یہ اس صورت میں ہے جب کپڑا کشادہ ہو، لیکن اگر وہ اس قدر تنگ ہے کہ صرف ازار (لنگی) کے کام آسکتا ہے تو اسے ازار بنائے گا اور ایسی حالت میں اس کی نماز صحیح ہو جائے گی، جیسا کہ حضرت جابرؓ کی متفق علیہ روایت صراحت کرتی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں ”ان کان الثوب واسعا فالتحف بہ وان کان ضیقا فاتزر بہ“ (نیل الاوطار (۲/۷۲)، مرعاۃ المفاتیح (۲/۱۷۴)

صراحت کی ہے کہ یہ نہی تنزیہی ہے تحریمی نہیں، اس لیے اگر کوئی ایسے کپڑے میں نماز پڑھتا ہے جو اس کے جسم کے لیے ساتر ہے لیکن اس کے کندھے پر اس کا کوئی حصہ نہیں تو اس کی نماز کراہت کے ساتھ صحیح ہو گی، خواہ وہ کندھا ڈھکنے پر قادر ہو یا نہیں[1]۔

۸- تصویر والے کپڑے میں نماز

حدیث میں ہے:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عنها قالت: قام رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّي فِي خَمِيصَةٍ ذَاتِ أَعْلَامٍ، فَلَمَّا قَضَىٰ صَلَاتَهُ قَالَ: «اذْهَبُوابِهَذِهِ الْخَمِيصَةِ إِلَى أَبِي جَهْمِ بْنِ حُذَيْفَةَ وَأْتُونِي بِأَنْبِجَانِيَّةٍ فَإِنَّهَا أَلْهَتْنِي آنِفًا عَنْ صَلَاتِي».

یعنی: ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک منقش چادر میں نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے، جب آپ نے نماز مکمل کرلی تو فرمایا: "اس چادر کو ابوجہم بن حذیفہ کے پاس لے جاؤ، اور مجھ کو انبجانی چادر لادو، کیوں کہ اس نے ابھی مجھے میری نماز سے غافل کر دیا تھا"[2]۔

انبجانی چادر جسے رسول اللہ ﷺ نے طلب کیا تھا یہ موٹی غیر منقش چادر تھی، اس کے بر خلاف "خمیصہ" جسے آپ نے لوٹا دیا تھا "اعلام" (یعنی نقش و نگار) والی چادر تھی اور غالباً لفظ "اعلام" لفظ "صور" سے زیادہ بلیغ ہے۔

اور انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: كَانَ قِرَامٌ لِعَائِشَةَ سَتَرَتْ بِهِ جَانِبَ

۱- شرح مسلم للنووی (۴/ ۲۳۲) کتاب الصلوۃ: باب الصلوۃ فی ثوب واحد وصفۃ لبسہ۔

۲- صحیح بخاری: کتاب الصلاۃ. باب اذا صلی فی ثوب واحد لہ اعلام و نظر الی علمہا (۳۷۳)، صحیح مسلم: کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ: باب کراہیۃ الصلاۃ فی ثوب لہ اعلام (۵۵٦)۔

بَيْتِهَا، فَقَالَ لَهَا النَّبِيُّ ﷺ: «أَمِيطِي عَنِّي، فَإِنَّهُ لا تَزَالُ تَصَاوِيرُهُ تَعْرِضُ لِي فِي صَلاتِي».

یعنی: ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک باریک پردہ تھا، جسے انھوں نے اپنے گھر میں ایک طرف لٹکا رکھا تھا، رسول اللہ ﷺ نے (اس کو دیکھ کر) فرمایا: "اس کو مجھ سے دور کر دو کیوں کہ اس کی تصویریں برابر نماز میں میرے سامنے آتی رہیں"[1]۔

امام بخاریؒ نے انس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث پر بایں الفاظ باب باندھا ہے: "اگر ایسے کپڑے میں نماز پڑھے جس پر صلیب یا تصویریں ہوں تو کیا اس کی نماز فاسد ہو جائے گی؟ اور اس کی ممانعت کا بیان"۔

شارحین بخاری حافظ ابن حجر اور علامہ عینی نے امام بخاریؒ کے اس قول: "کیا اس کی نماز فاسد ہو جائے گی؟" کی تفسیر میں واضح فرمایا ہے کہ یہاں پر سوال استفسار (طلب تفسیر) کے لیے ہے، اس میں امام بخاریؒ اپنی عادت یعنی اختلافی مسائل میں قطعی رائے دینے سے اجتناب پر قائم ہیں، اس لیے کہ علماء نے کسی شئی پر وارد نہی (ممانعت) کے سلسلے میں اختلاف کیا ہے، اگر نہی (ممانعت) کسی داخلی علت (سبب) کی بنیاد پر ہے تو اس شئی کے فساد کی متقاضی ہوگی، اور اگر کسی خارجی علت کے باعث ہے تو وہ کراہت کی متقاضی ہوگی یا فساد کی؟ یہ مختلف فیہ مسئلہ ہے[2]۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے شخص کی نماز میں اختلاف ہے جس کے کپڑے پر تصویریں ہوں، امام بخاری نے اس کے بطلان کی صراحت تو نہیں کی ہے، البتہ حرف "ھل" کے ذریعہ استفسار فرمایا ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس مسئلے

۱- صحیح بخاری: کتاب الصلاۃ: باب ان صلی فی ثوب مصلب أو تصاویر ہل تفسد صلاتہ، وما ینھی عن ذلک (۳۷۴)۔

۲- فتح الباری (۱/ ۴۸۴)، عمدۃ القاری (۳/ ۳۳۵-۳۳۷)

میں ایک قول یا وجہ ایسی ہے جو اس کے بطلان کا فیصلہ کرتی ہے۔ جمہور فقہاء اسلام کا موقف ہے کہ وہ نماز مکروہ ہوگی[1]۔

تصویر ساتھ رکھ کر نماز پڑھنے والے کی نماز کا حکم

امام مالکؒ سے سوال کیا گیا کہ ایسی انگوٹھی جس میں مجسمہ (تمثال) ہو، اس کا پہننا اور اس میں نماز پڑھنا جائز ہے؟ آپ نے فرمایا: نہ اس کا پہننا ہی جائز ہے، نہ پہن کر نماز پڑھنا ہی۔

سمرقندی فرماتے ہیں کہ اگر آدمی ایسے دراہم ساتھ لے کر نماز پڑھتا ہے جس میں بادشاہ کے مجسمے ہوں تو کوئی حرج نہیں ہے، اس لیے کہ یہ نگاہوں سے اوجھل ہوتے ہیں۔

ممانعت پر مشتمل مذکورہ احادیث تقریباً ایک معنی و مفہوم میں ہیں، ان میں صراحت ہے کہ تصویر میں یا اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کی ممانعت نماز میں کمال حضور، اس کے اذکار و تلاوت میں تدبر اور اس کے مقاصد یعنی انقیاد و خضوع سے دل کے مشغول ہونے کے باعث ہے، نیز ان میں نگاہ کو ایسے مشغول کرنے والی چیزوں کی طرف اٹھنے سے روکنے اور ایسی چیز جس کے ساتھ دل کے مشغول ہونے کا خدشہ ہو، نیز دیگر مشغول کرنے والی چیزوں کے زائل کرنے کا حکم ہے، اس لیے کہ نبی اکرم ﷺ نے منقش (نقش و نگار والی) چادر کو ہٹانے کی علت اسی دل کے مشغول ہونے کو قرار دیا ہے۔

شیخ عبدالعزیز بن بازؒ سے سوال کیا گیا کہ ایسی گھڑی پہن کر جس کے ظاہری حصے میں صلیب یا اس کے داخلی حصے میں کسی جاندار کی تصویر ہو نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ تو آپ نے جواب دیا: اگر تصاویر گھڑی میں اس طرح پوشیدہ ہیں کہ نظر نہیں آتیں

---

[1] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری (۳/۳۰۹)

تو اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن اگر وہ گھڑی کے ظاہری حصے یا اس کو کھولنے کے بعد اس کے داخلی حصے میں نظر آتی ہیں تو اس میں نماز جائز نہیں، اس لیے کہ نبی کریم ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ "کسی تصویر کو مٹائے بغیر مت چھوڑنا" اسی طرح جس گھڑی میں صلیب موجود ہو اس کا استعمال جائز نہیں، الا یہ کہ اس کو کھرچ دیا جائے یا پینٹ وغیرہ سے مٹا دیا جائے، کیوں کہ نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہے کہ جب آپ کوئی ایسی چیز دیکھتے جس میں صلیب کا نشان ہوتا تو اسے توڑ دیتے، ایک روایت میں ہے، اسے کاٹ دیتے" [1]۔

۹-(زعفرانی) کسم رنگ سے رنگے ہوئے کپڑے میں نماز

کسم رنگ سے رنگے کپڑے میں نماز جائز نہیں ہے، حدیث میں ہے:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ رَاي عَلَيْهِ ثَوْبَيْنِ مُعَصْفَرَيْنِ فَقَالَ: « إنَّ هٰذِهِ مِنْ ثِيَابِ الْكُفَّارِ فَلا تَلْبَسْهَا ».

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان کو (زعفرانی) کسم رنگ کے دو کپڑے پہنے ہوئے دیکھا تو فرمایا: "یہ کفار کا لباس ہے، تم اس کو مت پہنو [2]"۔

ایک دوسری روایت میں ہے:

أن النَّبِي صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأيْ عَلَيْهِ رَيْطَةً مُضَرَّجَةً بِالْعُصْفُرِ فَقَالَ: « مَا هٰذِهِ الرَّيْطَةُ الَّتِيْ عَلَيْكَ ؟» فَعَرَفْتُ مَاكَرِهَ،

۱- فتاوی اسلامیہ (۱/۲۷۰) باب صفۃ الصلاۃ واحکامہا۔ مجموع فتاوی شیخ ابن باز (۴/۱۹۶) باب شروط الصلاۃ: حکم صلاۃ من یلبس ساعۃ فیہا صورۃ۔

۲- صحیح مسلم: کتاب اللباس والزینۃ: باب النہی عن لبس الرجل الثوب المعصفر (۲۰۷۷)۔

فَأَتَيْتُ أَهْلِي وَهُمْ يَسْجُرُونَ تَنُّورًا لَهُمْ فَقَذَفْتُهَا فِيهِ، ثُمَّ أَتَيْتُهُ مِنَ الْغَدِ فَقَالَ: « يَا عَبْدَ اللّٰهِ! مَا فَعَلْتَ بِالرَّيْطَةِ ؟» فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ: هَلا كَسَوْتَهَا بَعْضَ أَهْلِكَ فَإِنَّهُ لا بَأْسَ بِهَا لِلنِّسَاءِ .

نبی اکرم ﷺ نے ان کے جسم پر کسم رنگ سے رنگی ہوئی چادر دیکھی تو فرمایا: یہ کیسی چادر تمھارے جسم پر ہے؟ میں نے آپ کی ناپسندیدگی محسوس کرلی، اسی دم گھر آیا، اہل خانہ تنور گرم کر رہے تھے، میں نے اس کو اسی میں ڈال دیا، پھر دوسرے دن آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ نے پوچھا: "اے عبد اللہ! چادر کیا ہوئی؟" میں نے آپ کو بتایا (کہ میں نے اسے تنور میں ڈال دیا) تو آپ ﷺ نے فرمایا: 'تم نے اپنے گھر کی کسی عورت کو کیوں نہیں پہنا دیا کیوں کہ عورتوں کے لیے تو اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں [۱]۔"

ایک دوسری حدیث میں ہے:

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: نَهَى النَّبِيُّ ﷺ أَنْ يَتَزَعْفَرَ الرَّجُلُ .

انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مردوں کو زعفرانی رنگ کے استعمال سے منع فرمایا [۲]۔

ایک اور روایت میں ہے:

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنْ لِبَاسِ

۱- سنن ابو داود: کتاب اللباس: باب فی الحمرۃ (۴۰۶۶)، سنن ابن ماجہ: کتاب اللباس: باب کراہیۃ المعصفر للرجال (۳۶۰۳)۔ مسند احمد (۲/۱۹۶) علامہ البانی نے حدیث کو حسن قرار دیا، "صحیح سنن ابی داود" (۱/۵۱۲)۔

۲- سنن ابو داود: کتاب الترجل: باب فی الخلوق للرجال (۴۱۷۹)، سنن نسائی: کتاب الزینۃ: باب التزعفر (۵۲۵۶)، جامع ترمذی: کتاب الآداب: باب ماجاء فی کراہیۃ التزعفر والخلوق للرجال (۲۸۱۵) حدیث صحیح ہے دیکھئے: ابی داود (۱/۵۴۰)

الْمُعَصْفَرِ.

علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے (زعفرانی) کسم رنگ سے رنگے ہوئے کپڑے سے منع فرمایا[1]۔

۱۰- ننگے سر نماز پڑھنے کا حکم

مردوں کے لیے ننگے سر نماز پڑھنا جائز و درست ہے، اس لیے کہ سر عورت کے لیے ستر ہے نہ کہ مرد کے لیے، لیکن نماز پڑھنے والے کے لیے مستحب ہے کہ وہ اپنے کامل لباس میں ہو، عمامہ (پگڑی)، لمبی یا گول ٹوپی (ان کا استعمال نیچے کپڑے کے ساتھ ہو یا اس کے بغیر) یا اس جیسی کسی استعمال کی جانے والی چیز کے ذریعہ سر ڈھانکنا بھی اسی میں داخل ہے، لہذا بلا عذر سر کھلا رکھنا مکروہ ہے بالخصوص فرض نماز میں، جماعت کے ساتھ۔

ہمارے شیخ علامہ البانیؒ فرماتے ہیں: میرا موقف یہی ہے کہ ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ (تنزیہی) ہے، اس لیے کہ ایک مسلمان کے لیے مکمل طور پر اسلامی ہیئت (وضع قطع) میں نماز ادا کرنے کا استحباب درج ذیل حدیث کی بنیاد پر مسلم ہے:

"فَإِنَّ اللّٰهَ أَحَقُّ أَنْ يُتَزَيَّنَ لَهُ"[2]

۱- یہ طویل حدیث کا ایک ٹکڑا ہے، جو صحیح مسلم: کتاب اللباس والزینۃ: باب النہی عن لبس الرجل الثوب المعصفر (۲۰۷۸) وغیرہ میں مروی ہے۔

فائدہ: کسم اور زعفرانی رنگ سے مراد وہ گروا رنگ ہے جسے ہندوؤں کے پجاری و جوتشی استعمال کرتے ہیں، شاید عہد نبوی میں یہ کاہنوں کا لباس تھا اس لئے اس سے منع کیا گیا۔ اس کا جواز و عدم جواز مختلف فیہ ہے، لیکن از روئے دلیل عدم جواز کا مذہب قوی ہے۔ اور جب اس کا استعمال عام حالات میں ممنوع ہے تو نماز میں بدرجہ اولیٰ ممنوع ہوگا، ملاحظہ ہو: اتحاف الکرام (۱۳۹-۱۴۰) نیل الاوطار (۲/۹۷)

۲- شرح معانی الآثار (۱/۲۷۱) کتاب الصلاۃ: باب الصلاۃ فی الثوب الواحد، سنن کبریٰ (۲/۲۳۳) کتاب الصلاۃ: باب ما یستحب للرجل ان یصلی فیہ من الثیاب، معجم اوسط (۱/۲۸)

"اللہ تعالیٰ زیادہ حقدار ہے کہ اس کے لیے زینت اختیار کی جائے"[1]۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ننگے سر نماز پڑھنے والے کی نماز محض مکروہ ہی ہے، صحیح بہر حال ہو گی، جیسا کہ علامہ بغوی اور بیشتر علماء نے صراحت کی ہے، لہذا عوام کا ننگے سر امام کے پیچھے نماز پڑھنے سے اجتناب صحیح نہیں ہے، البتہ نمازیوں میں سب سے زیادہ امام اس بات کے لائق ہے کہ اس کے اندر تکمیل صلوٰۃ کی شروط بدرجہ اتم موجود ہوں، اور وہ سنت نبوی کے سامنے سر تسلیم خم کرنے اور اس کی پابندی کرنے والا ہو۔

۱۱- جوتا پہن کر نماز پڑھنے والے پر نکیر

بہت سے لوگوں کا اعتقاد ہے کہ جوتوں میں نماز غیر مشروع ہے، اور بہت سے لوگ اس میں نماز کو قبیح فعل سمجھتے ہیں[2]، انھیں معلوم نہیں کہ جوتوں میں نماز پڑھنا ایسی سنت ہے جسے لوگوں نے چھوڑ رکھا ہے، کیوں کہ اس میں نماز ادا کرنا نبی اکرم ﷺ سے تواتر سے ثابت ہے۔

علامہ طحاوی "شرح معانی الآثار" (۱/۵۱۱) میں فرماتے ہیں:

جوتوں میں نماز پڑھنے، بسا اوقات بوجہ نجاست انھیں نکالنے اور لوگوں کے لیے ان میں نماز کو جائز قرار دینے پر مشتمل احادیث نبی اکرم ﷺ سے تواتر سے ثابت ہیں۔

☆☆☆

۱- تمام المنۃ علی فقہ السنۃ (ص: ۱۶۴)

۲- شیخ مقبل بن ہادی الوادعی حفظہ اللہ نے اپنے رسالہ: "شرعیۃ الصلاۃ فی النعال" کے صفحہ: ۲۵ تا ۲۸ پر جوتوں میں نماز ترک کرنے کے مضرات اور صفحہ: ۲۹ تا ۳۲ پر جوتوں میں نماز کے منکرین کے شبہات کو مفصل ذکر کیا ہے، اس کا مراجعہ کیا جائے۔ (مؤلف)

دوسری فصل

نماز کی جگہوں سے متعلق غلطیوں کا بیان

یہ فصل درج ذیل مباحث پر مشتمل ہے:

- ☆ کربلا کی مٹی پر سجدہ کرنا، اور نماز میں سجدہ کرنے کی خاطر اس کی ٹکیہ تیار کرنا نیز اس میں اجر و فضیلت کا اعتقاد رکھنا
- ☆ ایسے مقامات کی طرف رخ کر کے جہاں تصویریں ہوں، یا ایسی جا نماز (مصلیٰ) پر جس میں تصویریں اور نقش و نگار ہوں یا ایسی جگہ جہاں تصویریں ہوں نماز پڑھنا
- ☆ قبروں پر یا ان کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا
- ☆ مسجد میں نماز کی جگہ خاص کرنا
- ☆ سترہ سے متعلق غلطیاں
- ☆ قبلہ سے انحراف

۱۱- کربلا کی مٹی پر سجدہ کرنا، اور نماز میں سجدہ کرنے کی خاطر اس کی ٹکیہ تیار کرنا نیز اس میں اجر و فضیلت کا اعتقاد رکھنا

کربلا کے تقدس، اس کی مٹی پر سجدہ کی فضیلت اور نماز میں سجدہ کرنے کی خاطر اس کی ٹکیہ تیار کرنے کے استحباب (جیسا کہ اس دور کے شیعوں کا اعتقاد ہے) کا ثبوت کسی بھی صحیح حدیث میں نہیں ہے، اگر یہ مستحب ہوتا تو مکہ و مدینہ کی مقدس مساجد کی مٹی اس عمل کی زیادہ مستحق ہوتی، یہ شیعوں کی ایجاد کردہ بدعت اور اہل بیت نیز ان کے آثار میں ان کا غلو ہے، ان کے عجیب و غریب اعتقادات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ عقل ان کے یہاں تشریعی مصادر میں سے ایک مصدر ہے، اسی لیے وہ عقلی تحسین و تقبیح [۱] کا موقف رکھتے ہیں، علاوہ ازیں وہ سرزمین کربلا کی فضیلت میں ایسی احادیث روایت کرتے ہیں بدیہی طور پر عقل سلیم جن کے بطلان کا فیصلہ کرتی ہے، نیز ان کی کوئی صحیح یا حسن سند بھی نہیں، بلکہ سب کی سب باطل و موضوع ہیں۔

۱۲- ایسے مقامات کی طرف رخ کر کے جہاں تصویریں ہوں، یا ایسی جانماز (مصلیٰ) پر جس میں تصویریں یا نقش و نگار ہوں، یا ایسی جگہ جہاں تصویریں ہوں نماز پڑھنا

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں: قام رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّى فِي خَمِيصَةٍ ذَاتِ أَعْلامٍ، فَلَمَّا قَضَىَ صَلَاتَهُ

۱- یعنی عقل جس کو اچھا سمجھے اس کو اچھا سمجھنے کا شرعاً اعتقاد، اور عقل جس چیز کو برا سمجھے اس کو برا سمجھنے کا اعتقاد۔

قَالَ: « اذْهَبُوابِهَذِهِ الْخَمِيْصَةِ إِلَى أَبِي جَهْمِ بْنِ حُذَيْفَةَ، وَأْتُونِي بِأَنْبِجَانِيَّةٍ فَإِنَّهَا أَلْهَتْنِي آنِفًا عَنْ صَلاتِي ».

یعنی: رسول اللہ ﷺ ایک منقش چادر میں نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے، جب نماز مکمل کرلی تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اس چادر کو ابو جہم بن حذیفہ کے پاس لے جاؤ، اور میرے پاس انجانی چادر لے آو، کیوں کہ اس نے ابھی مجھے میری نماز سے غافل کردیا ہے [1]۔

نیز انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: كَانَ قِرَامٌ لِعَائِشَةَ سَتَرَتْ بِهِ جَانِبَ بَيْتِهَا، فَقَالَ لَهَاالنَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: « أَمِيطِي عَنِّي فَإِنَّهُ لا تَزَالُ تَصَاوِيرُهُ تَعْرِضُ لِي فِي صَلاتِي ».

یعنی ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک باریک پردہ تھا جسے انھوں نے اپنے گھر میں ایک طرف لٹکا رکھا تھا، رسول اکرم ﷺ نے (اسے دیکھ کر) فرمایا: "اس کو مجھ سے دور کردو، کیوں کہ اس کی تصویریں پوری نماز میں میرے سامنے آتی رہیں" [2]۔

یہ دونوں حدیثیں ایسی جگہ جہاں تصویریں ہوں نماز کی کراہت پر، اور ایسی چیزوں کے زائل کرنے پر دال ہیں جو نمازی کے ذہن کو مشغول کردیں، (خواہ وہ تصاویر ہوں یا کچھ اور) نیز اس امر پر بھی دلالت کرتی ہیں کہ تصویروں کی موجودگی میں نماز فاسد نہیں ہوتی، اس لیے کہ نبی اکرم ﷺ نے نماز کو نہ تو توڑا اور نہ اسے دہرایا۔

۱۳- قبروں پر یا ان کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنا

عَنْ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْبَجَلِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ

۱- اس حدیث کی تخریج صفحہ (۴۵) پر گزر چکی ہے۔

۲- اس حدیث کی تخریج صفحہ (۴۶) پر گزر چکی ہے۔

رَسُولَ اللّٰه صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ أَنْ يَمُوتَ يَقُولُ: «إِنِّي أَبْرَأُ إِلَى اللّٰهِ مِنْكُمْ أَنْ يَكُونَ لِي خَلِيلٌ، فَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالَى قَدْ اتَّخَذَنِي خَلِيلًا كَمَا اتَّخَذَ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا، وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيلًا لَاتَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ خَلِيلًا، أَلَا! وَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوا يَتَّخِذُونَ قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ، أَلَا! فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُورَ مَسَاجِدَ، فَإِنِّي أَنْهَاكُمْ عَنْ ذَلِكَ».

جندب بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو وفات سے کچھ پہلے فرماتے ہوئے سنا: "میں اس بات سے اللہ تعالیٰ کی طرف برأت ظاہر کرتا ہوں کہ تم میں سے کسی کو اپنا خلیل (سچا اور مخلص دوست) بناؤں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا خلیل بنالیا ہے، جیسا کہ اس نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا ہے، اور اگر میں کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا، خبردار رہو! تم سے پہلے کے لوگ اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بناتے تھے کہیں تم قبروں کو مسجد نہ بنانا، میں تم کو اس سے منع کرتا ہوں"[1]۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «قَاتَلَ اللّٰهُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ».

یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ کو ہلاک کرے انھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجد بنالیا"[2]۔

۱- صحیح مسلم: کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ: باب النہی عن بناء المساجد علی القبور واتخاذ الصور فیہا والنہی عن اتخاذ القبور مساجد (۵۳۲)

۲- صحیح بخاری: کتاب الصلاۃ: باب.... بعد باب الصلاۃ فی البیعۃ (۴۳۷)، صحیح مسلم: کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ: باب النہی عن بناء المساجد علی القبور الخ (۵۳۰)۔

اور ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں:

« قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فِي مَرْضِهِ الَّذِي لَمْ يَقُمْ مِنْهُ: لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ ».

یعنی: نبی اکرم ﷺ نے اپنے مرض الموت میں فرمایا: "یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا"[1]۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "إِنَّ مِنْ شِرَارِ النَّاسِ مَنْ تُدْرِكُهُمُ السَّاعَةُ وَهُمْ أَحْيَاءٌ وَالَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ".

یعنی: سب سے بدترین لوگ وہ ہیں جن کی زندگی میں قیامت برپا ہوگی، اور وہ جو قبروں کو سجدہ گاہ بناتے ہیں[2]۔

مذکورہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ:

۱/۱۳- قبروں کو سجدہ گاہ بنانا حرام ہے، جملہ مذاہب کے علماء نے اس کی ممانعت میں وارد احادیث پر عمل کرتے ہوئے اس کے ممنوع ہونے کی صراحت کی ہے، دراصل اس کے قطعی طور پر حرام ہونے میں کوئی شک شبہ نہیں ہے۔

نیز قبروں پر بنائی گئی مساجد کو زائل کرنا متعین ہے، اس امر میں مشہور علماء اسلام کے درمیان کوئی اختلاف نہیں، اور ان مساجد میں نماز ادا کرنا بالاتفاق مکروہ ہے، بلکہ اس سلسلے میں وارد ممانعت اور لعنت کے باعث امام احمد کے نزدیک (مشہور قول کے

۱- صحیح بخاری: کتاب الصلاۃ: باب الصلاۃ فی البیعۃ (۴۳۵،۴۳۶) کتاب الجنائز: باب ما یکرہ من اتخاذ المساجد علی القبور (۱۳۳۰)، صحیح مسلم: کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ: باب النہی عن بناء المساجد علی القبور الخ (۵۲۹)۔

۲- مسند احمد (۱/۴۳۵)، مصنف ابن أبی شیبہ (۳/۳۴۵)، صحیح ابن خزیمہ (۷۸۹)، مذکورہ مصادر میں "والذین یتخذون" کے بجائے "ومن یتخذ" ہے۔

مطابق) ان میں نماز صحیح نہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے ممانعت کی علت کی صراحت ان لفظوں میں فرمائی ہے:

"اَللّٰهُمَّ لا تَجْعَلْ قَبْرِيْ وَثْنًا يُعْبَدُ."

"اے اللہ تو میری قبر کو بت نہ بنانا کہ اس کی عبادت کی جائے"[1]۔

نیز آپ نے خبر دی ہے کہ کفار کا یہ طریقہ تھا کہ جب ان میں کوئی نیک آدمی مر جاتا تو اس کی قبر پر مسجد بناتے، اور اس میں یہ مورتیاں رکھتے، یہ لوگ قیامت کے روز اللہ کے نزدیک ساری مخلوق میں سب سے بدتر ہوں گے[2]۔ یہاں نبی اکرم ﷺ نے مجسموں اور قبروں کو ایک ہی حکم میں رکھا ہے۔

سابقہ تفصیل سے درج ذیل باتیں ثابت ہوتی ہیں:

۱- صحیح بات یہی ہے کہ ایک قبر پر بھی گرچہ اس کے پاس کوئی دوسری قبر نہ ہو نماز ممنوع ہے۔

۲- صحیح یہی ہے کہ قبروں کے درمیان تعمیر شدہ مسجد میں نماز ممنوع ہے تاوقتیکہ مسجد کی دیوار اور مقبرہ کے درمیان کوئی دوسری چیز حائل نہ ہو، مسجد کی دیوار مسجد و قبر کے درمیان حائل کی حیثیت سے کافی نہیں۔

۳- قبروں پر تعمیر شدہ مساجد میں نماز کی ممانعت ہر صورت کو عام ہے، خواہ قبر سامنے ہو یا پیچھے، دائیں ہو یا بائیں ہر حال میں ان مساجد میں نماز ممنوع ہے، لیکن اگر نماز کی ادائیگی قبر کی طرف رخ کر کے ہو تو ممانعت اور سخت ہو جاتی ہے، اس لیے کہ

۱- موطا امام مالک (ص: ٦٠) باب جامع الصلاۃ، مسند احمد (۲/ ۲۴٦)، مسند حمیدی (۲/ ۴۴۵)۔ علامہ البانیؒ نے حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، ملاحظہ ہو: تحذیر الساجد (ص: ۲۴-۲۵)

۲- صحیح بخاری: کتاب الصلاۃ: باب ھل تنبش قبور مشرکی الجاہلیۃ ویتخذ مکانہا مساجد (۴۲۷)، صحیح مسلم: کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ: باب النہی عن بناء المسجد علی القبور الخ (۵۲۸)

نمازی اس حالت میں دوہری مخالفت کا مرتکب ہوتا ہے، ایک: اس قسم کی مساجد میں نماز ادا کرنے کی، اور دوسری: قبر کی طرف نماز پڑھنے کی جو نبی اکرم ﷺ سے ثابت حدیث کی بنیاد پر کلی طور پر ممنوع ہے خواہ مسجد میں ہو یا کہیں اور۔

۴- قبروں یا ان کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کی ممانعت میں اعتبار ان قبروں کا ہے جو زمین کے اوپر ظاہر ہوں، جو زمین کے اندر ہیں اوپر ظاہر نہیں ان سے مذکورہ حکم شرعی متعلق نہیں [۱] بلکہ شریعت اس قسم کے حکم سے منزہ اور پاک ہے، کیوں کہ پوری زمین زندوں کا مقبرہ ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَلَمْ نَجْعَلِ الأَرْضَ كِفَاتًا ، أَحْيَاءً وَأَمْوَاتًا﴾ (کیا ہم نے زمین کو سمیٹنے والی نہیں بنایا، زندوں کو بھی مردوں کو بھی) (مرسلات: ۲۵)۔

امام شعبی فرماتے ہیں: اس کا بطن مردوں کے لیے اور اس کی پشت زندوں کے لیے ہے [۲]۔

۱- قبروں پر نماز کی حرمت کو ابھری ہوئی قبروں کے ساتھ مخصوص کرنا درست نہیں، اس لیے کہ اس سلسلے میں وارد نصوص میں کوئی تخصیص نہیں ہے، لہٰذا ان کا عموم دونوں قسم کی قبروں کو شامل ہوگا، نیز متفق علیہ نصوص شاہد ہیں کہ مسجد نبوی کی تعمیر کی خاطر اس مقام پر موجود مشرکین کی قبریں کھود دی گئیں، جب کہ حافظ ابن حجرؒ کی صراحت کے مطابق وہ مٹی ہوئی قبریں تھیں، اگر یہ تفریق درست ہوتی تو انھیں کھودنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ نیز قبروں پر نماز کی حرمت بعض علماء کے نزدیک تعبدی ہے، ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک یہ حکم کسی نوع کے ساتھ مخصوص نہیں، اور بعض علماء نے اس کی علت سے بحث کی ہے، لیکن ان کی بیان کردہ علتیں دونوں قسموں میں پائی جاتی ہیں۔ نیز قبر پر نماز کے جواز کے لیے مشہور علمائے اسلام نے اسے کھود کر منتقل کرنا ضروری قرار دیا ہے۔ ذکر کردہ آیت کریمہ سے استدلال درست نہیں ہے، اس لیے کہ یہ آیت اس امر پر دال نہیں کہ پوری زمین زندوں کا ایسا مقبرہ ہے جس کے ساتھ مقبرہ کے شرعی احکام معلق ہوں، اگر ایسا ہوتا تو اس میں وہ سارے تصرفات ناجائز ہوتے جو ایک مقبرہ میں شرعاً ممنوع ہیں، لہٰذا مذکورہ تفریق درست نہیں بلکہ اگر کسی جگہ قبر کا ہونا معلوم ہے تو اس پر یا اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا جائز نہیں خواہ قبر ابھری ہوئی ہو یا زمین کے اندر ہو، واللہ اعلم بالصواب۔

۲- تفسیر ابن کثیر (۴/۴۶۰)

۵- ممانعت کی مذکورہ صورتوں میں جنازہ کی طرف منہ کر کے فرض نماز پڑھنا بھی داخل ہے جب کہ جنازہ نمازیوں کے قبلہ میں ہو[1]۔

۱۴- مسجد میں نماز کی جگہ خاص کرنا

امام کے علاوہ کسی بھی نمازی کے لیے مسجد میں کسی مخصوص مقام پر اس طور پر پابندی سے نماز پڑھنا کہ فرض کی ادائیگی صرف اسی جگہ ہو مکروہ ہے[2] جیسا کہ عبدالرحمٰن بن شبل سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں:

"نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ نَقْرَةِ الْغُرَابِ، وَافْتِرَاشِ السَّبُعِ، وَأَنْ يُوَطِّنَ الرَّجُلُ الْمَكَانَ فِي الْمَسْجِدِ كَمَا يُوَطِّنُ الْبَعِيرُ."

یعنی نبی اکرم ﷺ نے کوے طرح کی چونچ مارنے، درندے کی طرح بازو بچھانے اور اس بات سے منع فرمایا کہ آدمی مسجد میں ایک جگہ مقرر (خاص) کر لے جیسے اونٹ (اپنے بیٹھنے کی جگہ) مقرر کر لیتا ہے[3]۔

۱- جیسے کہ حرمین وغیرہ میں فرض نماز سے پہلے جنازہ لاکر قبلہ کی طرف رکھ دیتے ہیں، اور فرض نماز باجماعت پڑھنے کے بعد جنازہ کی نماز پڑھتے ہیں، اگر مسجد میں نماز جنازہ پڑھنی ہو تو جماعت کے بعد جنازہ نمازیوں کے سامنے رکھنا چاہئے۔

۲- ایسے ہی امام کا فرائض کے علاوہ نفلی نمازوں کے لیے کسی مخصوص جگہ کو اختیار کرنے کا معاملہ ہے، یہیں سے اکثر ائمہ کی یہ غلطی معلوم ہو جاتی ہے کہ وہ نفل نمازیں صرف محراب میں ادا کرتے ہیں۔

۳- سنن ابو داود: کتاب الصلاۃ: باب صلاۃ من لا یقیم صلبہ فی الرکوع والسجود (۸۶۲)، سنن نسائی: کتاب التطبیق: باب النہی عن نقرۃ الغراب (۱۱۱۱)، علامہ البانی نے حدیث کو حسن قرار دیا ہے ملاحظہ ہو: سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ (۱۱۶۸) تعلیق الالبانی علی المشکوۃ (۲۰۹)

فائدہ: اس ممانعت کی حکمت حافظ کی صراحت کے مطابق یہ ہے کہ یہ انسان کو شہرت وریاکاری اور عادات وشہوات کے ساتھ تقید تک پہنچاتا ہے۔

١٥- سترہ سے متعلق غلطیاں

نماز میں نمازی کے سامنے سترہ ہونا ضروری ہے جیسا کہ درج ذیل احادیث میں صراحت ہے:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: « لا تُصَلِّ الا إلى سُتْرَةٍ، وَلا تَدَعْ أَحَدًا يَمُرُّ بَيْنَ يَدَيْكَ، فَإِنْ أَبَى فَلْتُقَاتِلْهُ فَإِنَّ مَعَهُ الْقَرِينَ ».

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم سترہ رکھ کر ہی نماز پڑھو، اور کسی کو اپنے سامنے سے گذرنے نہ دو، اگر وہ نہ مانے تو اس سے لڑو (یعنی سختی سے روکو) کیوں کہ اس کے ساتھ شیطان ہے“ [1]۔

نیز ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَلْيُصَلِّ إِلَى سُتْرَةٍ، وَلْيَدْنُ مِنْهَا وَلا يَدَعْ أَحَدًا يَمُرُّ بَيْنَه وَبَيْنَهَا فَإِنْ جَاءَ أَحَدٌ يَمُرُّ فَلْيُقَاتِلْهُ، فَإِنَّهُ شَيْطَانٌ“ وَفِي رِوَايَةٍ: ”فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَمُرُّ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا“

یعنی: جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو سامنے سترہ رکھ لے، اور اس سے قریب رہے، نیز کسی کو اپنے اور سترہ کے درمیان سے گذرنے نہ دے، اگر کوئی گزرنے کے لیے آئے تو اس سے لڑے (یعنی سختی سے روکے) کیوں کہ وہ شیطان ہے [2] ایک روایت

١- صحیح مسلم: کتاب الصلاۃ: باب دفع المار بین یدی المصلی (٥٠٦)، صحیح ابن خزیمہ (٨٢٠)، صحیح ابن حبان (٢٣٦٢)۔

٢- صحیح بخاری: کتاب الصلاۃ: باب یرد المصلی من مر بین یدیہ (٥٠٩)، صحیح مسلم: کتاب الصلاۃ: باب منع المار بین یدی المصلی (٥٠٥)، سنن ابن ماجہ: کتاب اقامۃ الصلاۃ والسنۃ فیھا: باب ادراء ما استطعت (٩٥٤) سنن کبری (٢/٢٦٨-٢٦٩) کتاب الصلاۃ: باب المصلی یدفع المار بین یدیہ (٣٤٤٦)۔ الفاظ ابن ماجہ اور بیہقی کے ہیں۔

میں ہے کہ "شیطان اس کے اور سترہ کے درمیان سے گذرتا ہے" [۱]۔

اور سہل بن ابوحثمہ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ إِلَى سُتْرَةٍ فَلْيَدْنُ مِنْهَا، لاَ يَقْطَعُ الشَّيْطَانُ عَلَيْهِ صَلاتَهُ".

وفي رواية: "إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَلْيَسْتَتِرْ وَلْيَقْتَرِبْ مِنَ السُّتْرَةِ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَمُرُّ بَيْنَ يَدَيْهِ".

یعنی تم میں سے جب کوئی سترہ کی طرف نماز پڑھے تو اس سے قریب رہے، کہیں شیطان اس کی نماز فاسد نہ کردے [۲]۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ "جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو سترہ رکھے، اور اس کے قریب رہے، کیوں کہ شیطان اس کے سامنے سے گذرتا ہے" [۳]۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث کی شرح میں علامہ شوکانی فرماتے ہیں: اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سترہ رکھنا واجب ہے [۴]۔

سترہ کا وجوب اس طور پر بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ بالغہ عورت، گدھے اور کالے کتے

۱- صحیح ابن حبان: کتاب الصلاۃ: باب ما یکرہ للمصلی وما لا یکرہ (۲۳۷۲)

۲- سنن ابوداود: کتاب الصلاۃ: باب الدنو من السترۃ (۶۹۵)، سنن نسائی: کتاب القبلۃ: باب الامر بالدنو من السترۃ، علامہ البانیؒ نے حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، ملاحظہ ہو: صحیح ابوداود (۱/۱۳۵)۔

۳- مسند احمد (۳/۴۰۴)، شرح السنۃ (۲/۴۴۷) باب الدنو من السترۃ (۵۳۷)

۴- نیل الاوطار (۳/۲)۔ علامہ شوکانی کی طرح امام ابن خزیمہ، حافظ ابن حزم، علامہ البانی اور بعض دیگر اہل علم بھی ابوسعید خدری اور عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہم) کی مذکورہ حدیثوں سے استدلال کرتے ہوئے وجوب کے قائل ہیں، لیکن راجح مذہب یہ ہے کہ یہ اور اس طرح کی دوسری احادیث وجوب پر محمول نہیں جیسا کہ جمہور کا مذہب ہے، اس لیے کہ نبی اکرمؐ سے بغیر سترہ کے نماز پڑھنا ثابت ہے، چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح بخاری میں مروی ہے کہ: "أن النبيؐ صلى بالناس بمنى الى غير جدار" اس حدیث میں "غیر جدار" سے محض جدار کی نفی مراد ہے یا نفس سترہ کی، اس سلسلے میں اہل علم کے درمیان شدید اختلاف ہے، لیکن واقعہ کا سیاق ان علماء کی تائید کررہا ہے جنھوں نے نفس سترہ کی نفی مراد لی ہے، کیونکہ اگر کسی دوسری چیز کا سترہ ہوتا تو جدار کی نفی کے =

کے نمازی کے سامنے سے گزرنے کی صورت میں نماز کے بطلان (جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے) کے غیر مؤثر ہونے اور سامنے سے گزرنے والے کو روکنے نیز سترہ سے متعلق دیگر احکام کا شرعی سبب ہے۔

۱۵/۱- سابقہ تفصیل سے ایسے شخص کی غلطی بالکل واضح ہو جاتی ہے جو بغیر سترہ کے نماز پڑھتا ہے گرچہ سامنے سے لوگوں کے گزرنے سے مامون ہو یا صحراء میں ہو تب بھی، نیز سترہ کے احکام میں مکہ اور دیگر مقامات کے درمیان مطلق کوئی فرق نہیں [۱]۔

۱۵/۲- بعض اہل علم نے مستحب قرار دیا ہے کہ نمازی سترہ اپنے کچھ دائیں یا کچھ

= ساتھ اس کا اثبات ہوتا، لیکن حدیث کی کسی بھی صحیح یا ضعیف سند میں اس کا اثبات نہیں، اس کے برخلاف درج ذیل روایت میں نفس سترہ کی صراحتاً نفی ہے: "عن ابن عباس قال جئت انا والفضل علی اتان فمررنا بین یدی رسول اللہ ﷺ بعرفة وھو یصلی المکتوبة لیس شئی یسترہ یحول بیننا وبینہ" اس حدیث کی تخریج امام ابن خزیمہ نے اپنی صحیح (۸۳۸) میں کی ہے، اور اس کے محقق ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے، علامہ البانی کا بھی یہی موقف ہے، اس لیے کہ فاضل محقق نے مقدمہ میں صراحت کی ہے کہ ان کی جملہ تعلیقات کا علامہ البانی نے مراجعہ کیا ہے اور اگر کہیں دونوں کے موقف میں اختلاف ہوا تو علامہ البانی کا موقف قید تحریر میں آیا ہے۔ اس کے برخلاف جن لوگوں کا یہ مذہب ہے کہ کسی اور شئی کا سترہ تھا ان کے پاس بجز اس کے کوئی دلیل نہیں کہ نبی اکرم بغیر سترہ کے نماز نہیں پڑھتے تھے نیز آپ نے اس سے منع بھی کیا ہے۔ اسی امر کو امام ابن خزیمہ نے دوسری حدیث پر نقد کے لیے بنیاد بنایا ہے۔ لیکن اس دلیل میں کوئی زیادہ وزن نہیں، اس لیے کہ شریعت اسلامیہ میں ایسے متعدد مسائل ہیں جن میں نبی اکرم کا کسی ایک طریقے پر استمرار کے ساتھ عمل تھا اور آپ نے اس کا حکم بھی دیا لیکن بسا اوقات اس کے خلاف بھی ثابت ہے، وتر کے بعد دو رکعت بیٹھ کر پڑھنا، ایک شاہد اور یمین کے ذریعہ فیصلہ کرنا اس کی واضح مثالیں ہیں۔ سابقہ تفصیل سے عیاں ہے کہ بغیر سترہ کے نماز ادا کرنا آپ سے ثابت ہے، لہذا سترہ رکھنا سنت مؤکدہ ہے واجب نہیں۔ لیکن اس کا اہتمام ہر مسلمان کو کرنا چاہیے۔

۱- بعض فقہاء نے اس سلسلے میں وارد ضعیف احادیث، ابن عمر، ابن زبیر، عطاء اور مجاہد کے آثار، نیز ازدہام اور محل مزاحمت ہونے کے باعث حرم شریف کو اس حکم سے مستثنیٰ کیا ہے، شیخ ابن بازؒ بھی اسی کے قائل ہیں، اور انھیں میں سے بعض نے ضعیف حدیث اور عقلی دلیل کا سہارا لیتے ہوئے پورے مکہ کی تخصیص کی ہے۔ لیکن احوط وہی ہے جسے مصنف نے ذکر کیا، اس لئے کہ اس باب میں وارد احادیث صحیحہ کا عموم دیگر مقامات کی طرح مکہ اور مسجد حرام کو بھی شامل ہے، اور اس کی تخصیص ذکر کردہ امور کے ذریعہ مشکل ہے۔

بائیں رکھے، بالکل سامنے نہ رکھے[1] لیکن اس پر کوئی صحیح دلیل موجود نہیں، اس لیے ہر صورت جائز ہے۔

۳/۱۵۔ شرعی سترہ کی وہ مقدار جو نمازی کے حق میں کافی ہو اور گزرنے والے کے ضرر کو اس سے دفع کر دے طول میں کجاوہ کی پچھلی لکڑی کے برابر ہے، نمازی کے لیے جائز نہیں کہ بوقت سہولت اس سے چھوٹی چیز پر اکتفاء کرے، اس کی دلیل طلحہ رضی اللہ عنہ کی درج ذیل مرفوع حدیث ہے:

"إِذَا وَضَعَ أَحَدُكُمْ بَيْنَ يَدَيْهِ مِثْلَ مُؤْخِرَةِ الرَّحْلِ فَلْيُصَلِّ وَلَا يُبَالِ مَنْ مَرَّ وَرَاءَ ذَلِكَ".

یعنی: "جب تم میں سے کوئی اپنے سامنے کجاوہ کی پچھلی لکڑی کے برابر کچھ رکھ لے تو اس کے ورے سے گذرنے والے کی پرواہ کئے بغیر نماز پڑھے"[2]۔

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ سے غزوۂ تبوک میں نمازی کے سترہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "کجاوہ کی پچھلی

۱- ان لوگوں کا استدلال ابوداود (۶۹۳)، احمد، بیہقی اور طبرانی کبیر میں مروی مقداد بن اسود کی اس روایت سے ہے: "ما رأیت الرسول یصلی الی عود ولا عمود ولا شجرة الا جعله علی حاجبه الایمن او الایسر ولا یصمد له صمدا" لیکن یہ حدیث از روئے تحقیق ضعیف ہے، لہذا صحیح موقف وہی ہے جسے مصنف نے اختیار کیا ہے، اس لئے کہ اس کی جتنی سندیں مجھے مل سکی ہیں ان تمام میں ابو عبیدہ ولید بن کامل، مہلب بن حجر الہرانی اور ضباعہ بنت مقداد موجود ہیں، اور حافظ ابن حجر نے تقریب میں اول الذکر پر "لین الحدیث" ثانی الذکر پر "مجہول" اور آخر الذکر پر "لا تعرف" کا حکم لگایا ہے، علاوہ ازیں اس کی سند و متن میں اضطراب بھی ہے جیسا کہ حافظ ابن قیم اور علامہ البانی نے صراحت کی ہے، ملاحظہ ہو: تہذیب سنن ابی داود (۲/۳۸۶-۳۸۷ عون) تعلیق الالبانی علی المشکوۃ (۷۸۳) ضعیف السنن للالبانی (۱۰۸)۔ لیکن تعجب ہے کہ حدیث کے متعدد وجوہ ضعف پر مشتمل ہونے کے باوجود صاحب عون اور صاحب مرعاۃ نے صرف ولید بن کامل کے سلسلے میں اہل علم کے متعدد آراء نقل کر کے حدیث سے استدلال کر لیا ہے اور اس کے متفق علیہ اسباب ضعف سے کوئی تعرض نہیں کیا ہے۔

۲- صحیح مسلم: کتاب الصلاۃ: باب سترۃ المصلی (۴۹۹)۔

لکڑی کے برابر ہونا چاہئے"[۱]۔

کجاوہ کی پچھلی لکڑی کی مقدار ایک ذراع (ہاتھ) ہے، جیسا کہ عطاء،[۲] قتادہ، ثوری اور نافع نے صراحت کی ہے[۳] اور ذراع کا اطلاق کہنی کے کنارے سے بیچ کی انگلی کے آخری سرے تک ہوتا ہے، اس کی مقدار ۴۶،۲ سنٹی میٹر ہے، نیز نبی اکرم ﷺ سے ڈنڈا اور نیزہ کی طرف نماز پڑھنا ثابت ہے[۴] اور یہ دونوں بڑی حد تک باریک ہوتے ہیں، اس سے اس امر کی تاکید ہوتی ہے کہ سترہ کی لمبائی ایک ذراع (ہاتھ) مطلوب ہے نہ کی چوڑائی۔

اس مقام پر یہ امر قابل ذکر ہے کہ سترہ کے لیے خط کھینچنے کی حدیث کے ضعف کی طرف سفیان بن عیینہ، شافعی اور بغوی وغیرہم نے اشارہ کیا ہے[۵] دارقطنی نے صراحت کی ہے کہ "یہ حدیث صحیح نہیں"[۶]۔

امام شافعیؒ "سنن حرملہ" میں فرماتے ہیں: نمازی کے لیے اپنے سامنے خط کھینچنا درست نہیں، الا یہ کہ اس سلسلے میں کوئی حدیث ثابت ہو، تو اس کی اتباع کی جائے گی[۷] امام مالکؒ "مدونہ"[۸] میں فرماتے ہیں: "خط کھینچنا باطل ہے" متأخرین میں سے

۱- صحیح مسلم: کتاب الصلاۃ: باب سترۃ المصلی (۵۰۰)۔
۲- سنن ابوداود (۱/ ۲۴۲)، مغنی (۳/ ۸۲)
۳- مصنف عبد الرزاق (۲/ ۹، ۱۴)، المغنی (۳/ ۸۲)
۴- صحیح بخاری: کتاب الصلاۃ، باب الصلاۃ الی الحربہ (۴۹۸) باب الصلاۃ الی العنزہ (۴۹۹)، صحیح مسلم: کتاب الصلاۃ: باب سترۃ المصلی (۵۰۱، ۵۰۳)۔
۵- التلخیص الحبیر (۱/ ۲۸۶) باب شروط الصلاۃ۔ سفیان بن عیینہ کا قول سنن ابوداود (۱/ ۴۴۴) میں اور بغوی کا قول شرح السنۃ (۲/ ۴۵۱) میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔
۶، ۷- تہذیب التہذیب (۲/ ۱۸۱)
۸- (۱/ ۱۰۸) باب سترۃ الامام فی الصلاۃ۔

ابن صلاح [1] نووی [2] اور عراقی [3] وغیرہ نے اس کی تضعیف کی ہے [4]۔

اخیر میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ:

۱۵/۴- مقتدی کے لیے سترہ رکھنا واجب نہیں، بلکہ با جماعت نماز میں سترہ رکھنا امام کی ذمہ داری ہے، اور کوئی یہ تصور نہ کرے کہ ہر نمازی کا سترہ اس کے سامنے کا نمازی ہے، کیوں کہ پہلی صف میں یہ معدوم اور ناپید ہے، نیز اس سے یہ لازم آتا ہے کہ صفوں کے درمیان گزرنا ممنوع ہو، جبکہ دلیل اس کے بر خلاف ہے [5]۔ ابن عباس

۱- مقدمہ ابن صلاح (ص: ۴۴-۴۵)

۲- المجموع (۳/۲۲۵)

۳- الفیۃ الحدیث (ص: ۱۰۹-۱۱۰)، التقیید والایضاح (ص: ۱۰۵)

۴- اس حدیث کی تصحیح و تضعیف مختلف فیہ ہے، ذکر کردہ علماء کے علاوہ امام ابو عوانہ، حافظ ابن حزم، ابن قدامہ، علامہ طحاوی، احمد شاکر اور علامہ البانی نے بھی اس کی تضعیف کی ہے۔ اس کے بر خلاف امام ابن المدینی، ابن حبان، حاکم، ابن المنذر اور ابن خزیمہ نے اس کی تصحیح کی ہے۔ امام احمد سے دونوں ہی اقوال منقول ہیں، چنانچہ حافظ ابن حجر نے تہذیب (۱۲/۱۸۱) میں تضعیف اور التلخیص الحبیر (۱/۲۸۶) میں الاستذکار لابن عبدالبر سے نقل کرتے ہوئے تصحیح کا قول ذکر کیا ہے۔ لیکن فریق اول کا موقف اقرب الی الصواب ہے، اس لیے کہ اس کی سند میں اضطراب اور جہالت جیسی دو قادح علتیں پائی جا رہی ہیں، اضطراب کا دفعیہ تو حافظ ابن حجر نے النکت (۲/۷۷۲-۷۷۳) میں کسی حد تک کر دیا ہے، لیکن اس کے دو راوی: ابو عمر بن محمد بن حریث اور ان کے دادا حریث کی جہالت کی صراحت خود انہوں نے تقریب میں کی ہے، لہذا بلوغ المرام (ص: ۱۷) میں ان کا یہ قول: "ولم یصب من زعم انہ مضطرب بل ہو حسن" جسے اس دور کے شراح حدیث اور اصحاب فتاوی نے حدیث کی تحسین کے لیے بنیاد بنایا ہے یا تو شواہد کی بنیاد پر ہے یا مبنی بر وہم ہے، ثانی الذکر راجح ہے، اس لیے کہ شواہد کی بنیاد پر اس حدیث کی تحسین مشکل ہے، کیونکہ النکت، مسند طیالسی اور ابن عساکر کے واسطے سے اس کے جو شواہد مل سکے ہیں ان میں سے ابن عساکر کی روایت کو علامہ ذہبی اور علامہ البانی نے منکر قرار دیا ہے اور "النکت" کی ایک روایت جسے مسدد نے اپنی "مسند کبیر" اور عبدالرزاق نے "مصنف" میں ذکر کیا ہے حافظ کی صراحت کے مطابق موقوف ہے، لیکن اصلاً وہ مقطوع ہے، اور بقیہ تمام روایتوں میں کوئی نہ کوئی ایسا مجروح راوی ہے جس پر جرح کذب یا فسق کی بنیاد پر ہے، جیسا کہ علامہ ذہبی اور حافظ ابن حجر نے ان کے تراجم میں صراحت کی ہے۔ اور اس نوعیت کی ضعیف احادیث کا مجموعہ حسن نہیں قرار دیا جا سکتا جیسا کہ حافظ ابن حجر، علامہ سیوطی، جمال الدین قاسمی اور علامہ البانی نے وضاحت کی ہے، ملاحظہ ہو: قواعد التحدیث (ص: ۱۰۹-۱۱۰) تمام المنۃ علی فقہ السنۃ (ص: ۳۱)

۵- مصنف نے اپنے اس موقف پر ابن عباس کی جس حدیث سے استدلال کیا ہے وہ اس پر دال نہیں، اس لیے کہ =

رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ میں اور فضل ایک گدھی پر سوار ہو کر آئے جب کہ رسول اللہ ﷺ عرفہ میں نماز پڑھا رہے تھے، ہم بعض صف سے گزرے، پھر گدھی سے اترے، اور اسے چرنے کے لیے چھوڑ کر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز میں شامل ہو گئے، آپ نے اس پر ہمیں کچھ نہیں کہا[1]۔

ایک روایت میں ہے کہ گدھی پہلی صف کے بعض حصے کے سامنے سے گزری[2]۔

اس حدیث سے صاف واضح ہے کہ ابن عباس اور فضل رضی اللہ عنہم گدھی پر سوار صف اول کے سامنے سے گزرے، لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے نہ ان کو لوٹایا، نہ ان کی گدھی کو، نیز ان پر نہ تو کسی صحابی نے نکیر کی اور نہ رسول اللہ ﷺ نے۔

۱۵/۵- امام اگر سترہ نہیں رکھتا ہے تو یہ اس کی غلطی ہے، اس میں تقصیر صرف اس کی طرف سے ہوگی، ہر ہر مقتدی پر اپنے سامنے سترہ رکھنا، اور گزرنے والے کو روکنا بہرحال واجب نہیں۔

۱۵/۶- مسئلہ: جب مقتدی چھوٹی ہوئی رکعتوں کی قضاء کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو اس کی حیثیت مقتدی کی نہیں رہ جاتی، اب وہ کیسے کرے؟۔

امام مالک فرماتے ہیں کہ جو شخص امام کے سلام پھیرنے کے بعد چھٹی ہوئی رکعتوں کی

=اس میں صراحت ہے کہ ابن عباس اور ان کی گدھی کا گزر پہلی صف کے بعض حصے کے سامنے سے ہوا تھا، صفوں کے درمیان سے نہیں، ممکن ہے کہ یہ مرور صف اول کے سامنے اس مقام کے ورے سے رہا ہو جو امام کے سترہ کے محاذات میں پڑتا ہے، نیز اس موقع پر نبی اکرم کے سامنے سترہ ہونے کا ذکر حدیث کے کسی بھی روایت میں نہیں، لہذا یہ حدیث امام کے سامنے سترہ ہونے کی صورت میں صف اول کے سامنے یا صفوں کے درمیان مرور کے جواز پر دلالت کرنے کے بجائے اس امر پر دال ہے کہ اگر بغیر سترہ کے نماز پڑھی جائے تب بھی کسی بھی شئی کے مرور سے نماز فاسد نہیں ہوتی، جیسا کہ امام ترمذی، امام ابوداود، امام نسائی، امام ابن ماجہ، امام دارمی، اور علامہ بغوی کی تبویب سے واضح ہوتا ہے۔

۱- صحیح بخاری: کتاب العلم: باب متی یصح سماع الصغیر (۷۶)، صحیح مسلم: کتاب الصلاۃ: باب سترۃ المصلی (۵۰۴)

۲- صحیح بخاری: کتاب جزاء الصید: باب حج الصبیان (۱۸۵۷)

قضاء کے لیے کھڑا ہو اس پر کوئی حرج نہیں کہ اپنے سامنے یا دائیں یا بائیں یا پیچھے الٹے پاؤں لوٹتے ہوئے کسی قریبی کھمبا کی طرف اسے سترہ بنانے کی خاطر ہٹ جائے[۱] بشرطیکہ وہ اس سے قریب ہو، لیکن اگر ستون (کھمبا) دور ہے، تو اپنی جگہ پر باقی رہے اور امکانی حد تک سامنے سے گزرنے والے کو ہٹائے[۲]۔

۱۶- قبلہ سے انحراف

یہ امر قابل تشویش ہے کہ اکثر قدیم مساجد (تحدید قبلہ کے دقیق آلات مہیا نہ ہونے کے باعث) قبلہ سے منحرف پائی جاتی ہیں، بعض مسجدوں میں یہ انحراف اس حد تک ہے کہ اس نے متولیان مسجد کو ایسی مخصوص رسیاں تیار کرنے پر مجبور کر دیا ہے جنھیں انھوں نے قبلہ کی اقرب الی الصواب تحدید کی خاطر پھیلا رکھا ہے۔

یہ رسیاں ان رسیوں کے علاوہ ہیں جن کا ایجاد بعد میں ہوا، جو مساجد میں صفیں سیدھی کرنے کی خاطر پھیلائی جاتی ہیں، گویا کہ صفوں کی درستگی اور قدم سے قدم، نیز مونڈھے سے مونڈھا ملانے میں مسلمانوں کی بے توجہی نے انھیں اس حالت تک پہنچا دیا ہے کہ وہ اس قسم کی رسیوں کے محتاج ہیں جن سے مسجد میں چلنے والے ٹھوکر کھاتے ہیں، اور جو اگر کسی چیز پر دال ہیں تو وہ ہے ایک دوسرے کے محاذات (مقابل) میں ہونے اور صف میں کھڑے ہونے کی صحیح کیفیت سے مسلمانوں کی حد درجہ جہالت، اس پر ان شاء اللہ "باجماعت نماز کی غلطیاں" کے باب میں تنبیہ آرہی ہے۔

۱- البتہ اس کی بعض غیر مشروع صورتیں بھی بعض ایسے لوگوں کے یہاں رائج ہیں جو سنت پر عمل کے حریص ہیں، مثلا: غیر سترہ کی طرف چل کر جانا، یعنی مسبوق ایسے شخص کی طرف ہٹ جائے جو نماز کے بعد تھوڑی دیر بیٹھنے والا ہے اور اس کے اٹھنے کے بعد دوسرے کی طرف چلا جائے، پھر اسی طرح کرتا رہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ سترہ تک پہنچنے کے لئے زیادہ چلے، حافظ ابن حجر فتح الباری (۳/ ۸۴) میں فرماتے ہیں کہ فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ فرض نماز میں زیادہ چلنا اسے باطل کر دیتا ہے۔ (مؤلف)

۲- المدونۃ الکبریٰ (۱/ ۱۰۲) باب فی سترۃ الامام فی الصلاۃ۔

تیسری فصل

نماز کی صفات سے متعلق غلطیوں کا بیان

یہ فصل درج ذیل مباحث پر مشتمل ہے:

☆ قیام میں نمازیوں کی بعض غلطیاں۔
☆ رکوع اور قومہ سے متعلق بعض غلطیاں۔
☆ سجدہ سے متعلق بعض غلطیاں۔
☆ قعدہ تشہد اور سلام سے متعلق چند غلطیاں۔

☆☆☆

نماز کی صفات و کیفیات میں غلطیوں کا بیان

یہ درج ذیل مباحث پر مشتمل ہے:

☆ زبان سے نیت کرنا، اور تکبیر تحریمہ کے ساتھ ہی اس کی ادئیگی کو واجب قرار دینا

☆ تکبیر، قرأت اور نماز کے جملہ اذکار میں زبان کو حرکت نہ دینا۔

قیام میں نمازیوں کی بعض غلطیاں

☆ تکبیر تحریمہ نیز رکوع جاتے اور اس سے اٹھتے وقت رفع یدین نہ کرنا۔

☆ ہاتھوں کا ارسال کرنا، یعنی انہیں سینے پر یا سینے اور ناف کے درمیان رکھنے کے بجائے چھوڑے رکھنا، سورہ فاتحہ پڑھنے سے پہلے افتتاحی دعا اور تعوذ کو ترک کرنا، سورہ فاتحہ مکرر (بار بار) پڑھنا، آسمان کی طرف نگاہ اٹھانا یا نگاہ کو مقام سجدہ کے بجائے کہیں اور رکھنا، نماز میں آنکھیں بند رکھنا، نماز میں حرکت اور لایعنی چیزوں کا بکثرت ارتکاب کرنا۔

رکوع اور اس سے اٹھنے میں ان کی چند غلطیاں

(تعدیل ارکان نہ کرنا، رکوع اور اس سے سیدھے کھڑے ہونے میں طمانینت (اطمینان) ترک کرنا، نماز فجر میں دعائے قنوت پر مداومت اور مصیبت کے ایام میں اس کا ترک)

سجدہ میں نمازیوں کی بعض غلطیاں

أعضاء سجود کو پوری طرح پر زمین پر نہ رکھنا، سجدہ میں بے اطمینانی (طمانینت کا نہ ہونا)، سجدہ کی کیفیت میں غلطیاں، بعض لوگوں کا أعضاء سجود کے کھلا رکھنے یا زمین یا اس کی کسی قسم پر بغیر حائل (پردہ) کے سجدہ کرنے کو واجب قرار دینا، مریض کے سجدہ کے لیے کسی چیز کو اوپر اٹھانا، سجدہ سہو میں "سبحان من لا یسھو ولا ینام" کہنا۔

قعدہ، تشہد اور سلام کی چند غلطیاں

تشہد میں "السلام علیك أیها النبی" کہنے کی غلطی، نماز میں تشہد یا درود شریف میں لفظ "سیدنا" کا اضافہ۔

تنبیہات: نماز میں شہادت کی انگلی کو حرکت دینے والے پر نکیر، سلام سے متعلق تین غلطیاں۔

۱۷- زبان سے نیت کرنا، اور تکبیر تحریمہ کے ساتھ ہی اس کی ادائیگی کو واجب قرار دینا

زبان سے نیت کرنا جملہ علمائے اسلام کے نزدیک نہ واجب ہے نہ مستحب، بلکہ ایسا کرنے والا بدعتی اور شریعت کا مخالف ہے، اگر اس کا یہ عمل اس فعل کی مشروعیت کا اعتقاد رکھتے ہوئے ہے تو وہ جاہل، گمراہ اور مستحق تعزیر ہے، لیکن اگر وہ اس کی مشروعیت کا اعتقاد نہیں رکھتا تو وہ اس صورت میں سزا کا مستحق ہے جب وہ بیان و توضیح کے بعد بھی اس فعل پر مصر رہے تو وہ بالخصوص جب وہ آواز کی بلندی کے ذریعہ بغل والوں کو اذیت پہنچاتا ہو یا اسے بار بار انجام دیتا ہو۔

مختلف ممالک نیز مختلف ادوار سے تعلق رکھنے والے علماء کرام نے صراحت کی ہے کہ زبان سے نیت کرنا بدعت ہے، جو اس کو سنت کہتا ہے وہ غلط کہتا ہے[۱]۔

درج ذیل احادیث اس امر پر دال ہیں:

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

۱- ملاحظہ ہو: زاد المعاد (۱/ ۱۹۴)، فتح القدیر شرح ہدایہ (۱/ ۲۶۶-۲۶۷)، تلبیس ابلیس (۱۹۲)، الانصاف للمرداوی (۱/ ۱۴۲)، السنن والمبتدعات للقشیری (ص:۲۵) مرعاۃ المفاتیح (۳/ ۸۶)، مجموع فتاوی شیخ ابن باز (۴/ ۲۰۴-۲۰۳)

يَسْتَفْتِحُ الصَّلَاةَ بِالتَّكْبِيرِ.

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نماز کی ابتداء تکبیر سے کرتے تھے[1]۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: « لِلْمُسِيءِ صَلَاتَهُ عِنْدَ مَا قَالَ لَهُ عَلِّمْنِي يَا رَسُولَ اللَّهِ! قَالَ لَهُ: «إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ فَأَسْبِغِ الْوُضُوءَ، ثُمَّ اسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ فَكَبِّرْ، ثُمَّ اقْرَأْ بِمَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ ».

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے نماز میں غلطی کرنے والے صحابی سے (جب اس نے آپ سے تعلیم نماز کی درخواست کی) فرمایا: "جب تم نماز کا ارادہ کرو تو پورے طور پر وضو کرلو، پھر قبلہ کا استقبال کرو، پھر تکبیر کہو، اس کے بعد قرآن سے جو کچھ میسر ہو پڑھو"[2]۔

عَنْ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِفْتَتَحَ التَّكْبِيرَ فِي الصَّلَاةِ فَرَفَعَ يَدَيْهِ .

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے نماز کی ابتداء تکبیر سے کی اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا[3]۔

اس طرح کی احادیث نبی اکرم ﷺ سے بکثرت ثابت ہیں، جو اس بات پر دال ہیں

۱- صحیح مسلم: کتاب الصلاۃ: باب ما یجمع صفۃ الصلاۃ وما یفتتح بہ و یختم بہ الخ (۴۹۸)

۲- صحیح بخاری: کتاب الاستیذان: باب من رد فقال علیک السلام (۶۲۵۱) صحیح مسلم: کتاب الصلاۃ: باب وجوب الفاتحہ فی کل رکعۃ الخ (۳۹۷)۔

۳- صحیح بخاری: کتاب الاذان: باب الی این یرفع یدیہ (۷۳۸) سنن نسائی (۲/۹۳)۔

کہ آپ ﷺ نے نماز کی ابتداء تکبیر سے کی، اور اس سے پہلے آپ نے کچھ نہیں کہا، اس کی تاکید علماء کے اس متفق علیہ قول سے بھی ہوتی ہے کہ دل وزبان میں جب اختلاف ہو جائے تو اعتبار دل کے عمل کا ہوگا[1] پھر نیت کو لفظوں میں کرنے کا کیا فائدہ؟ جب کہ دل کے عمل سے اختلاف کی صورت میں اس کا اعتبار نہ ہونے پر اجماع ہو چکا ہے، اس مقام پر اس شخص کے تناقض کی طرف اشارہ مناسب ہے جو تلفظ بالنیۃ (نیت کو لفظوں میں کہنے) کو مستحب یا واجب قرار دینے کے ساتھ تکبیر سے اس کے اتصال کو واجب قرار دیتا ہے کیوں کہ وہ عین اس وقت جب اس کی زبان تکبیر کے ساتھ مشغول ہے نیت کے الفاظ زبان سے کیسے ادا کرے گا؟ یہ تو محال ہے۔

۱۸- تکبیر، قرأت اور نماز کے جملہ اذکار میں زبان کو حرکت نہ دینا

۱/۱۸- نماز میں بالعموم صادر ہونے والی ایک غلطی:

تکبیر، قرأت اور اذکار میں زبان کو حرکت نہ دینا، بلکہ محض دل کے تدبر پر اکتفاء کرنا بھی ہے، گویا کہ نماز فقط افعال سے عبارت ہے، اقوال و اذکار پر مشتمل نہیں، یہ مذہب ابو بکر اصم اور سفیان بن عیینہ کا ہے، ان دونوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ "بغیر تکبیر کے نماز کا آغاز درست ہے"[2]۔

اس کے بر خلاف جمہور اہل علم نے کوئی عذر نہ ہونے کی صورت میں قرأت کی صحت کے لیے اس قدر آواز کو ضروری قرار دیا ہے جسے قاری خود سن سکے[3] مالکیہ کے نزدیک قرأت کے ذریعہ زبان کو حرکت دینا کافی ہے، مسئلہ میں اختلاف کی

۱- موسوعۃ الاجماع فی الفقہ الاسلامی (۱۰۸۸)

۲- المجموع (۳/۲۵۱) البتہ اس میں سفیان بن عیینہ کے بجائے "ابن علیہ" کا ذکر ہے۔

۳- المغنی لابن قدامہ (۲/۱۵۴) المجموع (۳/۳۶۱) الفقہ علی المذاہب الاربعۃ (۱/۲۳۰)

رعایت کے پیش نظر اولیٰ اور بہتر یہ ہے کہ اپنے آپ کو تکبیر سنا دے۔

ایک اہم فقہی غلطی:

سابقہ تفصیل سے اس فقہی رائے کی واضح طور پر تغلیط ہو جاتی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے ساتھی یا قریبی کے پاس سونے کے بعد بحالت جنابت بیدار ہو تو اس کے لیے جائز ہے کہ مہمان کو شک میں ڈالنے سے بچتے ہوئے زبان سے کوئی کلمہ ادا کئے بغیر محض حرکات کے ذریعہ نماز پڑھ لے۔

۱۹- قیام میں نمازیوں کی بعض غلطیاں

اللہ تعالیٰ کے سامنے قیام کی حالت میں نمازیوں سے متعدد غلطیاں صادر ہوتی ہیں، کبھی وہ سنتوں کو ترک کرتے ہیں، اور حق وصواب سے گریز کرنے نیز نبی اکرم ﷺ کے طریقۂ نماز سے اعراض کرتے ہیں، تو کبھی مکروہات کا ارتکاب کرتے ہیں، انھیں سنت سمجھ کر یا آبا واجداد کی تقلید میں۔

یہ غلطیاں مندرجہ ذیل ہیں:

۱۹/۱- تکبیر تحریمہ، رکوع اور سجدہ کے وقت رفع یدین ترک کرنا

چنانچہ ان میں سے بعض تکبیر تحریمہ، رکوع میں جاتے اور اس سے اٹھتے وقت اور تشہد اول سے اٹھنے کے بعد رفع یدین ترک کرتے ہیں، جب کہ انہیں میں سے بعض اسے ایسے وقت میں انجام دیتے ہیں جب کہ رفع یدین نماز کی غلطیوں میں سے ایک غلطی ہے مثلاً: نماز جنازہ کی تکبیرات اور نماز عیدین کی تکبیرات زوائد میں رفع یدین کرنا، ان میں سے بعض رکوع اور اس سے اٹھتے وقت رفع یدین کے ترک پر بے بنیاد احادیث یا صحیح احادیث

کو غلط مفہوم پر محمول کر کے استدلال کرتے ہیں [۱] مثلاً یہ موضوع حدیث:

"مَنْ رَفَعَ يَدَيْهِ فِي الصَّلَاةِ فَلَا صَلَاةَ لَهُ". "جس نے نماز میں ہاتھ اٹھایا اس کی نماز نہیں" [۲]۔

نبی اکرم ﷺ کا طریقہ تھا کہ جب نماز شروع کرتے تو اپنے دونوں ہاتھ مونڈھوں تک اٹھاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے بھی دونوں کو اسی طرح اٹھاتے [۳]۔

اس سنت کو تقریباً پچاس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے، جن میں عشرۂ مبشرہ بھی شامل ہیں [۴]۔

امام بخاری فرماتے ہیں کہ حسن اور حمید بن ہلال نے فرمایا کہ تمام صحابہ کرام رفع یدین کرتے تھے، ان دونوں نے صحابہ میں سے کسی کی کوئی تخصیص نہیں کی [۵] یہ سنت نبویہ متواتر ہے جیسا کہ علامہ ذہبی نے صراحت کی ہے [۶]۔

۱- اس قسم کی احادیث و آثار اور ان پر تفصیلی بحث کے لئے ملاحظہ ہو: تحفۃ الاحوذی شرح جامع ترمذی (۱/۲۲۱ تا ۲۲۳)

۲- یہ حدیث موضوع ہے، اس کو علامہ ابن الجوزی نے "الموضوعات" (۲/۹۷) علامہ محمد طاہر پٹنی ہندی نے "تذکرۃ الموضوعات" (ص: ۳۹) علامہ سیوطی نے اللآلی المصنوعۃ (۲/۱۱) ابن حبان نے "کتاب المجروحین" (۳/۴۶) علامہ جورقانی نے "الاباطیل" (۳۹۰) علامہ ابن قیم نے "المنار المنیف" (۱۲۹) اور علامہ البانی نے "سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ (۵۶۸) میں ذکر کیا ہے۔
اس کی سند میں مامون بن احمد ہروی موجود ہے، جسے علامہ جورقانی نے "دجال من الدجاجلۃ، کذاب، وضاع، خبیث" ابن الجوزی نے "کذاب" ابن حبان نے "دجال من الدجالین" اور علامہ البانی نے "دجال یضع الحدیث" کہا ہے، علامہ ذہبی اور ابن قیم نے بھی اسے "وضاع" قرار دیا ہے۔

۳- صحیح بخاری: کتاب الاذان: باب رفع الیدین فی التکبیرۃ الاولی مع الافتتاح سواء (۷۳۵)، صحیح مسلم: کتاب الصلاۃ: باب استحباب رفع الیدین حذو المنکبین مع تکبیرۃ الاحرام الخ (۳۹۰، ۳۹۱)۔

۴- اس امر کی صراحت علامہ عراقی نے "تقریب الاسانید" میں فرمائی ہے، ملاحظہ ہو: طرح التثریب فی شرح التقریب (۲/۲۵۴)

۵- التلخیص الحبیر (۱/۲۲۳) بحوالہ جزء رفع الیدین للبخاری

۶- اس سلسلے میں علامہ ذہبی کا قول مجھے نہیں مل سکا، البتہ علامہ سیوطی نے "الازھار المتناثرۃ فی الاخبار المتواترۃ" میں اس کی صراحت کی ہے، ملاحظہ ہو: مرعاۃ المفاتیح (۳/۵۰)

رفع یدین کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ انگلیاں پھیلا کر رکھی جائیں، ان کے درمیان فصل نہ کیا جائے اور نہ ان کو سمیٹا جائے[1]۔

نبی اکرم ﷺ دونوں ہاتھ کبھی مونڈوں تک اور کبھی کان کے اوپری حصے تک لے جاتے تھے[2]، نیز رفع یدین کبھی تکبیر کے ساتھ، کبھی اس کے بعد اور کبھی اس سے پہلے کرتے تھے[3]. اس تفصیل سے اس شخص کی غلطی واضح ہو جاتی ہے جو دعاء کی کیفیت پر رفع یدین کرتا ہے۔

۲/۱۹- ہاتھوں کا ارسال کرنا، یعنی انہیں سینہ پر یا سینہ اور ناف کے درمیان باندھنے کے بجائے چھوڑے رکھنا

[نمازی کا نماز کی حالتِ قیام میں اپنے داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنا ضروری ہے، صحیح بخاری میں ہے:]

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ: كَانَ النَّاسُ يُؤْمَرُونَ أَنْ يَضَعَ الرَّجُلُ الْيَدَ الْيُمْنَى عَلَى ذِرَاعِهِ الْيُسْرَى فِي الصَّلَاةِ .

سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ لوگوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ آدمی نماز

۱- یہی موقف جمہور اہل علم کا ہے اور یہی موقف قوی ہے۔ انگلیوں کے درمیان فصل کرنے کا موقف جسے بعض فقہاء نے اختیار کیا ہے مرجوح ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو المغنی (۲/۱۳۸) نیل الاوطار (۲/۱۸۲) تحفۃ الاحوذی (۱/۲۰۰)

۲- مونڈھوں تک اٹھانے کا ثبوت ابن عمرؓ کی متفق علیہ روایت اور ابو داود (۷۳۰)، ترمذی (۳۰۴) اور ابن ماجہ (۸۶۲) میں مروی ابو حمید ساعدی کی روایت میں ہے، اور کان کے اوپری حصے تک اٹھانے کا ثبوت صحیح مسلم (۳۹۱) میں مروی مالک بن حویرث کی روایت میں ہے۔

۳- تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرنے کا ثبوت وائل بن حجر کی روایت میں ہے، جو سنن ابو داود (۷۲۵) میں مروی ہے، اور تکبیر کے بعد اور اس سے پہلے رفع یدین کرنے کا ثبوت علی الترتیب مالک بن حویرث اور ابن عمر کی روایت میں ہے، ان دونوں کی تخریج امام مسلم نے صحیح (۳۹۱،۳۰۹) میں کی ہے۔

میں اپنا دایاں ہاتھ بائیں بازو پر رکھے [1]۔

اور سنن بیہقی میں ہے:

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّا مَعْشَرَ الأَنْبِيَاءِ أُمِرْنَا أَنْ نُؤَخِّرَ سُحُورَنَا وَنُعَجِّلَ فِطْرَنَا، وَأَنْ نُمْسِكَ بِأَيْمَانِنَا عَلَى شَمَائِلِنَا فِي صَلَاتِنَا.

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہم انبیاء کی جماعت کو حکم دیا گیا ہے کہ سحری میں تاخیر کریں اور افطار میں تعجیل، اور نماز میں اپنے داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھیں [2]۔

ان دونوں حدیثوں سے ارسال کرنے والوں کی غلطی واضح ہو جاتی ہے، کیونکہ دائیں کو بائیں پر رکھنا ہی نبی اکرم ﷺ اور سابق انبیاء کرام کا طریقہ ہے [3] نیز سنت یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کو سینے پر اور داہنے ہاتھ کو بائیں ہتھیلی کی پشت، کلائی اور بازو پر رکھا جائے۔

نیز وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

لَأَنْظُرَنَّ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ يُصَلِّي فَنَظَرْتُ إِلَيْهِ فَقَامَ فَكَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى حَاذَتَا بِأُذُنَيْهِ ثُمَّ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى كَفِّهِ الْيُسْرَى وَالرُّسْغِ وَالسَّاعِدِ.

۱- صحیح بخاری: کتاب الاذان: باب وضع الیمنی علی الیسری (۷۴۰)

۲- سنن کبری (۲/۴۴) کتاب الصلاۃ: باب وضع الید الیمنی علی الیسری فی الصلاۃ (۲۳۲۹)

۳- ارسال کا موقف امام مالک کی طرف بھی منسوب ہے، لیکن یہ مدونہ کی عبارت کے فہم میں ان کے خلاف غلط بیانی ہے، نیز موطا میں ان کی صراحت کے خلاف ہے، اس حقیقت کو مالکیہ اور دیگر علماء کی ایک جماعت نے مستقل تالیفات (جو شروح و مطولات میں ضمنی مباحث کے علاوہ تقریبا تیس کتابوں پر مشتمل ہیں) میں بے نقاب کیا ہے، جیسا کہ شیخ بکر ابو زید نے اپنی کتاب "التعالیم" (ص: ۱۰۰) میں صراحت کی ہے۔ (مؤلف)۔

یعنی: میں نے ارادہ کیا کہ ضرور نبی اکرم ﷺ کی نماز کی کیفیت دیکھوں گا، تو میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو تکبیر کہی، اور دونوں ہاتھ کان کے برابر اٹھائے، پھر داہنے ہاتھ کو بائیں ہتھیلی کی پشت، کلائی اور بازو پر رکھا[1]۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ کی ہتھیلی اور اس کی کلائی و بازو پر رکھا۔

آپ ﷺ سے یہ بھی ثابت ہے کہ بسا اوقات آپ داہنے ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو پکڑتے تھے[2]، یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ کو پکڑنا سنت ہے، اور پہلی حدیث کے مطابق ایک ہاتھ پر دوسرے ہاتھ کو رکھنا سنت ہے، لہذا یہ سب سنت ہے[3]۔

بعض نمازیوں کی ایک غلطی مذکورہ دونوں سنتوں کو بیک وقت اختیار کرنا بھی ہے، بایں صورت کہ داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر اس کی کلائی کو خنصر (چھنگلی) اور انگوٹھے سے پکڑتے ہوئے رکھا جائے، اور تینوں انگلیاں پھیلا کر رکھی جائیں، جیسا کہ بعض متاخرین کی کتابوں میں مذکور ہے[4]۔

۱- سنن نسائی: کتاب الافتتاح: باب موضع الیمین من الشمال فی الصلاۃ (۸۸۹)، سنن ابوداود: ابواب تفریع استفتاح الصلاۃ: باب افتتاح الصلاۃ (۷۲۶، ۷۲۷)۔

اس حدیث کی سند صحیح ہے جیسا کہ امام ابن خزیمہ، امام ابن حبان، علامہ نووی، حافظ ابن قیم اور علامہ البانی نے صراحت کی ہے، ملاحظہ ہو: ارواء الغلیل (۲/۶۹) صحیح ابوداود (۱/۱۴۰) صحیح نسائی (۱/۱۹۴)

۲- سنن نسائی: کتاب الافتتاح: باب وضع الیمین علی الشمال فی الصلاۃ (۸۸۷) سنن ابن ماجہ: کتاب اقامۃ الصلاۃ الخ: باب وضع الیمین علی الشمال فی الصلاۃ (۸۰۹، ۸۱۰)، علامہ البانی نے حدیث کو "صحیح الاسناد" کہا ہے۔ (صحیح سنن نسائی (۱/۱۹۳)

۳- البتہ پہلی حدیث قولی ہے، نیز اس باب میں وارد احادیث میں سب سے صحیح ہے، نیز دوسری فعلی احادیث اس کی موافقت میں وارد ہیں، اس لیے اس کے مطابق ایک کو دوسرے پر رکھنا ہی اولی ہے۔

۴- اس کیفیت کو بعض علماء نے دونوں حدیثوں کے درمیان تطبیق کی خاطر اختیار کیا ہے، صاحب مرعاۃ ان کا یہ قول نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں "تطبیق کے لیے اس تکلف کی کوئی ضرورت نہیں، اس لیے کہ تطبیق کی ضرورت تعارض کے بعد ہوتی ہے، اور تعارض یہاں مفقود ہے، کیوں کہ مختلف وقتوں میں ان دونوں کا صدور عین ممکن ہے" مرعاۃ المفاتیح (۳/۶۰)

۱۹/۳- قرأت فاتحہ سے قبل دعائے استفتاح اور تعوذ کو ترک کرنا

اکثر عام نمازی نماز شروع کرنے کی دعاء اور تعوذ (یعنی "أعوذبالله من الشيطان الرجيم" پڑھنا) چھوڑ دیتے ہیں، حالانکہ یہ دونوں چیزیں نماز میں مستحب ہیں [۱]، اور فرمانِ الٰہی: ﴿فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ﴾ [۲] کے عموم کے پیش نظر ہر رکعت میں تعوذ کی مشروعیت ہی زیادہ واضح ہے، یہی شافعیہ کا صحیح ترین مذہب ہے [۳] اور اسی کو حافظ ابن حزم نے راجح قرار دیا ہے [۴]۔

۱۹/۴- سورہ فاتحہ کو مکرر (بار بار) پڑھنا

مکمل سورۃ فاتحہ یا اس کے بعض حصے کو مکرر (بار بار) پڑھنا نمازی کے لیے مکروہ ہے، اس لیئے کہ یہ نہ تو نبی اکرم ﷺ سے منقول ہے، نہ آپ ﷺ کے صحابہ سے، یہی مذہب ائمہ اربعہ اور جمہور اہل علم کا ہے، البتہ اس کے باعث نماز کا بطلان اختلافی مسئلہ ہے، میرے علم کی حد تک اس کی کوئی دلیل نہیں، اور اگر اس کی تکرار سہواً ہو تو

۱- مؤلف کی طرح اکثر اہل علم نے تعوذ کو مستحب ہی قرار دیا ہے، ان لوگوں نے مذکورہ آیت کریمہ میں امر کو ندب پر محمول کیا ہے، لیکن آیت کے ظاہری مفہوم سے وجوب ہی کا ثبوت ملتا ہے، اس لیے کہ اس مقام پر کوئی قرینہ صارفہ نہیں، واللہ اعلم بالصواب۔

۲- سورہ نحل: (۹۸)

۳- المجموع (۳/۲۸۰-۲۸۱)

۴- المحلی (۳/۲۴۷)۔ اس سلسلے میں اہل علم کا دوسرا قول یہ ہے کہ ایک ہی تعوذ کفایت کر جائے گا اسی کو عطاء، حسن بصری، نخعی، ثوری، ابو حنیفہ اور احمد (ایک قول کے مطابق) نے اختیار کیا ہے، اسی موقف کو حافظ ابن القیم نے راجح قرار دیا ہے اور صاحب نیل و صاحب مرعاۃ نے ان کے اس موقف کو ذکر کر کے اس پر سکوت اختیار کیا ہے، انھوں نے جو وجہ ترجیح پیش کی ہے اس میں خاصی قوت ہے اس لئے ایک پر اکتفاء کرنا درست تو ہے لیکن احوط وہی ہے جسے مؤلف نے ذکر کیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

حنفیہ و شوافع کے نزدیک اس پر سجدہ سہو لازم ہے، شوافع کے نزدیک عمد (جان بوجھ کر کرنے) کا بھی یہی حکم ہے، لیکن حنفیہ کے نزدیک بصورت عمد وہ گنہگار ہوگا، اور اس کی تلافی کے لیے نماز کا اعادہ (دہرانا) اس پر لازم ہوگا، مالکیہ کے نزدیک عمداً تکرار حرام ہے، البتہ اس سے نماز باطل نہیں ہوگی، اور اگر سہواً مکرر کیا ہے تو سجدہ سہو کرے گا، غالباً یہی مذہب راجح ہے [1]۔

۱۹/۵- آسمان کی طرف نگاہ اٹھانا یا نگاہ کو مقامِ سجدہ کے بجائے کہیں اور رکھنا

بعض نمازیوں کی ایک غلطی:

آسمان کی طرف نگاہ اٹھانا یا سامنے یا دائیں اور بائیں دیکھنا بھی ہے، جو سہو اور وسوسہ کا باعث ہے، جب کہ نگاہ کو جھکانے اور مقامِ سجدہ کو دیکھنے کا حکم ہے، البتہ قعدہ (تشہد کی بیٹھک) اس سے مستثنیٰ ہے، کیوں کہ اس میں نگاہ شہادت کی انگلی کے ذریعہ ہونے والے اشارہ پر ہوگی، نہ کہ کہیں اور، چنانچہ نبی اکرم ﷺ کے طریقۂ نماز میں ثابت ہے کہ: ((لا يُجَاوِزُ بَصَرُهُ إِشَارَتَهُ)) "آپ ﷺ کی نگاہ آپ ﷺ کے اشارے سے تجاوز نہیں کرتی تھی" [2]۔

اس سلسلے میں ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے:

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ

۱- ملاحظہ ہو: "الدین الخالص" (۳/۲۱۱-۲۱۲)، الفقہ علی المذاہب الأربعۃ (۱/۴۵۵، ۴۵۸)

۲- سنن نسائی: کتاب السہو: باب موضع البصر عند الاشارۃ (۱۲۷۵)، سنن ابوداود: تفریع ابواب الرکوع والسجود: باب الاشارۃ فی التشہد (۹۹۰) مسند احمد (۴/۳)۔ علامہ البانی نے حدیث کو "حسن صحیح" کہا ہے: "صحیح سنن نسائی" (۱/۲۷۲) صحیح سنن ابوداود (۱/۱۸۶)

الالْتِفَاتِ فِي الصَّلاةِ، فَقَالَ: «هُوَ اخْتِلاسٌ يَخْتَلِسُهُ الشَّيْطَانُ مِنْ صَلاَةِ الْعَبْدِ».

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے نبی اکرم ﷺ سے سوال کیا کہ نماز میں ادھر ادھر دیکھنا کیسا ہے؟ تو آپ نے فرمایا یہ شیطان کی جھپٹ ہے جسے وہ آدمی کی نماز پر مارتا ہے[1]۔

اور انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَا بَالُ أَقْوَامٍ يَرْفَعُونَ أَبْصَارَهُمْ إِلَى السَّمَاءِ فِي صَلاتِهِمْ» فَاشْتَدَّ قَوْلُهُ فِي ذَلِكَ حَتَّى قَالَ: «لَيَنْتَهُنَّ عَنْ ذَلِكَ أَوْ لَتُخْطَفَنَّ أَبْصَارُهُمْ».

یعنی: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کچھ لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ وہ نماز میں اپنی نگاہ آسمان کی طرف اٹھاتے ہیں"؟ پھر آپ کی بات شدت اختیار کر گئی یہاں تک کہ فرمایا: "وہ لوگ اس سے باز آجائیں ورنہ ان کی نگاہیں اچک لی جائیں گی"[2]۔

اس بابت دو اور حدیثیں یوں ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «لَيَنْتَهِيَنَّ أَقْوَامٌ عَنْ رَفْعِهِمْ أَبْصَارَهُمْ عِنْدَ الدُّعَاءِ فِي الصَّلاةِ إِلَى السَّمَاءِ أَوْ لَتُخْطَفَنَّ أَبْصَارُهُمْ».

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "لوگ نماز میں

۱- صحیح بخاری: کتاب الاذان: باب الالتفات فی الصلاۃ (۷۵۱)۔
۲- صحیح بخاری: کتاب الاذان: باب رفع البصر الی السماء فی الصلاۃ (۷۵۰)۔

دعاء کے وقت اپنی نگاہیں آسمان کی طرف اٹھانے سے باز آجائیں ورنہ ان کی نگاہیں اچک لی جائیں گی"[۱]۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَيَنْتَهِيَنَّ أَقْوَامٌ يَرْفَعُونَ أَبْصَارَهُمْ إِلَى السَّمَاءِ فِي الصَّلاةِ أَوْ لا تَرْجِعُ إِلَيْهِمْ».

جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو لوگ نماز میں آسمان کی طرف نگاہ اٹھاتے ہیں وہ اس حرکت سے باز آجائیں ورنہ نگاہیں ان کی طرف نہیں لوٹیں گی"[۲]۔

ان احادیث میں نماز میں آسمان کی طرف نگاہ اٹھانے کی تاکیدی ممانعت اور اس پر سخت وعید ہے، اس کے ممنوع ہونے پر اجماع بھی نقل کیا گیا ہے، اسی طرح پہلی حدیث کی بنیاد پر نماز میں بلا ضرورت التفات (ادھر ادھر دیکھنا) بھی مکروہ ہے، البتہ اس سے نماز باطل نہیں ہوگی الا یہ کہ نمازی اپنے پورے جسم کے ساتھ قبلہ سے گھوم جائے یا اس کا استدبار اس کی طرف اپنی پیٹھ کرلے۔

علامہ ابن عبد البر فرماتے ہیں: جمہور فقہاء کا مذہب ہے کہ معمولی التفات (ادھر ادھر دیکھنا) نماز کو فاسد نہیں کرتا۔

۶/۱۹- نماز میں آنکھیں بند رکھنا

امام ابن القیم فرماتے ہیں: نماز میں آنکھیں بند رکھنا نبی اکرم ﷺ کا طریقہ نہیں ہے، یہ بات تو گذر چکی ہے کہ تشہد میں دعاء کرتے ہوئے آپ ﷺ اپنی آنکھ انگلی کی

۱- صحیح مسلم: کتاب الصلاۃ: باب النہی عن رفع البصر الی السماء فی الصلاۃ (۴۲۹)

۲- صحیح مسلم: کتاب الصلاۃ: باب النہی عن رفع البصر الی السماء فی الصلاۃ (۴۲۸)۔

طرف رکھتے تھے، اور آپ کی نگاہ آپ کے اشارے سے تجاوز نہیں کرتی تھی [۱]۔

۱۹/۷- نماز میں حرکت اور لایعنی چیزوں کا بکثرت ارتکاب

نمازیوں کی ایک غلطی: ایسی زائد حرکت بھی ہے جس کا بجز کھیل کود اور نماز کے خشوع و خضوع سے اعراض کے کچھ حاصل نہیں مثلاً: انگلیوں کے درمیان تشبیک کرنا، ناخن صاف کرنا، دونوں پاؤں کو مسلسل حرکت دینا، عمامہ (پگڑی) یا عقال درست کرنا، گھڑی دیکھنا، تہبند باندھنا، ایک جانب سے دوسری جانب بکثرت مائل ہونا اور اس طرح کی دوسری چیزیں جو نماز کا ثواب ختم کر دیتی ہیں۔

خشوع و خضوع نماز کا مغز اور اس کی روح ہے، لہذا اس کا اہتمام اور اس پر حرص ہی ایک مومن کے شایان شان ہے۔

نماز کو باطل کرنے والی حرکت کی تحدید تین حرکتوں سے کرنے پر کوئی دلیل نہیں کیوں کہ یہ نبی اکرم ﷺ سے منقول نہیں، بلکہ بعض اہل علم کا قول ہے جس پر کوئی قابل اعتماد دلیل موجود نہیں، البتہ نماز میں لایعنی چیزوں کا ارتکاب مثلاً: ناک کھجلانے کی خاطر ہاتھ کو حرکت دینا، داڑھی اور کپڑے سے کھیل کرنا، اور اسی میں مشغول رہنا مکروہ ہے، اور جب یہ عمل زیادہ اور مسلسل ہو تو نماز باطل ہو جاتی ہے، لیکن اگر عرف عام کے مطابق قلیل (کم) ہو یا کثیر (زیادہ) ہو لیکن متفرق ہو تو اس سے نماز باطل نہیں ہوتی، البتہ ایک مومن کے لیے بہر حال مشروع یہی ہے کہ کامل و مکمل نماز کی حرص میں خشوع و خضوع پر مداومت برتے، اور لہو و لغو سے خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر اجتناب کرے۔

۱- زاد المعاد (۱/۲۸۳)

نبی اکرم ﷺ نے کچھ لوگوں کو نماز میں اپنے ہاتھوں سے کھیل کرتے، اور انھیں بلاوجہ حرکت دیتے ہوئے دیکھا تو فرمایا:

((مَا لِي أَرَاكُمْ رَافِعِي أَيْدِيكُمْ كَأَنَّهَا أَذْنَابُ خَيْلٍ شُمْسٍ أُسْكُنُوا فِي الصَّلَاةِ))

''میں تمھیں اس طرح ہاتھ اٹھاتے دیکھ رہا ہوں گویا وہ بدکے ہوئے گھوڑں کی دم ہیں، تم لوگ نماز میں کوئی حرکت نہ کیا کرو''[1]۔

اس حدیث میں نماز میں حرکت نہ کرنے، اس میں خشوع و خضوع اختیار کرنے اور اس کی طرف متوجہ ہونے کا حکم ہے، اس سے ان لوگوں کی غلطی نمایاں ہو جاتی ہے جو قیام میں بلا ضرورت و بے سبب مصحف (قرآن مجید) لے کر امام کی قرأت کی متابعت کرتے ہیں، جب کہ اس فعل کے بعض مرتکبین مصحف دیکھ کر بھی صحیح ڈھنگ سے قرأت نہیں کر سکتے، اور اگر وہ امام کو لقمہ دینے میں کامیاب ہو گئے تو ان کے اندر جو خود پسندی آتی ہے وہ اس پر مستزاد ہے، ایسے طریقے سے دوری بہتر ہے۔

۲۰۔ رکوع اور اس سے اٹھنے میں ان کی چند غلطیاں

بیشتر نمازی رکوع اور اس سے اٹھتے وقت متعدد مخالفتوں کے مرتکب ہوتے ہیں، ان کا یہ فعل ان امور پر تنبیہ کا متقاضی ہے، بالخصوص اس صورت میں کہ ان میں سے بعض کا تعلق ارکان اور واجبات سے ہے مخالفت کی وہ صورتیں حسب ذیل ہیں:

۲۰/۱۔ ارکان کو اذکار سے خالی رکھنا

جمہور اہل علم کے نزدیک مکروہ ہے کہ نمازی ایک رکن سے دوسرے رکن کی

۱۔ صحیح مسلم: کتاب الصلاۃ: باب الامر بالسکون فی الصلاۃ والنہی عن الاشارۃ بالید الخ (۴۳۰)۔

طرف منتقل ہوتے ہوئے اس کے مشروع اذکار کو ان کے موقع ومحل سے مؤخر کرے، بایں صورت کہ رکوع کی تکمیل کے بعد اس کی تکبیر کہے، اور سیدھا کھڑا ہونے کے بعد ''سمع اللہ لمن حمدہ'' کہے، کیوں کہ ان کے نزدیک کسی بھی رکن کو اس کے ذکر سے آباد کرنا مشروع ہے[1]۔

جیسا کہ درج ذیل حدیث میں ہے:

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ يُكَبِّرُ حِينَ يَقُومُ، ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَرْكَعُ، ثُمَّ يَقُولُ: سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ حِينَ يَرْفَعُ صُلْبَهُ مِنْ الرَّكْعَةِ، ثُمَّ يَقُولُ وَهُوَ قَائِمٌ: رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ، و قَالَ بعض الرواة: وَلَكَ الْحَمْدُ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَهْوِي، ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَرْفَعُ رَأْسَهُ، ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَسْجُدُ، ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَرْفَعُ رَأْسَهُ، ثُمَّ يَفْعَلُ ذٰلِكَ فِي الصَّلَاةِ كُلِّهَا حَتَّى يَقْضِيَهَا، وَيُكَبِّرُ حِينَ يَقُومُ مِنْ الثِّنْتَيْنِ بَعْدَ الْجُلُوسِ.

یعنی: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو تکبیر (اللہ اکبر) کہتے، پھر جب رکوع کرتے تو تکبیر (اللہ اکبر) کہتے، پھر ''سمع اللہ لمن حمدہ'' کہتے، جب رکوع سے پیٹھ اٹھاتے، پھر یوں ہی کھڑے کھڑے ''ربنا لک الحمد'' کہتے، بعض رواۃ نے ''ولک الحمد'' (یعنی واو کی زیادتی کے ساتھ) کہا ہے، جب سجدہ کے لیے جھکتے تو تکبیر کہتے، اور سجدہ سے سر اٹھاتے وقت بھی تکبیر کہتے، پھر جب دوسرا سجدہ کرتے تو تکبیر کہتے، پھر اسی طرح اپنی پوری نماز (یعنی ہر رکعت) میں

۱- الفقہ علی المذاہب الأربعۃ (۱/۲۷۷)، الفقہ الاسلامی وادلتہ (۱/۷۸۲)

کرتے، اور جب دو رکعتیں پڑھنے کے بعد بیٹھ کر اٹھتے اس وقت بھی "اللہ اکبر" کہتے[1]۔

۲/۲۰- تمام ارکان کو اذکار سے آباد نہ کرنے میں نمازیوں کی ایک غلطی وہ ہے جس کی صراحت امام نوویؒ نے کی ہے، وہ رسول اکرم ﷺ کا فعل کہ آپ جب "سمع اللہ لمن حمدہ" کہتے تو "ربنا ولک الحمد" کہتے تھے، اور آپ کا قول "مجھے جس طرح نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو ویسے ہی نماز پڑھو" ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

سابقہ دلائل کی روشنی میں یہ بھی اس امر کا متقاضی ہے کہ ہر نمازی (خواہ وہ امام ہو یا مقتدی) ان دونوں اذکار کو اختیار کرے گا، اس لیے کہ یہ ایسا ذکر ہے جو امام کے لیے مستحب ہے تو غیر امام کے لیے بھی مستحب ہوگا جیسا کہ رکوع کی تسبیح وغیرہ، نیز نماز کی بنیاد ہی اِس امر پر ہے کہ اس کے کسی بھی حصے میں ذکر سے فتور نہ پایا جائے، پس اگر رکوع سے اٹھتے وقت اور سیدھا کھڑا ہونے پر دونوں اذکار کا اہتمام نہیں کیا گیا تو ایک حالت ذکر سے خالی رہ جائے گی[2]۔

۳/۲۰- رکوع اور اس سے سیدھے کھڑے ہونے میں عدم طمانینت (اطمینان)

نماز کے ارکان کو اطمینان کے ساتھ ادا کرنا واجب ہے، چنانچہ حدیث میں ہے:

۱- صحیح بخاری: کتاب الاذان: باب التکبیر اذا قام من السجود (۷۸۹)، صحیح مسلم: کتاب الصلاۃ: باب اثبات التکبیر فی کل خفض ورفع فی الصلاۃ الا رفعہ من الرکوع فیقول فیہ: سمع اللہ لمن حمدہ (۳۹۲) سنن ابوداود (۱/۵۲۳)۔

۲- المجموع (۳/۳۹۳)۔

تنبیہ: اس مسئلے میں اہل علم کے درمیان سخت اختلاف ہے، اگر ایک طرف امام ابویوسف، امام محمد، امام شافعی اور امام اسحاق کا موقف ہے کہ امام کی طرح مقتدی بھی "سمع اللہ لمن حمدہ" "ربنا ولک الحمد" دونوں ہی کہے گا، تو دوسری طرف امام ابوحنیفہ، امام مالک، اور امام احمد کا مذہب ہے کہ مقتدی صرف "ربنا ولک الحمد" پر اکتفا کرے گا، دونوں فریق کے استدلال میں غیر معمولی وزن ہے، اس لیے دونوں میں سے کسی بھی صورت کو نماز کی غلطیوں میں شامل کرنا مشکل ہے، البتہ احوط وہی ہے جسے مؤلف نے اختیار کیا ہے، تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: المغنی لابن قدامہ (۲/۱۸۹)، فتح الباری (۲/۲۸۳-۲۸۴)، مرعاۃ المفاتیح (۳/۱۸۸-۱۹۰) صفۃ صلاۃ النبی للالبانی مترجم، ص:۹۹

عَنْ زَيْدَ بْنَ وَهْبٍ قَالَ: رَأَى حُذَيْفَةُ رَجُلاً لاَ يُتِمُّ الرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ قَالَ: مَا صَلَّيْتَ وَلَوْ مُتَّ مُتَّ عَلَى غَيْرِ الْفِطْرَةِ الَّتِي فَطَرَ اللّٰهُ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْهَا .

زید بن وہب سے مروی ہے کہ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ پوری طرح رکوع وسجدہ نہیں کررہا تھا، انھوں نے اس سے کہا: تم نے نماز نہیں پڑھی، اور اگر تم اسی حالت میں مر گئے تو تمھاری موت اس طریقے پر نہیں ہوگی جس پر اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو پیدا کیا[1]۔

ایک دوسری حدیث میں ہے:

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: إِنَّ النَّبِيَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَدَخَلَ رَجُلٌ فَصَلَّى، ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِيِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَرَدَّ عَلَيْهِ السَّلاَمَ، فَقَالَ: «ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ»(ثلاثًا)فقال:وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا أُحْسِنُ غَيْرَهُ، فعَلِّمْنِي، قَالَ: «إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلاَةِ فَأَسْبِغِ الْوُضُوءَ، ثُمَّ اسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ فَكَبِّرْ، ثُمَّ اقْرَأْ بِمَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرآنِ، ثُمَّ ارْكَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا، ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تعتدلَ قَائِمًا، ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا، ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا، ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا، ثُمَّ افْعَلْ ذَلِكَ فِي صَلاَتِكَ كُلِّهَا».

یعنی: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ مسجد میں داخل ہوئے، آپ ﷺ کے بعد ایک شخص داخل ہوا، اس نے نماز پڑھی، پھر آکر آپ کو سلام کیا،

۱- صحیح بخاری: کتاب الاذان: باب اذا لم یتم الرکوع والسجود (۷۹۱)۔

آپ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا: ”جاؤ پھر سے نماز پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی“، جب آپ نے تیسری بار بھی یہی کہا تو وہ شخص بولا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں اس سے اچھی نماز نہیں پڑھ سکتا، مجھے سکھا دیجئے! آپ نے فرمایا: ”جب تم نماز کا ارادہ کرو تو کامل وضو کرو، پھر قبلہ کا استقبال کر کے تکبیر کہو، پھر قرآن سے جو کچھ میسر ہو پڑھو، پھر تم اطمینان سے رکوع کرو، پھر اٹھ کر سیدھا کھڑے ہو جاؤ، پھر اطمینان سے سجدہ کرو، پھر تم سجدہ سے اٹھ کر اطمینان سے بیٹھ جاؤ، پھر دوسرا سجدہ اطمینان سے کرو، پھر اپنی پوری نماز (تمام رکعتوں) میں اسی طرح کرو“[1]۔

علماء کا قول ہے کہ رکوع، سجدہ، قومہ[2] اور جلسہ میں سے کوئی بھی اس وقت تک کافی نہیں ہو سکتا جب تک کہ ان ارکان میں اعتدال نہ پایا جائے۔

مذکورہ حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ طمانینت (اطمینان و سکون) واجب ہے، اور جس نے اسے ترک کر دیا اس نے حکم شرعی کی تعمیل نہیں کی، بنابریں وہ حکم اس کے ذمہ باقی رہے گا، نیز رکوع میں طمانینت اور قومہ میں اعتدال سے متعلق حکم نبوی پر غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ رکوع سے سر اٹھانے میں طمانینت اس وقت تک کافی نہیں جب تک کہ قیام میں اعتدال نہ پایا جائے، لہٰذا نمازی صرف رکوع سے سر اٹھانے پر اکتفا نہیں کر سکتا بلکہ وہ اسے کامل طریقے پر انجام دے گا، یعنی قیام میں اعتدال بھی پایا جائے۔

رکوع سے اٹھنے کے بعد اعتدال کے وجوب پر متعدد صحیح احادیث وارد ہیں مثلاً:

۱- صحیح بخاری: کتاب الأذان: باب وجوب القرأۃ للامام والماموم (۷۵۷)، باب امر النبی ﷺ الذی لا یتم رکوعہ بالاعادۃ (۷۹۳) صحیح مسلم: کتاب الصلاۃ: باب وجوب قرأۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ الخ (۳۹۷)

۲- رکوع سے اٹھ کر کھڑے رہنے کی حالت کو شرعی اصطلاح میں قومہ کہتے ہیں، اور دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنے کو جلسہ کہا جاتا ہے۔

عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْبَدْرِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا تُجْزِئُ صَلَاةُ الرَّجُلِ حَتَّى يُقِيمَ ظَهْرَهُ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ».

ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”آدمی کی نماز اس وقت تک کفایت نہیں کر سکتی جب تک وہ رکوع اور سجدہ میں اپنی پیٹھ سیدھی نہ کرے“[۱]۔

یہ حدیث اس امر پر نص صریح ہے کہ رکوع اور سجدہ سے سر اٹھانا، اس میں اعتدال اور طمانینت اختیار کرنا ایسا رکن ہے جس کے بغیر نماز صحیح نہیں، نیز نبی اکرم ﷺ نے نماز کے چور کو مال کے چور سے بدتر قرار دیا ہے جیسا کہ درج ذیل حدیث میں صراحت ہے:

عَنْ أَبِي قَتَادَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَسْوَأُ النَّاسِ سَرِقَةً الَّذِي يَسْرِقُ مِنْ صَلَاتِهِ، لَا يُتِمُّ رُكُوعَهَا وَلَا سُجُودَهَا وَلَا خُشُوعَهَا» أو قال: «لَا يُقِيمُ صُلْبَهُ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ».

ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ”بدترین چور وہ ہے جو اپنی نماز میں چوری کرتا ہے وہ اس کے رکوع، سجدہ اور خشوع کو مکمل نہیں کرتا“، یا فرمایا: ”وہ رکوع اور سجدہ میں اپنی ریڑھ کی ہڈی سیدھی نہیں کرتا“[۲]۔

۱- سنن ابوداود: تفریع ابواب استفتاح الصلاۃ: باب صلاۃ من لا یقیم صلبہ فی الرکوع والسجود (۸۵۵)، سنن نسائی: کتاب الافتتاح: باب اقامۃ الصلب فی الرکوع (۱۰۲۸)، جامع ترمذی: ابواب الصلاۃ: باب ماجاء فی من لا یقیم صلبہ فی الرکوع والسجود (۲۶۵)، حدیث کی سند صحیح ہے جیسا کہ ترمذی اور البانی وغیرہ نے صراحت کی ہے، صحیح ابوداود (۱/۱۶۱)

۲- مسند احمد (۵/۳۱۰) صحیح ابن حبان (۵/۲۰۹) کتاب الصلاۃ: باب صفۃ الصلاۃ (۱۸۸۸) معجم کبیر (۳/۲۷۳) (۳۲۸۳) مستدرک حاکم (۱/۲۲۹) سنن دارمی (۶/۳۲۲) کتاب الصلاۃ: باب فی الذی لا یتم الرکوع والسجود (۴۴۴)

نبی اکرم ﷺ نے نمازی کو نماز میں چونچ مارنے سے منع فرمایا ہے اور کہا ہے کہ یہ منافقین کی نماز ہے، جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے:

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ شِبْلٍ قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ نَقْرَةِ الْغُرَابِ، وَافْتِرَاشِ السَّبُعِ، وَأَنْ يُوَطِّنَ الرَّجُلُ الْمَكَانَ فِي الْمَسْجِدِ كَمَا يُوَطِّنُ الْبَعِيرُ.

عبد الرحمٰن بن شبل روایت کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے کوے کی طرح چونچ مارنے، درندے کی طرح بازو بچھانے، اور اس بات سے منع فرمایا کہ آدمی مسجد میں ایک جگہ مقرر کرے جیسے اونٹ مقرر کرلیتا ہے[1]۔

۴/۲۰- نمازیوں کی ایک غلطی: قومہ (یعنی: رکوع سے اٹھ کر کھڑے ہونے کی حالت) کی دعاء "ربنا ولک الحمد" میں لفظ "والشکر" کی زیادتی بھی ہے، یہ نبی اکرم ﷺ سے ثابت نہیں۔

۵/۲۰- نماز فجر میں دعائے قنوت پر مداومت اور مصیبت کے ایام میں اس کا ترک

دائمی طور پر قنوت کی مشروعیت کے قائلین نے انس رضی اللہ عنہ کی درج ذیل حدیث پر اعتماد کیا ہے:

"مَا زَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْنُتُ فِي الصُّبْحِ حَتَّى فَارَقَ الدُّنْيَا".

"نبی اکرم ﷺ صبح کی نماز میں برابر قنوت پڑھتے رہے یہاں تک کہ آپ دنیا سے

۱- اس حدیث کی تخریج صفحہ: (۵۹) پر گذر چکی ہے۔

رخصت ہو گئے"[1]۔

لیکن یہ حدیث صحیح نہیں ہے، کیوں کہ اس کا دار ومدار ابو جعفر رازی پر ہے، اس کے متعلق امام ابن المدینی فرماتے ہیں: "وہ اختلاط کا شکار تھا" ابو زرعہ فرماتے ہیں: "اسے بہت زیادہ وہم ہوتا تھا" ابن حبان فرماتے ہیں: "مشہور رواۃ سے منکر احادیث روایت کرنے میں منفرد تھا"[2]۔

اور کوئی ایسی حدیث قطعاً قابل استدلال نہیں ہو سکتی جس کی روایت میں اس طرح کا راوی منفرد ہو، البتہ اگر اس حدیث کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تب بھی یہ اس متعین قنوت پر دلیل نہیں بن سکتی، اس لیے کہ اس میں ایسی کوئی دلیل نہیں کہ قنوت سے دعائے قنوت مراد ہے، کیوں کہ قنوت کا اطلاق قیام، سکوت، عبادت میں دوام، دعاء، تسبیح، خشوع تمام امور پر ہوتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَهُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ كُلٌّ لَّهُ قَانِتُونَ﴾[3]۔

(اور زمین وآسمان کی ہر چیز اسی کی ملکیت ہے اور ہر ایک اس کے فرمان کے ماتحت ہے)

دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿أَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ اللَّيْلِ سَاجِدًا وَقَائِمًا يَحْذَرُ الآخِرَةَ وَيَرْجُو رَحْمَةَ رَبِّهِ﴾[4]۔ (بھلا جو شخص راتوں کے اوقات سجدے اور قیام کی حالت میں (عبادت میں) گزارتا ہو، آخرت سے ڈرتا ہو اور اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتا ہو)۔ ایک اور مقام پر ارشاد باری ہے: ﴿وَصَدَّقَتْ

۱- مسند احمد (۳/۱۶۲) سنن کبریٰ (۲/۲۸۷) کتاب الصلاۃ: باب الدلیل علی انہ لم یترک اصل القنوت فی صلاۃ الصبح الخ (۳۱۰۴، ۳۱۰۵) سنن دار قطنی (۲/۳۹) کتاب الوتر: باب صفۃ القنوت وبیان موضعہ، شرح معانی الآثار (۱۴۳)۔ یہ حدیث ضعیف ہے جیسا کہ مؤلف نے صراحت کی ہے۔

۲- ملاحظہ ہو: تہذیب التہذیب (۱۲/۵۷)

۳- سورہ روم: (۲۶)

۴- سورہ زمر: (۹)

بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهِ وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتِينَ﴾[۱]۔

(اور (مریم) اس نے اپنے رب کی باتوں اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور عبادت گزاروں میں سے تھی۔)

زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ارشاد باری تعالیٰ ﴿وقوموا للہ قانتین﴾[۲] (اور اللہ تعالیٰ کے لیے باادب کھڑے رہا کرو) نازل ہوا تو ہمیں سکوت کا حکم دیا گیا اور کلام (بات چیت) سے منع کر دیا گیا[۳]،[۴]۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ جب فقہاء اور اکثر اہل علم کی لغت میں قنوت کا اطلاق اس مشہور دعاء "اللهم اهدني فيمن هديت" پر ہونے لگا، اور انھوں نے سنا کہ نبی اکرم ﷺ آخری دم تک فجر کی نماز میں قنوت پڑھتے رہے، نیز آپ کے بعد خلفاء راشدین اور دیگر صحابہ کرام کا یہی عمل رہا تو انھوں نے صحابہ کرام کے یہاں مستعمل لفظ قنوت کو اپنے اصطلاحی قنوت پر محمول کر لیا، پھر ایسے لوگ فقہ و فتاویٰ کے افق پر نمودار ہوئے جو دوسرے معانی سے نابلد تھے، لہذا انھیں یقین ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام صبح کی نماز میں اسی قنوت پر مداومت فرماتے تھے، یہی وہ امر ہے جس میں جمہور اہل علم نے ان سے اختلاف کیا ہے، اور صراحت کی ہے کہ یہ نبی اکرم ﷺ کا دائمی فعل نہیں تھا، بلکہ آپ سے یہ عمل ثابت ہی نہیں ہے[۵]۔

تعجب کی بات تو یہ ہے کہ قنوت نازلہ کی مشروعیت پر صراحۃً دلالت کرنے والی صحیح

۱- سورہ تحریم (۱۲)

۲- سورہ بقرہ (۲۳۸)

۳- صحیح بخاری: کتاب العمل فی الصلاۃ: باب ما ینہی من الکلام فی الصلاۃ (۱۲۰۰)، صحیح مسلم: کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ: باب تحریم الکلام فی الصلاۃ و نسخ ما کان من اباحتہ (۵۳۹)۔

۴- زاد المعاد (۱/۲۶۷-۲۶۸)

۵- زاد المعاد (۱/۲۷۴)

احادیث پر عمل متروک ہے اور فجر کی نماز میں دائمی قنوت کے سلسلے میں غیر ثابت شدہ حدیث پر عمل ہے۔

۶/۲۰- ان ادوار میں مسلمانوں پر ان کے دینی و دنیاوی امور میں مصائب کی حد درجہ کثرت کے باوجود ان کے لیے قنوت نازلہ کو ترک کر دیا گیا ہے، یہاں تک کہ وہ باہمی انتشار اور ایک دوسرے کے تعاون (حتی کہ نماز میں دعاء کے ذریعہ بھی) سے اعراض کے باعث اپنے ہی ممالک میں اجنبی سے ہو گئے ہیں، اور ان میں رسوخ دوسروں کا ہو چکا ہے، مسلمانوں پر مصائب کے وقت ان کے لیے دعاء اور ان کے دشمنوں پر بددعاء پر مشتمل قنوت تمام نمازوں کی آخری رکعت میں "سمع الله لمن حمده" کہنے کے بعد نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہے، چنانچہ صحیح مسلم میں انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

قَنَتَ رَسُو لُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهْرًا يَدْعُوعَلَى حَيٍ مِنْ أَحْيَاءِ الْعَرَبِ ثُمَّ تَرَكَهُ .

رسول اللہ ﷺ نے ایک ماہ تک قنوت پڑھی جس میں آپ عرب کے بعض قبائل پر بددعاء کرتے تھے، پھر آپ نے اسے ترک کر دیا[1]۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی فجر میں ایک ماہ تک قنوت پڑھنا ثابت ہے۔

۲۰/۷- صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے نماز میں قنوت کی حالت میں آمین کے سوا کچھ کہنا ثابت نہیں، لہذا مقتدیوں کی ایک غلطی ایسی عبارتوں کی زیادتی بھی ہے جن کے اثبات میں کوئی حدیث وارد نہیں، بلکہ یہ محض رائے ہے۔

مثلاً: ان کا "حق" اور "أشھد" کہنا، اسی طرح کفار پر بددعا یا رفع شر وبلاء کی دعا کے

۱- صحیح مسلم (۱/۴۶۹) کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ: باب استحباب القنوت فی جمیع الصلوات اذا نزلت بالمسلمین نازلۃ (۶۷۷)

وقت ان کا ہاتھوں کو الٹ لینا، اس سلسلے میں نبی اکرم ﷺ سے کوئی بھی حدیث بسند صحیح ثابت نہیں ۔

۸/۲۰- قنوت میں نمازیوں کی ایک غلطی: دعاء قنوت میں ''ولایعز'' کے عین کو مفتوح پڑھنا بھی ہے۔

۹/۲۰- ایک غلطی دعا کے بعد ہاتھوں کو چہرے پر پھیرنا بھی ہے، اس کے متعلق علامہ عزبن عبد السلام نے یہاں تک فرمادیا ہے کہ دعا کے بعد چہرے پر دونوں ہاتھوں کو صرف جاہل ہی پھیرتا ہے[۱] ۔

۱- اس باب میں کچھ ضعیف احادیث وارد ہیں جو اس کی مشروعیت پر دال ہیں، ان میں سے ایک حدیث جامع ترمذی میں حضرت عمرؓ سے مروی ہے، دو حدیثیں سنن ابوداود کی ہیں، ایک سائب بن یزید عن أبیہ سے اور دوسری ابن عباس سے مروی ہے، ان میں سے ہر ایک کی علیحدہ طور پر تضعیف پر محدثین کا اتفاق ہے، البتہ ترمذی کی روایت کو شواہد کی بنیاد پر علامہ سیوطی، مناوی اور حافظ ابن حجر نے حسن قرار دیا ہے، اس کے برخلاف امام ابوداؤد اور امام بیہقی نے ان احادیث کی تضعیف کا فیصلہ کیا ہے، نیز علامہ البانی نے ان احادیث کی مفصل تخریج اور مجروح رواۃ کا تفصیلی ترجمہ ذکر کرنے کے بعد دقیق علمی اصولوں کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ تعدد طرق کے بعد بھی یہ احادیث حسن کے درجے کو نہیں پہنچ سکتیں، نیز تحسین کرنے والوں کی غلطیوں کی بھی نشان دہی کی ہے۔(''ارواء الغلیل''(۲/۱۷۸تا۱۸۰)

راقم الحروف کے نزدیک فریق ثانی کا موقف قوی ہے، اس لئے کہ یہ تمام احادیث سخت ضعیف ہیں، چنانچہ سائب بن یزید عن ابیہ کی روایت میں ''حفص بن ہاشم'' تقریب میں حافظ ابن حجر کی صراحت کے مطابق مجہول ہیں، اور اسی سند میں موجود ''ابن لہیعۃ'' کا ضعف معروف ہے، اس کے علاوہ عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کی دونوں حدیثوں کے تمام طرق میں ''حماد بن عیسیٰ، صالح بن حسان اور عیسیٰ بن میمون میں سے کوئی نہ کوئی موجود ہے، اور ان تینوں میں سے کسی کی بھی توثیق کسی امام سے ثابت نہیں ہے، اس کے برخلاف ان پر ائمہ نے سخت قسم کی جرح کی ہے، حتی کہ امام حاکم اور ابن حبان نے (اپنے تساہل کے باوجود) موضوع احادیث کی روایت کی نسبت بھی ان کی طرف کی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کے مجروح رواۃ کی روایتیں دوسرے محدثین کی طرح خود علامہ مناوی اور حافظ ابن حجر کے بیان کردہ اصولوں کے مطابق تعدد طرق کے بعد بھی حسن نہیں ہوسکتیں ملاحظہ ہو: تمام المنۃ (ص:۱۳۱) قواعد التحدیث (ص:۱۱۲) نزہۃ النظر (ص:۱۲۰)، لہٰذا ان احادیث سے مذکورہ مذہب پر استدلال درست نہیں، بلکہ اس سلسلے میں وہی موقف قوی ہے جسے امام مالک، امام احمد، امام بیہقی، سفیان بن عیینہ، ابن مبارک، عزبن عبد السلام. علامہ نووی اور علامہ البانی نے اختیار کیا ہے، یعنی دعاء کے بعد چہرے پر ہاتھ پھیرنا صحیح نہیں۔ البتہ اگر ان احادیث کو قابل استدلال تسلیم بھی کرلیا جائے تب بھی ان کی دلالت صرف خارج صلاۃ دعاء پر ہے، وتر میں دعائے قنوت کے بعد ہاتھ پھیرنے پر یہ قطعاً دال نہیں، اور نہ ہی کسی دوسری حدیث سے =

۱۰/۲۰- ایک غلطی نماز وتر میں قنوت کو رمضان کے نصف آخر کے ساتھ مخصوص کرنا بھی ہے، کیوں کہ قنوت وتر اس وقت کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ وہ پورے سال میں مشروع ہے۔

۱۱/۲۰- اکثر لوگوں کی ایک حماقت ودیوانگی یہ ہے کہ وہ قنوت نازلہ میں "اللھم اھدني فیمن ھدیت" پڑھتے ہیں، حالانکہ اس دعا کی حالت مصیبت سے یقینی طور پر کوئی مناسبت نہیں، بلکہ اس کا محل صرف قنوت وتر ہے، نیز اس دعا میں کسی بھی شئی کی زیادتی کرنا مناسب نہیں، مثلاً بیشتر اماموں کا اس میں یہ کہنا "فلك الحمد علی ما قضیت، استغفرك واتوب إلیك[1]"، نبی اکرم ﷺ سے ثابت شدہ امر پر اکتفاء کرتے ہوئے مناسب ہے کہ اس زیادتی کو قنوت وتر میں بھی اختیار نہ کیا جائے، چہ جائے کہ نماز فجر کے قنوت میں اس کا اہتمام ہو۔

البتہ نبی اکرم ﷺ پر درود تو یہ عہد فاروقی میں قیام رمضان میں ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی امامت سے متعلق وارد حدیث میں ثابت ہے،[2] لہذا یہ سلف کے یہاں معمول بہ ہوا، گرچہ ابن حجر نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے [3]۔

=اس کا ثبوت ہے، جیسا کہ علامہ بیہقی فرماتے ہیں: "واما فی الصلاۃ فھو عمل لم یثبت بخبر صحیح ولا اثر ثابت ولا قیاس فالاولی ان لا یفعلہ ویقتصر علی ما فعلہ السلف رضی اللہ عنھم من رفع الیدین دون مسحھما بالوجہ فی الصلاۃ" علامہ البانی نے بھی صراحت کی ہے کہ قنوت میں چہرے پر ہاتھ پھیرنے کا ثبوت نہ کسی حدیث سے ہے نہ کسی صحابی کے قول وفعل سے، لہذا یہ عمل بلاشبہ بدعت ہے ("ارواء الغلیل" (۲/۱۸۱)۔

۱- ملاحظہ ہو: روضۃ الطالبین وعمدۃ المفتین للنووی (۱/۲۵۳) فصل فی القنوت۔

۲- صحیح ابن خزیمہ (۲/۵۶-۱۵۵) جماع ابواب ذکر الوتر ومافیہ من السنن: باب فی بیان وترہ صلی اللہ علیہ وسلم فی اللیلۃ التی بات فیھا ابن عباس عندہ (۱۱۰۰)

۳- ملاحظہ ہو: التلخیص الحبیر (ص: ۹۳)

نوٹ: حافظ ابن حجر پر یہ نقد صحیح نہیں، اس لئے کہ انھوں نے صحیح ابن خزیمہ میں ثابت شدہ اثر کی تضعیف نہیں کی ہے، بلکہ سنن نسائی کی مرفوع حدیث کی تضعیف کی ہے، اور اس میں وہ حق بجانب ہیں، علامہ البانی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، علامہ نووی سے مجموع (۳/۴۹۹) میں اس کی تحسین میں وہم ہوا ہے۔

واضح رہے کہ قنوت وتر رکوع سے پہلے ہے اور قنوت نازلہ اس کے بعد، بجز رمضان کے نصف آخر کے کیوں کہ اسے دونوں قنوتوں سے مشابہت ہے، جب مسلمانوں پر کوئی مصیبت نازل ہو، جیسا کہ ابن خزیمہ کے روایت کردہ اثر میں ہے[1]۔

قنوت کی غلطیوں میں سے (حتی کہ ان لوگوں کے نزدیک بھی جو فجر میں دائمی طور پر اس کی سنیت کے قائل ہیں) اس کی تطویل اور اس میں حد سے زیادہ آواز بلند کرنا بھی ہے، (اللہ کی قسم) میں نے بعض ایسے لوگوں کو جن کی طرف انگلیوں سے اشارہ کیا جاتا ہے نماز فجر میں ان کی امامت اور (ہماری سابقہ صراحت کے مطابق غیر مشروع) قنوت میں ان کی دعا کے دوران سنا گویا کہ وہ جمعہ کے دن خطبہ دے رہے ہوں اور "صبحکم و مساکم" کہتے ہوں، یہ غلطی اس کی اس تطویل کے علاوہ ہے جو مقتدیوں کے لیے باعث حرج ہوتی ہے، نیز مقفی مسجع کلام کا تکلف، الفاظ کی تزیین اور ایسے الفاظ کا انتخاب جو نمازیوں کے دلوں کو سخت اور انہیں تقرب الی اللہ کی طرف سے دور کر دیتے ہیں اس پر مستزاد ہیں، شر کا یہی معاملہ ہے کہ اس سے صرف شر پیدا ہوتا ہے، اب تو اللہ تعالیٰ ہی سے فریاد ہے۔

۲۱- سجدہ میں نمازیوں کی غلطیاں

سجدہ میں نمازیوں سے صادر ہونے والی غلطیاں متعدد ہیں، درج ذیل سطور میں ان کے احاطہ کی کوشش کی گئی ہے، گرچہ ان میں سے اکثر کا تعلق نماز کے سنن اور ان کے مکملات سے ہے۔

۱- صحیح ابن خزیمہ (۲/ ۱۵۵-۱۵۶) جماع ابواب ذکر الوتر وما فیہ من السنن: باب فی بیان وترہ فی اللیلۃ التی بات فیھا ابن عباس عندہ (۱۱۰۰)

۱/۲۱-اعضائے سجود کو پوری طرح زمین پر نہ رکھنا:

سات اعضا پر سجدہ کرنا ضروری ہے جیسا کہ درج ذیل حدیث میں ہے:

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «أُمِرْتُ أَنْ أَسْجُدَ عَلَى سَبْعٍ: اَلْجَبْهَةِ وَالانْفِ، وَالْيَدَيْنِ، وَالرُّكْبَتَيْنِ، وَالْقَدَمَيْنِ».

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "مجھے حکم ہوا سات اعضاء پر سجدہ کرنے کا: پیشانی اور ناک (یہ دونوں ایک عضو کے حکم میں ہیں) دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے، اور دونوں قدم"[1]۔

یہ حدیث اس بات پر دال ہے کہ اعضاء سجود سات ہیں اور سجدہ کرنے والے کو چاہیے کہ ان تمام اعضاء پر سجدہ کرے۔

نیز نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "لا صلاة لمن لا یمس أنفه الارض مایمس الجبین"۔

یعنی: "اس شخص کی نماز نہیں ہوتی جو پیشانی کی طرح اپنی ناک کو زمین سے نہیں لگاتا[2]۔

اس سے اس شخص کی غلطی واضح ہو جاتی ہے جو صرف پیشانی پر سجدہ کرتا اور ناک کو

۱- صحیح بخاری: کتاب الاذان: باب السجود علی سبعۃ اعظم (۸۰۹) باب السجود علی الانف (۸۱۲)، صحیح مسلم: کتاب الصلاۃ: باب اعضاء السجود والنہی عن کف الشعر والثوب وعقص الراس (۴۹۰)، سنن نسائی: کتاب التطبیق: باب السجود علی الانف (۱۰۹٦)۔

۲- سنن دار قطنی (۱/۳۴۸) کتاب الصلاۃ: باب وجوب وضع الجبہۃ والانف۔ اس حدیث کو امام دار قطنی نے مرسل قرار دیا ہے، اس لئے کہ ان کے بقول صرف ابو قتیبہ نے اس حدیث کو مسنداً روایت کیا ہے۔ لیکن علامہ ابن الجوزی "التحقیق" میں فرماتے ہیں کہ: ابو قتیبہ ثقہ ہیں، امام بخاری نے ان سے روایت کی ہے، اور رفع زیادتی ہے جو ثقہ کی طرف سے قابل قبول ہوگی، ملاحظہ ہو: التعلیق المغنی علی سنن الدار قطنی (۱/۳۴۹)

اٹھائے رہتا ہے، یا اپنے دونوں قدم زمین سے اٹھائے رکھتا ہے، یا ایک کو دوسرے پر اس طرح رکھتا ہے کہ زمین سے اس کا مس نہیں ہوتا، ایسے شخص کا سجدہ پانچ یا چھ ہی اعضاء پر ہوتا ہے جب کہ اعضاء سجود سات معروف ہیں، جیسا کہ سابقہ حدیث میں صراحت ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے نماز میں غلطی کرنے والے سے فرمایا تھا:

"إِذَا سَجَدْتَ فَمَكِّنْ لِسُجُوْدِكَ" یعنی جب تم سجدہ کرو تو اعضاء کو پورے طور پر رکھو[1]۔

۲/۲۱- سجدہ میں بے اطمینانی (طمانینت کا نہ ہونا)

"رکوع اور اس سے اٹھنے کی مجموعی غلطیاں" میں ہم ذکر کر آئے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ اس شخص کی نماز کے بطلان کا فیصلہ فرماتے تھے جو رکوع اور سجدہ میں اپنی پیٹھ سیدھی نہیں کرتا ہے، اور آپ نے نماز میں غلطی کرنے والے (مسئ صلاۃ) کو سجدہ میں طمانینت (اطمینان) کا حکم دیا، نیز آپ فرماتے تھے کہ "طمانینت اختیار نہ کرنے والا بدترین چور ہے"۔

طمانینت یہ ہے کہ سجدہ مذکورہ سات اعضاء پر ہو، ساتھ ہی دونوں ہتھیلیاں اس طرح پھیلا کر قبلہ رخ رکھی جائیں کہ انگلیاں باہم متصل ہوں، اور کبھی مونڈھوں کے بالمقابل اور کبھی کان کے بالمقابل رہیں، نیز پاؤں کی انگلیاں قبلہ رخ ہوں اور دونوں پاؤں اس طرح کھڑے کئے جائیں کہ ایڑیاں ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہوں، ساتھ ہی بازو زمین سے بلند ہوں، اور ان کے اور پہلوؤں کے درمیان اتنا فاصلہ ہو کہ بغل کی سفیدی نظر آئے، نیز اسی حالت میں ہر ہڈی اپنے اصلی مقام تک لوٹ جائے، اور زمین تک پہنچنے والے اعضا اس سے پوری طرح متصل ہو جائیں۔

۱- سنن ابو داود: تفریع ابواب استفتاح الصلاۃ: باب صلاۃ من لا یقیم صلبہ فی الرکوع والسجود (۸۵۹) مسند احمد (۳۴۰/۴)۔ علامہ البانی نے حدیث کو "حسن" قرار دیا ہے، ملاحظہ ہو: صحیح سنن ابی داود (۱۶۲/۱)

۲۱/۳۳- سجدہ کی کیفیت میں غلطیاں

سابقہ غلطی پر ہماری گفتگو سے صحیح سجدہ کی کیفیت واضح ہو گئی، بعض نمازی متعدد غلطیوں میں اس طرح پڑتے ہیں کہ سجدہ نبوی کی کیفیت سے وہ دور ہٹ جاتے ہیں، اور کچھ لوگ بعض ممنوع امور کے بھی مرتکب ہوتے ہیں، حالانکہ وہ رب العالمین سے حد درجہ قریب ہوتے۔

اس کی تفصیل ملاحظہ ہو:

بعض نمازی سجدہ میں بازؤوں اور پہلوؤں کے درمیان علیحدگی کی سنت ترک کرتے ہیں، اس کی مشروع کیفیت یہ ہے کہ پیٹ کو دونوں رانوں سے بلند رکھا جائے اور بازؤوں کو دونوں پہلوؤں سے پڑوسی پر تنگی کے بغیر ممکن حد تک دور رکھا جائے، اور ران کو زمین سے بلند رکھا جائے، نیز ہتھیلیوں کو مونڈھوں یا کان کے بالمقابل رکھا جائے نہ کہ گھٹنوں کے، لیکن مذکورہ علیحدگی میں اتنا زیادہ مبالغہ نہ ہو کہ پیٹھ کو بتکلف اس قدر دراز کیا جائے کہ سر اگلی صف تک پہنچ جائے، جیسا کہ پیٹ کے بل لیٹنے والے کی ہیئت ہوتی ہے، اس سے سجدہ میں پیٹھ کو پھیلانے اور سمیٹنے کے درمیان بے اعتدالی کی غلطی نمایاں ہو جاتی ہے۔

بعض نمازی نماز میں ہوتے ہوئے بھی جانوروں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں جو نماز کی تحقیر اور اس کی طرف سے بے اعتنائی و بے توجہی کی غماز ہے، چنانچہ وہ نماز پڑھتے ہیں اس حال میں کہ وہ لومڑی کی طرح التفات کرتے (ادھر ادھر دیکھتے ہیں) یا درندے کی طرح سجدہ میں بازؤوں کو بچھاتے ہیں، اور کوے کی طرح اس میں چونچ مارتے ہیں، یا مسجد میں کسی جگہ کو خاص کر لیتے ہیں جیسے اونٹ خاص کر لیتا ہے، یا کتے کی طرح

اقعاء کرتے یا گھوڑوں کی دم کی طرح بوقت سلام دائیں بائیں ہاتھوں کو اٹھاتے ہیں۔

علامہ ابن القیم فرماتے ہیں: "شریعت اسلامیہ میں کفار، حیوانات، شیاطین، عورتوں، اجڈ دیہاتی اور ہر ناقص کی تشبیہ سے ممانعت وارد ہوئی ہے، حتیٰ کہ نماز میں مختلف قسم کے حیوانات کی مشابہت اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے، جس کے کلی یا اکثریتی طور پر جاہل لوگ مرتکب ہوتے ہیں، حدیث میں ہے:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «اعْتَدِلُوا فِي السُّجُودِ، وَلَا يَبْسُطْ أَحَدُكُمْ ذِرَاعَيْهِ انْبِسَاطَ الْكَلْبِ».

یعنی: انس بن مالک رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "تم لوگ سجدہ میں اعتدال (میانہ روی) اختیار کرو، تم میں کوئی اپنے بازو کتے کی طرح نہ بچھائے"[1]۔

لیکن افسوس کہ بحالت سجدہ دونوں پاؤں کھڑا کرنے اور انھیں ایڑیوں کے بعض حصے کے ساتھ ملانے نیز انگلیوں کے بعض اطراف کو قبلہ رخ کرنے کی سنت بیشتر لوگوں کے یہاں متروک ہو چکی ہے، شاید ان سطور کو پڑھنے کے بعد وہ اس پر عمل پیرا ہو جائیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو نبی اکرم ﷺ اور آپ کے جملہ اصحاب کی سنت پر عمل کرنے کی توفیق دے (آمین)۔

اسی طرح انگلیوں کو سمیٹ کر مٹھی باندھنے کی کیفیت میں سجدہ کرنا اور ایک پاؤں کو دوسرے پر رکھنا ایسی غلطی ہے جس میں بیشتر لوگ ملوث ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں اور ان کو

۱- صحیح بخاری: کتاب الأذان: باب لا یفترش ذراعیہ فی السجود (۸۲۲)، صحیح مسلم: کتاب الصلاۃ: باب الاعتدال فی السجود ووضع الکفین علی الارض الخ (۴۹۳)۔

حق و صواب کی ہدایت دے (آمین)۔

۴/۲۱- بعض لوگوں کا اعضاءِ سجود کے کھلا رکھنے یا زمین یا اس کی کسی قسم پر بغیر حائل (پردہ) کے سجدہ کو واجب قرار دینا

[بعض لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ نمازی سجدہ میں اپنی پیشانی اسی چٹائی یا مصلی پر رکھ سکتا ہے جس پر اس کے پاؤں ہوں، اپنے پہنے ہوئے کپڑے یا الگ سے کسی کپڑے پر پیشانی نہیں رکھنی چاہئے، حالانکہ حدیث میں ہے]:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: كُنَّا نُصَلِّي مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي شِدَّةِ الْحَرِّ، فَإِذَا لَمْ يَسْتَطِعْ أَحَدُنَا أَنْ يُمَكِّنَ جَبْهَتَهُ مِنَ الأَرْضِ بَسَطَ ثَوْبَهُ فَسَجَدَ عَلَيْهِ.

انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سخت گرمی میں نماز پڑھتے اور جب ہم میں سے کوئی اپنی پیشانی زمین سے ٹکانے کی طاقت نہیں رکھتا تو اپنا کپڑا بچھا کر اس پر سجدہ کرتا[1]۔

علامہ شوکانی فرماتے ہیں: اس حدیث سے نمازی سے متصل کپڑے پر سجدہ کرنے کے جواز پر استدلال کیا گیا ہے[2]۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ یہی مذہب امام ابو حنیفہ اور جمہور اہل علم کا ہے، البتہ امام شافعی نے اسے الگ کپڑے پر محمول کیا ہے[3]۔

۱- صحیح بخاری: کتاب العمل فی الصلاۃ: باب بسط الثوب فی الصلاۃ للسجود (۱۲۰۸)، صحیح مسلم: کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ: باب استحباب تقدیم الظہر فی اول الوقت فی غیر شدۃ الحر (۶۲۰)

۲- نیل الاوطار (۲/۲۸۹)

۳- شرح مسلم للنووی (۵/۱۲۱)

۵/۲۱-مریض کے سجدہ کے لیے کسی چیز کو اوپر اٹھانا

مریض کے سجدہ کے لیے کوئی اونچی چیز رکھنی غلط ہے جیسا کہ حدیث میں ہے:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا ،قَالَ: عَادَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ رَجُلًا مِنْ أَصْحَابِهِ مَرِيْضًا وَأَنَا مَعَهُ، فَدَخَلَ عَلَيْهِ وَهُوَ يُصَلِّي عَلَي عُوْدٍ فَوَضَعَ جَبْهَتَهُ عَلَى الْعُوْدِ، فأومأ إِلَيْهِ، فَطَرَحَ الْعُوْدَ وَأَخَذَ وِسَادَةً ،فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ: «دَعْهَا عَنْكَ (يَعْنِي: ٱلوِسَادَةَ) إِنْ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَسْجُدَ عَلَى الأَرْضِ وَإِلا فَأَوْمِ إِيْمَاءً، وَاجْعَلْ سُجُوْدَكَ أَخْفَضَ مِنْ رُكُوْعِكَ».

یعنی: عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک مریض شخص کی عیادت کی، میں بھی آپ کے ساتھ تھا، آپ ان پر اس حال میں داخل ہوئے کہ وہ ایک لکڑی پر نماز پڑھ رہے تھے، اور سجدہ میں اپنی پیشانی اسی پر رکھتے تھے، آپ نے ان کی طرف اشارہ کیا، تو انھوں نے لکڑی پھینک کر تکیہ لے لیا، تو آپ نے فرمایا: "اس (یعنی تکیہ) کو بھی ہٹا دو، اگر تم زمین پر سجدہ کرنے کی طاقت رکھتے ہو تو ٹھیک ہے، ورنہ اشارہ سے نماز پڑھو، اور اپنا سجدہ اپنے رکوع سے کچھ نیچا رکھو"[1]۔

۱- [1] المعجم الکبیر (۱۲/ ۲۶۹-۲۷۰، حدیث رقم: ۱۳۸۲)۔

نوٹ: اس حدیث کی سند پر نقد کرتے ہوئے علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: اس میں حفص بن سلیمان منقری موجود ہیں اور وہ متروک ہیں، امام احمد کا صحیح قول تضعیف ہی کا ہے، البتہ ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا، مجمع الزوائد (۲/ ۱۵۱)۔
لیکن یہ نقد درست نہیں، اس لیے کہ حفص بن سلیمان منقری ثقہ راوی ہیں، امام ابو حاتم نے ان کو "لا باس بہ" امام بخاری، امام نسائی، ابن حبان، ابن شاہین نے "ثقہ" اور امام احمد بن حنبل نے "صالح" کہا ہے، حافظ ابن حجر نے ان کا صرف یہی ایک قول نقل کیا ہے، ملاحظہ ہو: تہذیب التہذیب (۲/ ۴۰۲)، حافظ ابن حجر نے بھی تقریب میں ان کو "ثقہ" کہا ہے۔ البتہ ضعیف راوی حفص بن سلیمان البزار ابو عمر القاری ہیں جیسا کہ تہذیب میں صراحت ہے۔

۲۱/۶-سجدہ سہو میں "سبحان من لا یسھو ولا ینام" کہنا

نماز میں عوام کی ایک غلطی اس میں سہو ہونے پر سجدہ سہو میں بعض لوگوں کا "سبحان من لا یسھو ولا ینام" پڑھنا ہے، اور بعض لوگ "وما کان ربك نسیا" یا آیت کریمہ: ﴿رَبَّنَا لاَ تُؤَاخِذْنَا إِن نَّسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا﴾ پڑھتے ہیں، شریعت میں ان کی کوئی قابل اعتماد اصل نہیں ہے۔

۲۱/۷-امام کے سہو سے متعلق ایک غلطی

اس مقام پر بعض لوگوں کی اس فکری غلطی کی طرف اشارہ مفید ہے کہ نماز میں امام کے سہو یا اس پر قرأت کے التباس کا سبب تمام مقتدیوں یا بعض کا اچھی طرح طہارت حاصل نہ کرنا ہے، اس سلسلے میں ان لوگوں کی دلیل درج ذیل روایت ہے۔

عَنْ شَبِيبٍ أَبِي رَوْحٍ عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «أَنَّهُ صَلَّى صَلَاةَ الصُّبْحِ فَقَرَأَ الرُّومَ فَالْتَبَسَ عَلَيْهِ، فَلَمَّا صَلَّى قَالَ: مَا بَالُ أَقْوَامٍ يُصَلُّونَ مَعَنَا لا يُحْسِنُونَ الطُّهُورَ، فَإِنَّمَا يَلْبِسُ عَلَيْنَا الْقُرْآنَ أُولَئِكَ».

یعنی: شبیب ابو روح ایک صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے صبح کی نماز پڑھائی، اس میں سورہ روم کی تلاوت کی، اس میں آپ کو التباس ہوا، نماز کی تکمیل کے بعد آپ نے فرمایا: ہمارے ساتھ نماز پڑھنے والوں میں سے بعض کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ اچھی طرح طہارت حاصل نہیں کرتے، یہی لوگ ہم پر قرأت کو مشتبہ

کرتے ہیں [1]۔

یہ حدیث ضعیف ہے، اس میں شبیب سے مراد ابن نعیم ہے اور ایک قول کے مطابق ابن ابی روح، اس کی کنیت ابو روح حمصی ہے، امام ابن القطان فرماتے ہیں کہ اس کی عدالت غیر معروف ہے [2]۔

اس کے علاوہ دوسری علت بھی اس میں موجود ہے، ساتھ ہی یہ آیت کریمہ ﴿وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا﴾ [3] کے ظاہری مفہوم سے متعارض ہے۔

۲۲- قعدہ، تشہد اور سلام کی چند غلطیاں

نماز کے ارکان میں قعدہ اخیرہ اور تشہد بھی شامل ہیں، بعض نمازی ان دونوں میں متعدد غلطیوں کے مرتکب ہوتے ہیں جن پر تنبیہ ضروری ہے، اس لیے اللہ کی توفیق و مدد سے درج ذیل سطور ہدیۂ ناظرین کی جاتی ہیں:

۲۲/۱- تشہد میں "السلام علیك أیها النبي" کہنے کی غلطی

امام بخاری نے اپنی صحیح میں نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان کو ذکر کیا ہے کہ جب تم

۱- سنن نسائی: کتاب الافتتاح: باب القراءۃ فی الصبح بالروم (۹۴۷)۔
سنن نسائی کی یہ حدیث ضعیف ہے جیسا کہ مؤلف نے صراحت کی ہے، علامہ البانی نے بھی اس کو ضعیف قرار دیا ہے ("ضعیف سنن نسائی" (۳۱))۔ لیکن اس کے ضعف کا سبب وہ نہیں ہے جسے مؤلف نے ذکر کیا ہے، اس لیے کہ شبیب بن نعیم ابو روح حمصی ثقہ راوی ہیں، امام ابن القطان نے ان کو مجہول الحال ضرور قرار دیا ہے لیکن دوسرے محدثین نے ان کی توثیق کی ہے ملاحظہ ہو: تہذیب التہذیب (۳۰۹/۴-۳۱۰)۔ یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن حجر "تقریب" میں علماء کے اقوال کا خلاصہ نقل کرتے فرماتے ہیں: "ثقة من الثالثة اخطأ من عدہ فی الصحابہ"۔
بلکہ اس کے ضعف کا سبب عبد الملک بن عمیر ہیں جیسا کہ علامہ البانی نے صراحت کی ہے کہ اس کے رواۃ ثقہ ہیں بجز عبد الملک بن عمیر کے، کیوں کہ ان کا حافظہ متغیر ہو گیا تھا، بلکہ ابن معین نے کہا "ان سے اختلاط ہو تا تھا" ابن حجر کہتے ہیں "بسا اوقات تدلیس کرتے تھے" ملاحظہ ہو: مشکوۃ المصابیح تحقیق البانی (۹۷/۱)

۲- ملاحظہ ہو: تہذیب التہذیب (۳۰۹/۴)

۳- فصلت: ۴۶

میں سے کوئی نماز پڑھے تو وہ التحیات للّٰہ و الصلوات والطیبات، السلام علیك أیها النبي ورحمة اللّٰه وبرکاته......... پڑھے [۱]۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے بعض طرق میں وہ الفاظ وارد ہیں جو عہد نبوی اور بعد کے ادوار کے درمیان مغایرت کے متقاضی ہیں کہ آپ ﷺ کے زمانے میں صیغۂ خطاب اور آپ کے بعد صیغۂ غائب استعمال کیا جائے، چنانچہ صحیح بخاری: کتاب الاستیذان (۱۱/۵۶) حدیث نمبر (۶۲۶۵) میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ انھوں نے حدیث تشہد کو بیان کرنے کے بعد فرمایا: "وھو بین أظھرنا فلما قبض قلنا السلام" یہ ہم نے اس وقت کہا جب آپ ہمارے درمیان تھے آپ کی وفات کے بعد ہم "السلام" (یعنی علی النبی) کہنے لگے۔ صحیح بخاری میں اسی طرح وارد ہے، البتہ ابو عوانہ نے اپنی صحیح میں نیز سراج، جورقانی، ابو نعیم اصبہانی اور بیہقی نے امام بخاری کے شیخ ابو نعیم تک متعدد طرق سے حدیث کی تخریج بایں الفاظ کی ہے: آپ ﷺ کی وفات کے بعد ہم نے "السلام علی النبی" کہا یعنی لفظ "یعنی" کے حذف کے ساتھ، اسی طرح ابن ابی شیبہ نے بھی ابو نعیم سے روایت کی ہے [۲]۔

۱- صحیح بخاری: کتاب الأذان: باب التشھد فی الآخرۃ (۸۳۱)۔

۲- فتح الباری (۲/۳۱۴)

مذکورہ مذہب عبداللہ بن مسعود اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ہے، لیکن جمہور صحابہ و تابعین اور عام فقہاء و محدثین اسی تشہد پر متفق ہیں جو مرفوع احادیث سے ثابت ہے، جو خطاب و نداء کے صیغے کے ساتھ مروی ہے، یعنی زمانۂ نبوی اور اس کے مابعد کے درمیان عدم مغایرت پر ان کا اتفاق ہے۔ یہی مذہب راجح اور قوی ہے، اس لیے کہ تشہد کی احادیث میں وارد فرمان نبوی "اذا صلی احدکم" اور "ولکن قولوا" میں جو خطاب ہے وہ حاضر و غائب نیز ان تمام کو شامل ہے جو قیامت تک آنے والے ہیں جیسا کہ وضوء، نماز، روزہ، حج اور زکوۃ میں خطاب کے صیغے، کوئی بھی ایسی حدیث وارد نہیں جس سے ثابت ہو کہ غائب و معدوم کے لیے دوسرا تشہد ہے۔ نیز طحاوی، بزار اور طبرانی میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی روایت اور مسند احمد و طبرانی مین ابن مسعودؓ کی روایت صراحت کرتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا بھی یہی تشہد تھا، نیز نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کو غائب و حاضر کی=

۲/ ۲۲- نماز میں تشہد یا درود شریف میں لفظ ''سیدنا'' کا اضافہ

حافظ ابن حجرؒ سے نماز یا غیر نماز میں نبی اکرم ﷺ پر درود کی کیفیت سے متعلق سوال کیا گیا کہ خواہ اس کے وجوب کا اعتقاد ہو یا استحباب کا، کیا اس میں آپ ﷺ کو ''سیادۃ'' کے وصف سے متصف کرنا شرط ہے مثلاً یوں کہا جائے ''اللھم صلّ علی سیدنا محمد'' یا ''علی سید الخلق'' یا ''سید ولد آدم'' یا صرف ''اللھم صلّ علی محمد'' پر اکتفاء کیا جائے؟ نیز دونوں میں سے کون افضل ہے لفظ ''سید'' سے آپ کو موصوف کرنا کیونکہ سیادت آپ کی ثابت صفت ہے، یا لفظ ''بسید'' سے موصوف نہ کرنا کیونکہ اس کا ذکر احادیث میں نہیں آیا ہے۔

آپ نے جواباً ارشاد فرمایا: جی ہاں، ماثور الفاظ کی اتباع راجح ہے، یہ نہیں کہا جا سکتا کہ شاید آپ نے تواضع وانکساری میں ترک کیا ہو، اور امت کے حق میں مندوب ہے کہ جب آپ کا ذکر کرے تو اس کلمہ (سیدنا) کو استعمال کرے، اس لیے کہ اگر یہی راجح ہوتا تو صحابہ کرام پھر تابعین سے اس کا ثبوت ہوتا، جب کہ اس سلسلے میں صحابہ و تابعین سے وارد آثار کی کثرت کے باوجود ان میں سے کسی سے اس کا ثبوت نہیں، یہ امام شافعی (اللہ ان کا درجہ بلند کرے) جو نبی اکرم ﷺ کی سب سے زیادہ تعظیم کرنے والوں میں سے ہیں اپنی اس کتاب کے خطبے میں جو ان کے اہل مذہب کا اساسی مرجع ہے فرماتے ہیں، اللھم صل علی محمد[1]۔

= تفریق کیے بغیر اسی طرح خطاب ونداء کے صیغے کے ساتھ تشہد سکھلایا، جب کہ ان میں سے بہت سے غزوات وسرایا یا دوسری نوعیت کے سفر پر ہوتے اور بعض مستقل طور پر آپ سے دور سکونت پذیر تھے۔ اس سے یہ بات مبرہن ہو جاتی ہے کہ یہ صیغۂ خطاب تعبدی ہے، اس میں عقل وقیاس کی گنجائش نہیں، لہذا عبد اللہ بن مسعودؓ کا قیاس قابل قبول نہیں، اور اس صیغۂ خطاب ونداء کے اختیار کرنے کو خطاء قرار دینا بذات خود خطاء فاحش ہے۔

۱- ملاحظہ ہو: صفۃ الصلاۃ النبی (ص: ۱۷۲-۱۷۳)

تنبیہات:

اس مقام پر چند امور کی طرف اشارہ مناسب ہے:

۲۲/۳- اول: حدیث ""لاتسیدوني في الصلاة"" موضوع ہے، نیز مذکورہ الفاظ میں صحیح بھی نہیں ہے، صحیح ""لاتسودوني"" ہے، یہ حدیث بالکل بے اصل ہے[1] اور اگر صحیح ہوتی تو ہمارے مذکورہ دعویٰ کی صحت پر دلیل بنتی۔

۲۲/۴- دوم: اکثر نمازی اپنی نماز میں درود پڑھتے ہوئے درود ابراہیمی کے مشروع صیغوں کے مجموعہ سے گڑھا ہوا صیغہ اختیار کرتے ہیں، چنانچہ ان میں سے بیشتر کہتے ہیں: "اللهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على إبراهيم وعلى آل إبراهيم في العالمين إنك حميد مجيد".

لیکن اس طرح گڑھنا مشروع نہیں، کیونکہ عبادات میں اصل توقیف (ہو بہو کرنا) ہے، لہذا ماثور دعاؤں میں زیادتی یا کمی جائز نہیں، اور سنت نبویہ میں کہیں بھی یہ صیغہ وارد نہیں، بلکہ یہ درج ذیل دو صیغوں سے ماخوذ ہے:

۱- "اللهم صل على محمد، وعلى آل محمد كما صليت على إبراهيم وعلى آل إبراهيم إنك حميد مجيد" اللهم بارك على محمد وعلى آل محمد كما باركت على إبراهيم وعلى آل إبراهيم. إنك حميد مجيد[2]۔

۱- متعدد ائمہ نے اس کے موضوع ہونے کی صراحت کی ہے، مثلاً علامہ سخاوی، ملا علی قاری حنفی وغیرہ، نیز علامہ عجلونی نے علامہ ناجی سے نقل کرتے ہوئے صراحت کی ہے کہ یہ حدیث سراسر جھوٹ اور بہتان ہے۔ عوام اسے بیان کرنے کے ساتھ غلط طور پر یاء کے ساتھ پڑھتے ہیں، صحیح لفظ واؤ کے ساتھ ہے، کشف الخفاء (۲/۵۴-۳۵۵) موضوعات کبریٰ (ص:۳۶۵)

۲- صحیح بخاری: کتاب الانبیاء: باب نمبر ۱۰ (۳۳۷۰)

۲-اللهم صل على محمد [النبي الأمي] وعلى آل محمد كما صليت على [آل] إبراهيم ، وبارك على محمد كما باركت على [آل] إبراهيم في العالمين، إنك حميد مجيد[1]۔

۵/۲۲- سوم:

قعدہ اخیرہ میں تشہد کے بعد درود شریف کا حکم علماء کے درمیان مختلف فیہ ہے، لیکن راجح اس کا وجوب ہی ہے، اس کی دلیل فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک شخص کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا جس نے اللہ کی تحمید و تمجید نہیں کی اور نبی اکرم ﷺ پر درود بھی نہیں بھیجا تو آپ نے فرمایا: اس نے جلد بازی کی، پھر رسول اکرم ﷺ نے اسے بلایا اور فرمایا: "جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو اپنے رب کی حمد و ثناء کے ذریعہ آغاز کرے، نبی (ﷺ) پر درود بھیجے، اور اپنی ضرورت اللہ کے سامنے رکھے"[2]۔

ہمارے شیخ علامہ البانیؒ نے اپنی کتاب "صفۃ صلاۃ النبی"[3] میں وجوب ہی کا مذہب اختیار کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: واضح رہے کہ یہ حدیث اس تشہد میں درود شریف کے وجوب پر دال ہے، اس لیے کہ صیغۂ امر کے ساتھ وارد ہوئی ہے، وجوب ہی کے قائل امام شافعی اور امام احمد (آخری روایت کے مطابق) ہیں، ان سے پہلے صحابہ رضی اللہ

۱- سنن ابوداود: تفریع ابواب الرکوع والسجود: باب الصلاۃ علی النبیؐ بعد التشہد (۹۸۱) سنن کبریٰ (۲/۲۱۰) کتاب الصلاۃ: باب الصلاۃ علی النبیؐ بعد التشہد (۲۸۴۹)، یہ حدیث حسن ہے جیسا کہ علامہ البانی نے "صحیح ابوداود" (۱۸۴) میں صراحت کی ہے۔

۲- مسند احمد (۶/۱۸) سنن ابوداود: تفریع ابواب الوتر: باب الدعاء (۱۴۸۱)۔ علامہ البانیؒ نے حدیث کو صحیح کہا ہے "صحیح سنن ابوداود (۱/۲۷۸) ص: ۱۸۲

۳- ص: ۱۸۲

عنہم اور دیگر لوگوں کی ایک جماعت کا یہی مذہب رہا ہے، اس لیے جس نے وجوب کے مذہب میں امام شافعی کو شذوذ کی طرف منسوب کیا ہے، اس نے ان کے ساتھ انصاف نہیں کیا ہے، جیسا کہ علامہ بیہقیؒ نے اپنی کتاب ''الدر المنضود فی الصلوٰۃ والسلام علی صاحب المقام المحمود'' میں واضح کیا ہے[1]۔

۲۲/۶- چہارم: ساتھ ہی واضح رہے کہ درود شریف کی مشروعیت تشہد ثانی کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ یہ تشہد اول میں بھی مشروع ہے[2]۔ امام شافعی نے

۱- علامہ امیر صنعانی نے بھی اس حقیقت کو بے نقاب کیا ہے، ملاحظہ ہو: العدۃ علی احکام الاحکام شرح العمدۃ (۳/ ۲۰)

نوٹ: یہ مسئلہ کافی حد تک مختلف فیہ ہے، جمہور اہل علم عدم وجوب کے قائل ہیں، ان کے استدلال میں غیر معمولی وزن ہے، البتہ وجوب کا موقف احوط ہے، لیکن اس میں اس حد تک تشدد اختیار کرنا کہ اسے نماز کا رکن قرار دیتے ہوئے اس کے ترک پر نماز کے باطل ہو جانے کا فیصلہ کیا جائے درست نہیں، اس لیے کہ وجوب پر جن دلائل سے استدلال ہے ان میں سے کوئی بھی احتمال سے خالی نہیں، جیسا کہ علامہ شوکانی وغیرہ نے مفصل وضاحت فرمائی ہے، نیز فضالہ بن عبید کی مذکورہ حدیث (جس سے مؤلف نے وجوب پر استدلال کیا ہے) بھی اسی امر پر دال ہے، کیوں کہ آپ ﷺ نے ان کو اعادہ کا حکم نہیں دیا۔ یہی وجہ ہے کہ جمہور کی طرح علامہ شوکانی نے بھی عدم وجوب کا مذہب اختیار کیا ہے، ملاحظہ ہو: نیل الاوطار (۲/ ۲۹۵ تا ۳۰۰)۔

۲- اس مسئلہ میں مذکورہ مذہب کے خلاف جمہور سلف و خلف کا اتفاق ہے، میرے علم کی حد تک قدیم علماء میں صرف امام شافعی اور ان کے اصحاب نے یہ مذہب اختیار کیا ہے، البتہ جدید علماء میں مصنف کی طرح شیخ ابن باز اور بعض دیگر سعودی علماء اس کی مشروعیت و استحباب کے قائل ہیں، علامہ شوکانی بھی اسی مذہب کی طرف کسی حد تک مائل ہیں، ان لوگوں نے ان تمام احادیث کے عموم سے استدلال کیا ہے جن میں نبی اکرم ﷺ پر درود پڑھنے کا حکم ہے، ان میں سے بعض میں نماز کی بھی صراحت ہے، ان کا کہنا ہے کہ ان احادیث میں تشہد اول و ثانی کی قید نہیں ہے لہذا یہ حکم دونوں کو عام ہوگا، یہی وجہ ہے کہ حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ نے اپنی تفسیر میں ایک قدم آگے بڑھاتے ہوئے اس کو واجب قرار دے دیا۔ لیکن از روئے تحقیق یہ موقف مرجوح ہے، وجوب تو بہت دور کی بات ہے سنیت و استحباب پر بھی دلیل نہیں ہے، اس لیے کہ جس عموم سے ان کا استدلال ہے وہ تشہد ثانی کے ساتھ مخصوص ہے جیسا کہ درج ذیل صحیح الاسناد حدیثیں صراحت کرتی ہیں:-

(ا) عبد اللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے مجھ کو درمیان صلاۃ اور آخر صلاۃ میں تشہد سکھلایا، فرماتے ہیں کہ جب درمیان صلاۃ یا آخر صلاۃ میں اپنے بائیں کولہے پر بیٹھتے تو التحیات للہ والصلوۃ... الخ پڑھتے، مزید فرماتے ہیں کہ جب آپ درمیان صلاۃ میں ہوتے تو تشہد سے فراغت کے بعد کھڑے ہو جاتے اور جب آخر صلاۃ میں ہوتے تو اس سے فراغت کے بعد دعاء کرتے، پھر سلام پھیرتے، مسند احمد (۱/ ۴۵۹)

یہ حدیث صحیح ہے، اس لیے کہ اس کو امام احمد کے شیخ یعقوب بن ابراہیم بن سعد بن ابراہیم الزہری نے اپنے=

=باپ تھے، انھوں نے محمد بن اسحاق بن یسار (صاحب مغازی) تھے، انھوں نے عبدالرحمٰن بن اسود بن یزید بن قیس النخعی سے، انھوں نے اپنے باپ اسود سے اور اسود نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، اور ان میں سے ہر ایک کا اپنے شیخ سے اتصال حافظ مزی اور ابن حجر کی صراحت کے مطابق محقق ہے، نیز ابن حجر اور دیگر محدثین کی صراحت کے مطابق ہر ایک ثقہ ہے، صرف ابراہیم بن سعد پر بعض اہل علم کا کلام ہے، لیکن وہ نا قابل اعتبار ہے کیوں کہ ان کے تعلق سے حافظ ابن حجر نے "تقریب" میں صراحت کی ہے: "ثقة حجة تكلم فيه بلا قادح" البتہ محمد بن اسحاق مدلس راوی ہیں جیسا کہ معروف ہے، لیکن اس سند میں انھوں نے تحدیث کی صراحت کر دی ہے لہذا یہ سند ہر طرح کی علت سے محفوظ ہے، یہی وجہ ہے کہ اپنے وقت کے محدث احمد شاکر نے اس کو صحیح قرار دیا ہے، "مسند احمد بشرح احمد شاکر" (۶/۱۷۸) اور علامہ ہیثمی نے بھی اس کے رواۃ کی توثیق کی ہے، "مجمع الزوائد" (۲/۱۴۵)

(۲) ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ دو رکعتوں میں تشہد پر زیادتی نہیں کرتے تھے، "مسند ابو یعلی" (۷/۴۳۷۳)

حدیث کی سند صحیح ہے، اس کو حافظ ابو یعلی کے شیخ ابو معمر اسماعیل بن ابراہیم بن معمر بن حسن الہذلی الہروی نے عبد السلام بن حرب الملائی سے، انھوں نے بدیل بن میسرۃ العقیلی البصری سے، انھوں نے ابو الجوزاء اوس بن عبد اللہ الربعی البصری سے اور انھوں نے ام المومنین عائشہؓ سے روایت کیا ہے، اور یہ تمام کے تمام مجمع الزوائد (۲/۱۴۵) میں علامہ ہیثمی اور تقریب میں حافظ ابن حجر کی صراحت کے مطابق صحیحین کے رواۃ ہیں، اور ان میں سے ہر ایک ثقہ ہے، نیز سند بھی متصل ہے، جیسا کہ حافظ مزی اور ابن حجر نے صراحت کی ہے۔ اسی بنیاد پر مسند ابو یعلی کے فاضل محقق نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ البتہ ابو الجوزاء کے متعلق امام بخاری نے فرمایا: "في إسناده نظر"، امام ابن حبان اور بعض دیگر محققین نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ امام بخاری نے اپنی تاریخ میں عمرو بن مالک نکری کے واسطے سے ان کی ایک روایت ذکر کرنے کے بعد یہ کہا ہے، اس لئے کہ عمرو ان کے نزدیک ضعیف ہیں، یعنی یہ نقد ابو الجوزاء پر نہیں بلکہ عمرو پر ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اس قول سے امام بخاری کی مراد یہ ہے کہ: ان کا سماع ابن مسعود اور عائشہ جیسے لوگوں سے ثابت نہیں، حافظ ابن عبد البر نے بھی تمہید میں ذکر کیا ہے کہ انھوں نے عائشہ سے نہیں سنا، بلاحظہ ہو: تہذیب التہذیب (۱/ ۲۸۳-۲۸۴) لیکن یہ قول محل نظر ہے، اس لیے کہ ام المومنین عائشہؓ سے ابو الجوزاء کی روایت کو امام مسلم نے اپنی صحیح (۴۹۸) میں اصالۃً ذکر کیا ہے، گویا کہ امام مسلم کے نزدیک ابو الجوزاء کا سماع ام المومنین عائشہؓ سے ثابت ہے۔ البتہ زیر بحث حدیث کو علامہ البانی نے ضعیفہ (۵۸۱۶) میں منکر کہا ہے۔ لیکن علامہ موصوف کا یہ قول محل نظر ہے، اس لیے کہ حافظ ابو یعلی کے شیخ اسماعیل بن ابراہیم "جن پر کسی طرح کا کوئی نقد نہیں" کے بعد عبد السلام بن حرب سے عائشہ تک یہ پوری سند سنن ابو داود (۷۷۶) میں آئی ہوئی ہے، اور اس سند سے مروی حدیث کے تعلق سے امام ابو داود نے صراحت کی ہے کہ: عبد السلام بن حرب کے شیخ بدیل بن میسرہ سے ایک جماعت نے نماز کا یہ واقعہ روایت کیا ہے، لیکن ان کی روایتوں میں اس حدیث کا کوئی بھی حصہ مذکور نہیں۔ امام ابو داود کی اس صراحت کے باوجود علامہ البانی=

"کتاب الأم"[1] میں اس کی صراحت کی ہے، وہ فرماتے ہیں: قعدہ اولی اور قعدہ اخیرہ میں تشہد کے الفاظ یکساں ہیں، ان میں اختلاف نہیں، میرے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ تشہد اور درود میں سے کوئی دوسرے کی طرف سے کفایت نہیں کر سکتا۔

۷/۲۲- جس نے سلام سے پہلے حدث کیا، اس کی نماز باطل ہو جائے گی، فرض نماز ہو یا نفل۔

= نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، گویا کہ علامہ موصوف کے نزدیک ابوالجوزاء کا سماع عائشہؓ سے ثابت ہے، نیز عبدالسلام بن حرب کی زیادتی ثقہ کی زیادتی ہونے کی باعث مقبول ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اسی سند سے مروی مسند ابویعلی کی حدیث منکر ہو؟ بالخصوص اس صورت میں کہ ابن مسعود کی حدیث اس کے لئے شاہد قوی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ یہ دونوں حدیثیں اس امر میں صریح ہیں کہ آپ تشہد اول میں تحیات پر زیادتی نہیں کرتے تھے۔ علاوہ ازیں عبداللہ بن مسعود کی درج ذیل روایت بھی دونوں میں تفریق پر دال ہے، وہ فرماتے ہیں: کہ پہلی دو رکعتوں میں رسول اللہ ﷺ اس طرح بیٹھتے تھے جیسے آپ گرم پتھر پر ہوں (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)۔ شراح حدیث نے صراحت کی ہے کہ اس سے قعدہ اولی کی تخفیف اور تیسری یا چوتھی رکعت کے لئے کھڑے ہونے میں جلدی کرنا مراد ہے، یعنی آپ اس میں قدر تخفیف کرتے اور اس طرح سرعت کے ساتھ اٹھتے تھے جیسے گرم پتھر پر بیٹھنے والا شخص سرعت اختیار کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ تخفیف اور تفریق اسی صورت میں حاصل ہو سکتی ہے جب تحیات پر اکتفاء کیا جائے۔ مذکورہ تینوں حدیثوں کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ درود کے حکم پر مشتمل عمومی روایات تشہد ثانی کے ساتھ مخصوص ہیں، لہذا ان سے اول میں درود کی سنیت واستحباب پر بھی استدلال درست نہیں، چہ جائے کہ وجوب پر استدلال ہو، جب کہ وجوب پر ان کی دلالت تشہد ثانی میں بھی احتمال سے خالی نہیں، جیسا کہ پہلے گذرا۔ واضح رہے کہ عائشہؓ کی وہ روایت جس کی تخریج امام بیہقی اور نسائی نے کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ (بعض دفعہ) رات کو ۹ رکعات ادا فرماتے تھے، آٹھویں رکعت میں تشہد میں بیٹھتے تو اس میں اپنے رب سے دعاء کرتے اور رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھتے پھر سلام پھیرے بغیر کھڑے ہو جاتے اور نویں رکعت پوری کر کے تشہد میں بیٹھتے تو اپنے رب سے دعا کرتے اور اس کے پیغمبر پر درود پڑھتے اور پھر دعا کرتے، پھر سلام پھیر دیتے) یہ روایت مذکورہ مذہب کے خلاف دلیل نہیں بن سکتی گرچہ اس میں تشہد اول میں درود پڑھنے کا ذکر ہے، اس لیے کہ یہ نفلی نماز کا واقعہ ہے اور تخفیف و تطویل وغیرہ کے تعلق سے فرض و نفل میں جو فرق ہے وہ محتاج بیان نہیں، یہی وجہ ہے کہ اس میں تشہد اول میں دعاء کا بھی ذکر ہے جب کہ فرائض میں اس کی مشروعیت کا کوئی قائل نہیں، حتی کہ شوافع جو تشہد اول میں درود کے استحباب کے قائل ہیں وہ بھی اس کے بعد دعاء کو مکروہ قرار دیتے ہیں، "المجموع" (۳/۴۶۲) اسی لئے پاکستانی محدث علامہ عطاء اللہ بھوجیانی نے اس حدیث سے صرف نفلی نماز میں تشہد اول میں درود کے محض جواز پر استدلال کیا ہے، ملاحظہ ہو: التعلیقات السلفیۃ (۱/۲۰۲)۔

۱- (۱/۱۸۱)

۲۲/۸- بعض نمازیوں کی ایک غلطی دو رکعت والی نماز یعنی فجر، جمعہ اور نوافل میں تورک کرنا[1] اور چار یا تین رکعتوں والی نماز کے قعدۂ اخیرہ میں اس کا ترک کرنا ہے، گرچہ تورک یا اس کا ترک نماز کی صحت میں مخل نہیں، لیکن سنت پر عمل افضل ہے، یعنی تین یا چار رکعت والی نماز کے قعدۂ اخیرہ میں تورک کیا جائے بشرطیکہ بغل کے نمازیوں پر تضییق (تنگی) نہ ہو۔

۲۲/۹- ساتویں تنبیہ: تشہد میں "عباد اللّٰہ الصالحین" میں صالح کی سب سے مشہور تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد ایسا شخص ہے جو حقوق اللہ اور حقوق العباد کی بجا آوری کرنے والا ہو، البتہ اس کے درجات متفاوت ہیں، حکیم ترمذی فرماتے ہیں: کہ جو اس سلام سے نصیب ور ہونا چاہتا ہے جسے مخلوق نماز میں انجام دیتی ہے تو صالح بندہ بنے، ورنہ وہ اس فضل عظیم سے محروم ہو گا۔

۲۲/۱۰- آٹھویں تنبیہ: امام قفال اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں:

۱- اس مسئلہ میں یہی مذہب اقرب الی الصواب ہے، اس لیے کہ جامع ترمذی (۲۹۲) میں مروی وائل بن حجرؓ کی روایت کہ "نبی اکرمؐ جب تشہد کے لئے بیٹھتے تو بایاں پاؤں بچھاتے اور دایاں پاؤں کھڑا کرتے" اور صحیح مسلم (۴۹۸) میں عائشہؓ کی روایت کہ "نبی اکرمؐ ہر دو رکعت کے بعد التحیات پڑھتے اور بایاں پاؤں بچھا کر دایاں پاؤں کھڑا کرتے" صراحت کرتی ہے کہ ہر بیٹھک میں افتراش ہے، اس لیے کہ پہلی روایت میں مطلقاً قعدہ میں افتراش کا ذکر ہے خواہ وہ اول ہو یا آخر، اس کے بعد سلام پھیرا جائے یا نہیں، اس حکم عام سے صرف وہی قعدہ الگ ہو سکتا ہے جس کا استثناء ابو حمید ساعدیؓ کی روایت میں ہے، اور ان کی رویت میں صرف ثلاثی اور رباعی نماز کے قعدہ اخیرہ میں تورک کا ذکر ہے، اس حدیث کے بعض طرق کے الفاظ "فإذا كانت الجلسة التي فيها التسليم" سے بظاہر یہ وہم ضرور ہوتا ہے کہ تورک ہر اس تشہد میں مشروع ہے جس کے بعد سلام ہو، لیکن حدیث کے سیاق سے اس مفہوم کی قطعاً نفی ہوتی ہے کیوں کہ انھوں نے قعدہ اولی میں جلوس کی کیفیت بیان کی کہ آپؐ اس میں افتراش کرتے تھے پھر فرمایا "فإذا جلس في الركعة الآخرة" اور ابوداود (۹۶۵) کی روایت میں ہے: "فإذا كانت الرابعة" حدیث کا یہ سیاق اس بات پر صراحتاً دال ہے کہ وہ تشہد جس کے بعد سلام ہو اس سے مراد ثلاثی اور رباعی کا تشہد اخیر ہے، اور اس کے علاوہ کسی بھی روایت میں تشہد اول میں تورک کا ثبوت نہیں لہذا درست مذہب وہی ہے جسے مؤلف نے اختیار کیا ہے، اسی کو علامہ ابن قیم اور شیخ ابن باز وغیرہ نے راجح قرار دیا ہے۔

"ترک صلوٰۃ کا ضرر تمام مسلمانوں کو پہنچتا ہے اس لیے کہ نمازی لازمی طور پر تشہد میں ۔"السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین" کہتا ہے، لہذا تارک صلوٰۃ اللہ تعالیٰ کے حق میں کوتاہ ہونے کے ساتھ اپنے رسول کے حق میں، خود اپنے حق میں اور تمام مسلمانوں کے حق میں کوتاہ ہوگا، اسی لیے ترک صلوٰۃ کا گناہ عظیم ترین ہے۔

۱۱/ ۲۲- نویں تنبیہ: بعض لوگ دونوں سجدہ کے درمیان کی دعاء ترک کر کے اس کے بدلے "اللهم خل عني" یا اس جیسی کوئی غیر ثابت شدہ دعاء پڑھتے ہیں۔

۱۲/ ۲۲- نماز میں شہادت کی انگلی کو حرکت دینے والے پر نکیر

عَنْ وَائِلِ بِنِ حُجْرٍ رَضِي اللّٰه عَنْهُ، قَالَ: لانْظُرَنَّ إلَى رَسُوْ لِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ يُصَلِّي ،فَنَظَرتُ إليهِ فَكَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ.....إلي ان قالِ: ثُمَّ قَعَدَ...ثُمَّ رَفَعَ إصْبَعَهُ وَرَأَيْتُهُ يُحَرِّكُهَا ، يَدْعُوا بِهَا .

یعنی: وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے ارادہ کیا کہ ضرور نبی اکرم ﷺ کی نماز کی کیفیت دیکھوں گا، تو میں نے دیکھا، آپ نے تکبیر کہی اور رفع یدین کیا.... مزید فرمایا: پھر آپ بیٹھے، پھر شہادت کی انگلی اٹھائی اور میں نے دیکھا آپ اس کو حرکت دیتے اور اس کے ذریعہ دعاء کرتے تھے[1]۔

یہ صحیح روایت انگلی کو حرکت دینے پر صراحتاً دال ہے، نیز نبی اکرم ﷺ کے اس فعل کی کیفیت کا بیان "یرفع" کے ذریعہ ہے، اور یہ فعل مضارع ہے، جو نمازی کے سلام پھیرنے اور نماز سے فراغت تک اس کے استمرار پر دلالت کرتا ہے، نبی اکرم

۱- اس حدیث کی تخریج صفحہ: (۷۷) پر گذر چکی۔

ﷺ کا قول "یدعو بھا" بھی اسی پر دال ہے، لہذا فقہاء کا انگلی اٹھانے کو لفظ جلالہ (اللہ) یا استثناء (اِلا اللہ) کے ساتھ مخصوص کرنا بے دلیل ہے، سابقہ تفصیل کی روشنی میں اس شخص کی غلطی نمایاں ہو جاتی ہے جو مذکورہ مشروع کیفیت پر انگلی کو حرکت دینے والے کی نماز کے بطلان کا فتویٰ دیتا ہے۔

اخیر میں درج ذیل امور پر تنبیہ ناگزیر ہے:

۱۳ا/۲۲- پہلی تنبیہ: بعض روایات میں وارد ہے:

رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ قَاعِدٌ فِي الصَّلاةِ.... رَافِعًا إِصْبَعَهُ السَّبَّابَةَ وَ قَدْ حَنَاهَا شَيْئًا وَهُوَ يَدْعُوْ.

میں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز میں اس حالت میں بیٹھے ہوئے دیکھا کہ آپؑ شہادت کی انگلی اٹھائے ہوئے تھے، اسے تھوڑا سا جھکا رکھا تھا اور دعاء کر رہے تھے[۱] لیکن یہ حدیث سنداً ضعیف ہے[۲]۔

ہمارے شیخ علامہ البانیؒ فرماتے ہیں: انگلی جھکانے کا ثبوت اس حدیث کے سوا مجھے کہیں نہیں ملا، اور چونکہ یہ حدیث ضعیف ہے لہذا یہ عمل مشروع نہیں[۳]۔

۱۴ا/۲۲- دوسری تنبیہ: بعض روایات میں وارد ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے شہادت

۱- سنن نسائی: کتاب السہو: باب احناء السبابۃ فی الاشارۃ (۱۲۷۴)، سنن ابو داود: تفریع ابواب الرکوع والسجود: باب الاشارۃ فی التشہد (۹۹۱) مسند احمد (۴۷۱/۳) سنن ابن ماجہ: کتاب اقامۃ الصلاۃ والسنۃ فیھا: باب الاشارۃ فی التشہد (۹۱۱)۔ صحیح ابن خزیمہ: کتاب الصلاۃ: باب حنی السبابۃ عند الاشارۃ بھا (۷۱۶)

۲- اس لیے کہ اس میں مالک بن نمیر خزاعی موجود ہیں، ان کے بارے میں امام ابن القطان اور ذہبی نے کہا: "لایعرف حال مالک ولا روی عن ابیہ غیرہ" تہذیب التہذیب (۲۴/۱۰) حافظ نے بھی "تقریب" میں ان کے "لین الحدیث" ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اسی بنیاد پر علامہ البانی نے ضعیف سنن ابی داود (۹۶) اور تمام المنۃ (۲۲۲) میں حدیث کی تضعیف کی ہے، نیز ضعیف سنن نسائی (۴۴) میں "منکر بزیادۃ الاحناء" کہا ہے۔

۳- تمام المنۃ (۲۲۳)

کی انگلی سے اشارہ کیا پھر سجدہ کیا،اس کی روشنی میں دونوں سجدوں کے درمیان بھی اشارہ مشروع ہوگا، لیکن یہ روایت ان تمام روایتوں کے مخالف ہے جن میں سجدہ کاذکر اشارہ سے پہلے ہے،لہذا یہ روایت شاذ ہوگی اور اس کی بنیاد پر دونوں سجدوں کے درمیان شہادت کی انگلی کو حرکت دینا نمازی کے لیے مشروع نہیں ہوگا۔

۱۵ر۲۲- تیسری تنبیہ: بائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے اشارہ کرنا مکروہ ہے، حتی کہ اگر کسی کا داہنا ہاتھ کٹا ہوا ہو تو وہ اشارہ نہیں کرے گا،اس لیے کہ بائیں کو دائمی طور پر پھیلا کر رکھنا ہی سنت ہے۔

۱۶ر۲۲-چوتھی تنبیہ: بعض نمازی شہادت کی انگلی کو حلقہ (دائرہ) کی شکل میں حرکت دیتے ہیں اور یہ تصور رکھتے ہیں کہ ان کے اس فعل کی دلیل وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی سابقہ حدیث ہے کہ "نبی اکرم ﷺ کو دیکھا، آپ انگوٹھا اور بیچ کی انگلی کا حلقہ بنائے ہوئے تھے"۔

لیکن یہ حدیث کا غلط مفہوم ہے،اس کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ انگوٹھا اور وسطی (درمیانی انگلی) کو حلقہ (دائرہ) کی شکل میں رکھتے تھے۔

حرکت میں بعض نمازیوں کی ایک غلطی یہ بھی ہے کہ انگلی اٹھاتے اور گراتے رہتے ہیں یہ فعل طریقہ نبوی کے خلاف ہے،درست مذہب انگلی کو اٹھانا اور اسی حالت میں اس کو حرکت دینا ہے خواہ اوپر نیچے ہو یا دائیں بائیں،کیوں کہ تعیین کی حدیث ثابت نہیں۔

سلام سے متعلق تین غلطیاں:

سلام نماز کے ارکان و فرائض میں سے ایک رکن و فرض ہے،اس کے بغیر نماز درست نہیں،یہی جمہور صحابہ و تابعین اور ان کے بعد علماء کا مذہب رہا ہے،اس سلسلہ

کی چند غلطیاں درج ذیل ہیں:

۱۷/۲۲۔ **پہلی غلطی**: یہ دیکھا جاتا ہے کہ بعض لوگ سلام پھیرنے کے بعد داہنے ہاتھ سے دائیں طرف اور بائیں ہاتھ سے بائیں طرف اشارہ کرتے ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شروع میں ایسا کرتے تھے، پھر نبی اکرم ﷺ نے اس سے منع کر دیا، جیسا کہ درج ذیل حدیث میں صراحت ہے:

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ: كُنَّا إِذَا صَلَّيْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْنَا: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ، وَأَشَارَ بِيَدِهِ إِلَى الْجَانِبَيْنِ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَا لِيَ أَرَاكُمْ تَرْفَعُونَ أَيْدِيَكُمْ كَأَنَّهَا أَذْنَابُ خَيْلٍ شُمْسٍ»؟ فتركوا الرفع واكتفوا بالتسليم .

یعنی: جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ہم جب نبی اکرم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے تو نماز کے اختتام پر دائیں بائیں ”السلام علیکم ورحمۃ اللہ“ کہتے ہوئے ہاتھ سے اشارہ بھی کرتے تھے، یہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میں تمھیں اس طرح ہاتھ اٹھاتے ہوئے دیکھ رہا ہوں گویا وہ بدکے ہوئے گھوڑوں کی دم ہیں“، تو لوگوں نے ہاتھ اٹھانا ترک کر دیا، اور سلام پر اکتفاء کرنے لگے[۱]۔

۱۸/۲۲۔ **دوسری غلطی**: (لفظ ”سلام“ کو زیادہ کھینچنا) مستحب ہے کہ اس لفظ کو بغیر کھینچے ہوئے ادا کیا جائے، اس میں مدنہ کیا جائے، ابن سید الناس فرماتے ہیں: میں اس سلسلے میں علماء کے درمیان اختلاف نہیں جانتا۔

۱۔ اس کی تخریج صفحہ (۸۳) پر گزر چکی ہے۔

۱۹/ ۲۲- تیسری غلطی: شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص داہنی طرف سلام پھیرنے کے بعد "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" "أسئلك الفوز بالجنة" اور بائیں طرف سلام پھیرنے کے بعد "السلام علیکم أسألك النجاة من النار" کہتا ہے، کیا یہ مکروہ ہے؟۔

آپ نے جواب دیا: "الحمد للہ! جی ہاں یہ مکروہ ہے، اس لیے کہ یہ بدعت ہے، کیوں کہ نہ تو نبی اکرم ﷺ نے ایسا کیا ہے، اور نہ ہی علماء میں سے کسی نے اسے مستحب قرار دیا ہے، نیز یہ نماز میں ایسے مقام پر دعاء کا ایجاد کرنا ہے جو اس کا محل نہیں، اس میں سے ایک کے ذریعہ نمازی دونوں سلاموں کے درمیان فصل کرتا ہے، نیز دوسرے سے ایک سلام کو متصل کرتا ہے جب کہ کسی کے لیے مشروع صفت میں فصل کرنا جائز نہیں، اس کی مثال ویسے ہی ہے جیسے کوئی کہے سمع الله لمن حمده، أسألك الفوز با لجنة، ربنا ولك الحمد" أسألك النجاة من النار" وغیرہ[۱]۔

۲۰/ ۲۲- بعض لوگ کسی متفق علیہ ناقض وضوء مثلاً حدث کے ذریعہ نماز باطل ہو جانے کے بعد بغیر سلام کے نماز سے نہیں نکلتے، اس عمل کی کوئی ضرورت نہیں اس لیے کہ اب کوئی ایسی چیز باقی نہیں رہی جس سے تحلل ہو (یعنی نماز سے باہر نکلے)۔

☆☆☆

۱- مجموع فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہ (۲۲/ ۴۹۰-۴۹۱)

چوتھی فصل

مسجد اور باجماعت نماز سے متعلق نمازیوں کی غلطیاں

یہ فصل درج ذیل نکات پر مشتمل ہے:

☆ اذان سے اقامت تک کی غلطیاں۔

☆ اقامت سے تکبیر تحریمہ تک کی غلطیاں۔

☆ تکبیر تحریمہ سے سلام تک کی غلطیاں۔

☆ باجماعت نماز کے ثواب سے متعلق نمازیوں کی غلطیاں، نیز اس سے پیچھے رہنے والوں کی بعض غلطیاں اور نماز باجماعت ترک کرنے والوں کے حق میں وعید شدید

اذان سے اقامت تک کی غلطیاں

☆ مؤذن اور اذان سننے والوں کی بعض غلطیاں۔

☆ مسجد جاتے ہوئے تیز چلنا اور انگلیوں کے درمیان تشبیک کرنا۔

☆ اذان کے بعد مسجد سے نکلنا۔

☆ دو آدمیوں کا مسجد میں داخل ہو کر اس کے آخری حصے میں اقامت اور امام کی تکبیر تک گفتگو میں مشغول ہونا۔

☆ تحیۃ المسجد ترک کرنا نیز اس کے اور سنت قبلیہ کے لیے سترہ کا اہتمام نہ کرنا۔

☆ اقامت سے پہلے سورۃ اخلاص پڑھنا۔

☆ اقامت کے بعد نفلی نماز پڑھنا۔

☆ صبح صادق کے بعد فجر کی دو رکعت سنت کے علاوہ بے سبب والی نوافل ادا کرنا۔

☆ جماعت میں حاضر ہونے سے قبل لہسن، پیاز اور ایسی چیزیں استعمال کرنا جن سے نمازیوں کو اذیت ہوتی ہے۔

۲۳-مؤذن اور اذان سننے والوں کی بعض غلطیاں

اس دور کا ایک افسوس ناک امر نیز مسجد کی بربادی اور اس کے منارے کی بے رونقی کے سلسلے کی ایک کڑی یہ بھی ہے کہ بہت سے اذان دینے والے خود اس سے نابلد اور شریعت کی نظر میں اس ذمہ داری کی عظمت سے ناواقف ہوتے ہیں، ہم نے بعض مؤذنوں کو اس طرح اذان کہتے سنا جیسے وہ اسے جانتے ہی نہیں، بلکہ ان کی اذان سننے والا یہ فیصلہ نہیں کر پاتا کہ وہ اذان دے رہے ہیں یا رو رہے ہیں یا چیخ رہے ہیں، ذیل میں ہم اذان کے حکم، اس کی کیفیت اور طریقے سے متعلق چند غلطیوں کا ذکر کر رہے ہیں:

۱ر ۲۳-لوگوں کے یہاں مشہور ہے کہ حضر (حالت اقامت) میں مردوں کی جماعت کے لیے اذان مندوب ہے (واجب نہیں)، یہ بات بلا شبہ باطل ہے، یہ کیسے درست ہو سکتا ہے جب کہ اذان ایسا عظیم ترین اسلامی شعار ہے جسے نبی اکرم ﷺ غزوہ کی جانے والی سرزمین میں نہ سننے پر ان پر یلغار کرتے، اور جب اذان کی آواز سن لیتے تو اپنے اس ارادے سے رک جاتے، جیسا کہ صحیحین اور دیگر کتب حدیث میں ثابت ہے [۱] نیز متعدد صحیح احادیث میں اس کا حکم موجود ہے [۲] جب کہ وجوب اس سے کم تر دلیل سے ثابت ہوتا ہے، لہذا حق یہی ہے کہ اذان فرض کفایہ ہے، اسی کو شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اختیار کیا ہے [۳] نیز یہی مالکیہ، حنابلہ، عطاء، مجاہد اور اوزاعی کا مذہب ہے [۴]۔

۱- ملاحظہ ہو: صحیح بخاری (۶۱۰)، صحیح مسلم (۳۸۲)، جامع ترمذی (۱۶۱۸)، سنن أبوداود (۲۶۳۴)

۲- مثلاً: مالک بن حویرث کی حدیث: " فإذا حضرت الصلوٰة فليؤذن لكم أحدكم الخ" جو صحیح بخاری (۶۲۸، ۶۳۱)، صحیح مسلم (۶۷۴) وغیرہ میں مروی ہے۔

۳- مجموع فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ (۲۲/ ۶۴)

۴- نیل الاوطار (۲۰/ ۱۰) المغنی (۲/ ۷۳)

۲/۲۳-اذان کے بعد باآواز بلند درود وسلام پڑھنا

جیسا کہ اس دور کے اکثر مؤذنوں کی عادت ہے، یہ عمل بدعت اور طریقہ نبوی ﷺ کے صراحتاً مخالف ہے[1]، بلکہ اذان کے بعد مؤذن کا خاموشی سے درود و سلام پڑھنا بھی خالی از دلیل ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ یہ فرمان نبوی ﷺ: "جب مؤذن کی اذان سنو تو تم وہی کہو جو مؤذن کہتا ہے پھر مجھ پر درود پڑھو" کے عموم میں داخل ہے[2] تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں خطاب سامعین سے ہے جنہیں اذان کا جواب دینے کا حکم دیا گیا ہے، اس میں خود مؤذن داخل نہیں، ورنہ یہ لازم آئے گا کہ مؤذن خود اپنے ادا کردہ کلمات کا جواب دے، اس کا کوئی قائل نہیں، بلکہ یہ دین میں ایک بدعت ہے[3]۔

۳/۲۳-دوسری غلطی: اذان میں ایسا لحن وراگ اختیار کرنا جس سے حروف اور

۱- ملاحظہ ہو: الدر المختار: (۱/۳۹۰) مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ: (۲۲/۴۶۸ تا ۴۷۰) الابداع فی مضار الابتداع: (ص ۱۷۳-۱۷۵)، تمام المنۃ: (ص: ۱۵۸)

۲- صحیح مسلم: کتاب الصلاۃ: باب استحباب القول مثل قول المؤذن لمن سمعہ ثم یصلی علی النبی ثم یسال اللہ لہ الوسیلۃ (۳۸۴)

۳- مؤلف کا یہ دعویٰ صحیح نہیں، اس لیے کہ خود امام احمد بن حنبل کے متعلق المغنی (۲/۸۸) میں صراحت ہے کہ جب وہ اذان کہتے تو سرا ان کلمات کا جواب بھی دیتے، اسی طرح علامہ نووی نے المجموع (۳/۱۲۴) میں صراحت کی ہے کہ اذان سننے والوں کی طرح مؤذن کے لئے اذان کے بعد درود شریف اور دوسری دعاء پڑھنا مستحب ہے، گویا کہ امام موصوف نے مؤذن کو بھی اس عموم میں شامل کیا، اس کے خلاف مجھے کوئی تحریر نہیں مل سکی، اس لیے بلا جھجھک کہا جا سکتا ہے کہ یہی موقف حق ہے۔ کیوں کہ مذکورہ حدیث یا اس جیسی دوسری حدیثوں سے اذان سننے والوں کی تعیین، نیز ان کے اور مؤذن کے درمیان تفریق مقصود نہیں، بلکہ جواب میں کہے جانے والے کلمات نیز دیگر اذکار اور ان کے محل کی تبیین و تعیین مقصود ہے، البتہ اذان کے کلمات کا جواب مؤذن اس لیے نہیں دیتا کہ وہ خود یہ کلمات ادا کرتا ہے اور ان پر مرتب اجر حاصل کر چکا ہوتا ہے، نیز اذان کے دوران بحیثیت مؤذن اس کی مخصوص ذمہ داری ہے، جس کی ادائیگی ہی کا وہ مکلف ہے، لیکن اذان کے بعد اس کی حیثیت عام لوگوں کی ہوتی ہے لہذا اس کے لیے بھی وہ چیزیں مستحب ہوں گی جو اوروں کے لیے ہیں، الا یہ کہ تخصیص کی کوئی دلیل ہو، صیغہ خطاب سے اس کی تخصیص درست نہیں، اس لیے کہ اس میں اغلبیت کی رعایت ہے، مؤذن سے احتراز مقصود نہیں، نیز صحیح نقل کی روشنی میں علماء کا متفقہ فیصلہ ہے کہ نبی اکرم کا نام جب آئے تو درود پڑھنا مستحب ہے، اور اذان میں آپ کا نام چار دفعہ یا دو دفعہ آتا ہے، اس لئے مؤذن کے لیے اس کے بعد درود پڑھنا مستحب ہوگا۔

حرکات وسکنات میں تبدیلی اور کمی زیادتی لازم آئے.....

۲۳/۴- تیسری غلطی: طرب و سرور گانے اور آواز میں سر نکالنے میں مشہور مؤذنوں کی آواز سننے کی چاہت کے باعث ٹیپ رکارڈ سے اذان کی بدعت پھیلی، اس میں ایک قباحت یہ ہے کہ بسا اوقات وہ سہواً دن کی اذان کے لیے اذان فجر کی ریل لگا دیتے ہیں [1] اور وہ آلہ دن میں "الصلوٰۃ خیر من النوم" پکارتا رہتا ہے، یا اذان کے بعد ریل جاری رہتی ہے جب کہ اس میں موسیقی یا گانا ہوتا ہے۔

۲۳/۵- فقہ حنبلی کی کتاب "شرح العمدۃ" میں ہے: اذان سے قبل مؤذن کا "وقل الحمد الذي لم يتخذ ولدا" [2] پڑھنا اسی طرح اذان کو اس کے بعد کسی ذکر سے متصل کرنا مکروہ ہے، اس لیے کہ یہ نوایجاد امر ہے [3] نیز حنبلی فقہ کی کتاب "الاقناع" [4] اور اس کی "شرح" میں ہے:

۱- مذکورہ سبب سے اخیر میں بعض اسلامی ممالک میں اذان موحد (گاؤں یا شہر کی تمام مسجدوں میں بذریعہ مائک ایک اذان) کی بدعت پھیلی ہے، ایک دفعہ ایک مجلس میں میری ملاقات اذان موحد کا فتوی دینے والے بعض مشائخ سے ہوگئی، میں نے ان کے سامنے اس اذان کے نتیجے میں بہت سے لوگوں سے فوت ہونے والے ثواب کا مسئلہ رکھا، تو انھوں نے کہا کہ یہ جائز ہے، لیکن افضل نہیں۔ پھر میں نے اس میں موجود سر اور گانے کو ذکر کیا، تو کہا کہ یہ ہر اذان میں ممنوع ہے پھر میں نے کہا کہ اذان ایسا عمل ہے جو نیت کا محتاج ہے، تو کہا کہ نیت تو اس میں پائی جاتی ہے، تب میں نے کہا کہ تم امام موحد کو جائز قرار دیتے ہو؟ کیوں کہ بعض ائمہ غیر متقن اور بعض سرے سے نابلد ہوتے ہیں، میں نے مزید وضاحت کی کہ اس دور میں ایسے وسائل موجود ہیں جن کی مدد سے امام کی تصویر ایک مسجد میں ظاہر ہونے کے ساتھ ان تمام مساجد میں نمایاں ہوتی ہے جو اس سسٹم سے جڑی ہیں، اس نماز کے سلسلے میں آپ کا کیا فیصلہ ہے؟ ان میں سے بعض ریڈیو کے پیچھے نماز نیز اس کے ذریعہ خطبہ جمعہ کے جواز پر کتابچہ بھی تحریر کر چکے ہیں، اس کا جواب انھوں نے دیا کہ یہ ممنوع ہے، تب میں نے کہا کہ دونوں صورتوں میں کیا فرق ہے؟ تو ان پر سکوت طاری ہوگیا۔ دراصل موفق وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ توفیق دے۔ اس اذان کا ممنوع ہونا ثابت ہو جانے کے بعد یہ امر غور طلب ہے کہ کیا اس اذان کا جواب دینا مسنون ہے جو اس مخالفت پر مشتمل ہو یا نہیں؟ (مؤلف)۔

۲- سورۃ الاسراء: ۱۱۱

۳- ملاحظہ ہو: الاقناع (۱/۱۲۰)

۴- (۱/۲۲) باب الاذان والاقامۃ

فجر سے پہلے اذان دینے کی جگہوں سے جو بھی تسبیح، شعر خوانی، باآواز بلند دعاء وغیرہ ہوتی ہے غیر مسنون ہے، علماء میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو اس کے استحباب کا قائل ہو، بلکہ یہ مکروہ بدعات میں سے ہے اس لیے کہ عہد نبوی اور عہد صحابہ میں نہ تو اس کا وجود ہی تھا، اور نہ ہی ان ادوار میں اس کی کوئی اصل ہی ملتی ہے جس سے اس کو ملحق کیا جائے، لہذا کسی کے لیے اس کا حکم دینا یا اس کے تارک پر نکیر کرنا یا اس سے رزق کو جوڑنا جائز نہیں، اس لیے کہ یہ بدعت پر تعاون ہے، حتیٰ کہ اگر واقف (وقف کرنے والے) نے اس کی شرط بھی لگا رکھی ہے تب بھی مخالف سنت ہونے کے باعث اس کو انجام دینا لازم نہیں۔

۶/۲۳- پانچویں غلطی: مسجد کے اندر اذان دینا:

لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ مسجد کے اندر اذان کہنا درج ذیل امور کے باعث مشروع نہیں:

۱- مسجد کے اندر تلاوت، نماز اور ذکر واذکار میں مشغول لوگوں کو خلل ہوتا ہے۔

۲- مؤذن اپنے جسم کے ساتھ ظاہر نہیں ہوتا، کیوں کہ یہ بھی اس عظیم اسلامی شعار (اذان) کا ایک حصہ ہے۔

اوپر چڑھ کر اذان دینے کا فائدہ یہ ہے کہ بسا اوقات برقی قوت منقطع ہو جاتی ہے اور مؤذن اپنی اذان مسجد کے اوپر سے لوگوں تک پہنچاتا رہتا ہے، لیکن جب اذان مسجد کے اندر ہو تو اس صورت میں یہ چیز حاصل نہیں ہو پائے گی جیسا کہ واضح ہے[1]۔

۱- ممکن حد تک بلند آواز سے اذان کہنا شرعاً مطلوب ہے، جیسا کہ صحیح بخاری (۶۰۹) وغیرہ میں صراحت ہے۔ نیز اذان کا خواب عبداللہ بن زیدؓ کے دیکھنے کے باوجود بلالؓ کی بحیثیت مؤذن تعیین کی یہی علت تھی، اسی طرح اس کے لیے مسجد سے باہر اونچی سے اونچی جگہ اختیار کرنا، دوران اذان شہادت کی انگلی کان میں داخل کرنا، حیعلتین (حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح) میں چہرہ دائیں بائیں گھمانا، یہ تمام چیزیں اسی لیے تھیں تاکہ آواز بلند رہے، الغرض اس دور میں آواز بلند کرنے کے جتنے بھی طریقے تھے ان تمام کو رسول اکرمؐ نے اختیار کیا، اور چونکہ =

۷/۲۳ ۔ چھٹی غلطی: صبح کی دوسری اذان میں تثویب کرنا اور اسے قبل از وقت کہنا۔

مؤذنوں کی ایک غلطی یہ بھی ہے کہ وہ صبح کے لیے صرف ایک اذان کہتے ہیں، ان میں سے جو دو اذانوں کا اہتمام کرتے ہیں وہ درج ذیل غلطیوں کے مرتکب ہوتے ہیں:

۱- وقت سے پہلے اذان۔

۲- صبح کی اذان ثانی میں تثویب، یہ دوسری غلطی ہے کیوں کہ تثویب صرف پہلی اذان میں مشروع ہے[۱] جو وقت سے تقریباً پندرہ منٹ پہلے ہوتی ہے، جیساکہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی درج ذیل حدیث میں صراحت ہے کہ صبح کی پہلی اذان میں "الصلوۃ خیر

= جدید آلہ (لاؤڈ اسپیکر) آواز کو بلند کرنے میں ان طریقوں سے کہیں زیادہ مؤثر ہے اس لیے اس کا استعمال شارع علیہ السلام کے مقصد کے عین مطابق ہے، لہذا اگر لاؤڈ اسپیکر کا انتظام مسجد سے باہر کسی اونچی جگہ پر ہو سکتا ہے تو ایسا کرنا افضل ہے، اس لیے کہ اس صورت میں سنت پر عمل کے ساتھ مقصود بالسنۃ کی بدرجہ اتم تکمیل ہو گی۔ لیکن اگر یہ صورت مشکل ہے تو مذکورہ سبب کے پیش نظر لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ مسجد کے اندر اذان کہنا اس کے باہر بغیر لاؤڈ اسپیکر کے اذان کہنے سے بہتر ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۱- علماء کے راجح قول کے مطابق تثویب اسی اذان میں مشروع ہے جو صبح صادق طلوع ہونے کے بعد کہی جاتی ہے، اس لئے کہ احادیث میں صراحت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے بلال اور ابو محذورہ کو اذان فجر میں تثویب کا حکم دیا، نیز انس سے مروی ہے کہ "من السنۃ اذا قال المؤذن فی اذان الفجر حی علی الفلاح قال الصلاۃ خیر من النوم" (صحیح ابن خزیمہ، بسند صحیح) اور یہ بات بدیہی طور پر معلوم ہے کہ اذان فجر سے مراد وہ اذان ہے جو صبح صادق طلوع ہونے کے بعد کہی جاتی ہے نا کہ وہ جس کا اہتمام صبح صادق سے پہلے کیا جاتا ہے، اس لیے کہ یہ اذان رات میں اس لیے دی جاتی تھی کہ قیام اللیل میں مشغول حضرات کچھ آرام کر کے صبح کی نماز کے لئے نشیط ہو جائیں اور سونے والے نیند سے بیدار ہو کر نماز صبح کے لئے تیاری کریں، یہ اذان فجر کے وقت کی خبر دینے کے لیے نہیں ہوتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب تک حضرت بلال تنہا مؤذن تھے عہد رسالت میں یہ اذان متروک رہی۔ جن روایتوں میں اذان اول کا ذکر ہے ان سے مراد صبح صادق کے بعد کی اذان ہے، اس کو اول اقامت کے اعتبار سے کہا گیا ہے اس لئے کہ اقامت اذان ثانی ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں صراحت ہے کہ "بین کل اذانین صلاۃ" نیز صحیح بخاری (۶۲۶) میں مروی عائشہ کی حدیث بھی اسی امر پر دال ہے، لہذا تثویب کی مشروعیت کو صبح صادق سے پہلے ہونے والی اذان کے ساتھ مخصوص کرنا درست نہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ دونوں میں مشروع ہے، ویسے احوط یہی ہے کہ ثانی میں اختیار کیا جائے تاکہ دونوں اذانوں میں تفریق ہو جائے۔

من النوم" دوبار کہا جاتا تھا[1]۔

۸/۲۳-اس مقام پر یہ امر قابل ذکر ہے کہ ہمارے زمانے کی متروک سنتوں میں سے پہلی اور دوسری اذان کے لیے الگ الگ مؤذن ہونے کی سنت بھی ہے، جس کے اثبات میں صحیح احادیث وارد ہیں[2]۔ مبارک بادی ہو ان کو جنھیں اللہ تعالیٰ نے اس کے اختیار کرنے کی توفیق دی۔

۹/۲۳- اذان کے دوران انگوٹھوں کو آنکھوں پر پھیرنا، اس سلسلے میں کوئی بھی حدیث ثابت نہیں۔

۱۰/۲۳- مؤذن کی متابعت ترک کرنا، اور بعض عبارتوں کی ادائیگی میں اس سے سبقت کرنا۔

اذان سنتے وقت نمازیوں کی بعض غلطیاں

نمازیوں کا مؤذن کے "لاالہ الا اللہ" کہنے سے پہلے اسے کہنا، جب مؤذن اذان کے آخر میں "اللہ اکبر اللہ اکبر" کہتا ہے تو انہیں "لاالہ الا اللہ" کہتے ہوئے سنا جاتا ہے، اس طور پر ان سے مؤذن کے قول کی طرح قول بھی فوت ہو جاتا ہے، چہ جائے کہ اس پر سبقت ہو۔

۱۱/۲۳- کامل سنت یہ ہے کہ تمام احادیث پر عمل کرتے ہوئے اذان سننے والا مؤذن کے قول: "حی علی الصلاۃ" اور "حی علی الفلاح" پر وہی کلمہ دہرائے، پھر "لاحول

۱- سنن کبریٰ (۱/ ۴۲۳) کتاب الصلاۃ: باب التثویب فی اذان الصبح (۱۹۸۶) شرح معانی الآثار (۱/ ۱۳۷)، اس کی سند حسن ہے جیسا کہ حافظ نے التلخیص (۱/ ۲۱۲) میں صراحت کی ہے۔

۲- ملاحظہ ہو: صحیح بخاری: کتاب الاذان: باب اذان الاعمیٰ اذا کان لہ من یخبرہ (۶۱۷)، صحیح مسلم: کتاب الصلاۃ: باب استحباب اتخاذ مؤذنین للمسجد الواحد (۳۸۰) کتاب الصیام: باب بیان ان الدخول فی الصوم یحصل بطلوع الفجر وان لہ الاکل وغیرہ حتی یطلع الفجر الخ (۱۰۹۲)۔

ولا قوۃ الا باللہ" پڑھے، کیوں کہ تمام دلائل کو عمل میں لانا ان کو یا ان میں سے بعض کو چھوڑنے سے بہتر ہے، اس کا مقصد یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو مؤذن کے قول پر لبیک کہنے کی دعوت بھی دے، اور اپنی طاقت و قوت سے اظہار برأت بھی کرے[1]۔

۱۲/ ۲۳- اذان کے بعد کی دعاء میں بعض ایسے الفاظ کی زیادتی کرنا جو رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں مثلاً: "والدرجة الرفيعة" یا "أرحم الراحمين" اور "إنك لا تخلف الميعاد"[2] اسی طرح مغرب کی اذان کے بعد "اللهم إن هذا إقبال ليلك وإدبار نهارك"[3] اور صبح کی اذان میں "الصلوة خير من النوم" کے جواب میں "صدقت وبررت" کہنا[4] نیز اذان سنتے وقت "مرحبا بذكر الله" یا "مرحبا بالقائلين عدلا ومرحبا بالصلوة أهلا" کہنا،

۱- عمر اور ابو رافع رضی اللہ عنہما کی تفصیلی روایات جن میں صراحت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حیعلتین کے جواب میں "لاحول ولا قوۃ الا باللہ" کہا، ان سے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ یا اس طرح کی دوسری اجمالی روایات کی تفسیر ہو جاتی ہے کہ ان تمام میں مثلیت حیعلتین کے علاوہ میں مطلوب ہے، لہٰذا اولیٰ یہی ہے کہ ان دونوں کے جواب میں "لاحول ولا قوۃ الا باللہ" پر اکتفاء کیا جائے جیسا کہ جمہور کا مذہب ہے، البتہ مؤلف کا ذکر کردہ موقف جسے بعض علماء نے اختیار کیا ہے اس پر عمل بھی جائز و درست ہے۔

۲- "الدرجۃ الرفیعۃ" کی زیادتی عمل الیوم واللیلہ لابن السنی (۷ ۳-۳۸) میں ہے۔ لیکن یہ مدرج ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر نے "التلخیص الحبیر" (۱/۲۲۱) اور سخاوی نے "المقاصد الحسنۃ" (۲۱۲) میں صراحت کی ہے کہ حدیث کے کسی طریق میں یہ زیادتی نہیں ہے۔ "یا ارحم الراحمین" کی زیادتی المحرر للرافعی میں ہے، لیکن یہ بھی حدیث کے کسی طریق میں ثابت نہیں جیسا کہ حافظ نے صراحت کی ہے۔ "انک لا تخلف المیعاد" کی زیادتی سنن بیہقی (۱/ ۶۰۳-۶۰۴) کتاب الصلاۃ: باب مایقول اذا فرغ من ذلک" میں ہے، لیکن یہ شاذ ہے جیسا کہ علامہ البانی نے صراحت کی ہے، ارواء (۱/۲۶۰)

۳- یہ دعا سنن ابو داود: کتاب الصلاۃ: باب مایقول عند اذان المغرب (۵۳۰) جامع ترمذی (۳۵۸۹) مستدرک حاکم (۱/ ۳۱۴) میں ثابت ہے، امام حاکم نے فرمایا: "حدیث صحیح ولم یخرجاہ" ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے، اور حافظ ابن حجر نے ان کی تصحیح پر التلخیص الحبیر (۱/۲۲۱) میں سکوت اختیار کیا ہے، البتہ علامہ البانی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے، اس لیے کہ اس میں ابو کثیر مولیٰ ام سلمہ مجہول ہیں جیسا کہ امام نووی وغیرہ نے صراحت کی ہے۔ (ملاحظہ ہو: مشکوۃ بتعلیق البانی (۱/ ۲۱۲))، حافظ ابن حجر نے تقریب میں "مقبول" (یعنی لین) کہا ہے۔

۴- یہ دعا بے اصل ہے جیسا کہ حافظ نے التلخیص الحبیر (۱/ ۲۲۲) میں صراحت کی ہے۔

کیوں کہ اس سلسلے میں وارد حدیث بے اصل ہے[1]۔

۲۴- مسجد جاتے ہوئے تیز چلنا اور انگلیوں کے درمیان تشبیک کرنا

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا سَمِعْتُمْ الإِقَامَةَ فَامْشُوا إِلَى الصَّلاةِ، وَعَلَيْكُمْ بِالسَّكِينَةِ وَالْوَقَارِ، وَلا تُسْرِعُوا فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوا وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوا».

یعنی: جب تم تکبیر سنو تو نماز کے لیے (معمول کے مطابق چال سے) چلتے ہوئے آؤ اور اپنے اوپر سکون و وقار لازم کر لو، دوڑو نہیں، پھر جتنی نماز ملے وہ پڑھو اور جو فوت ہو جائے اسے پورا کر لو[2]، نیز آپ ہی سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"إِذَا تَوَضَّأَ أَحَدُكُمْ لِلصَّلاةِ فَلا يُشَبِّكْ بَيْنَ أَصَابِعِهِ".

یعنی: جب تم میں سے کوئی نماز کے لیے وضو کر لے تو اپنی انگلیوں کے درمیان تشبیک نہ کرے[3]۔

مذکورہ ممانعت اس صورت میں ہے جب آدمی نماز کے ارادے سے مسجد کی طرف چل رہا ہو جیسا کہ کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کی درج ذیل حدیث میں اس کی صراحت ہے:

۱- یہ حدیث کنز العمال (۴/۲۱۰۲۳) میں مذکور ہے۔ لیکن یہ حدیث موضوع ہے جیسا کہ تذکرۃ الموضوعات (۳۵) میں صراحت ہے۔

۲- صحیح بخاری: کتاب الاذان: باب لا یسعی الی الصلاۃ الخ (۶۳۶) کتاب الجمعۃ: باب المشی الی الجمعۃ (۹۰۸)، صحیح مسلم: کتاب المساجد: باب استحباب اتیان الصلاۃ بوقار الخ (۶۰۲)۔

۳- مجمع الزوائد (۱/۲۴۰) بحوالہ معجم اوسط للطبرانی، کنز العمال۔ علامہ البانی نے حدیث کی سند کو حسن قرار دیا ہے، سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ (۱۲۹۴)۔

«إذَاتوَضَّأْتَ فَأَحْسَنْتَ وَضُوْءكَ ثُمَّ خَرَجْتَ عَامِدًا إلَى الْمَسْجِدِ فَلا تُشَبِّكَنَّ بَيْنَ أَصَابِعِكَ ـ أراهُ قال: فِي صَلاةٍ». وفي رواية :«إذَا كُنْتَ فِي الْمَسْجِدِ فَلا تُشَبِّكَنَّ بَيْنَ أَصَابِعِكَ، فَأَنْتَ فِي صَلاةٍ مَا انْتَظَرْتَ الصَّلاةَ».

یعنی: "جب تم اچھی طرح وضو کر کے مسجد کی طرف رخ کرو تو اپنی انگلیوں کے درمیان تشبیک نہ کرو" کیوں کہ اس وقت تم نماز کے حکم میں ہوتے ہو[1]۔

ایک روایت میں ہے کہ جب تم مسجد میں رہو تو اپنی انگلیوں کے درمیان تشبیک نہ کرو، کیوں کہ تم اس وقت تک نماز کے حکم میں ہوتے ہو جب تک اس کا انتظار کرتے رہو[2]۔

اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز کا منتظر نماز پڑھنے والے کے حکم میں ہے، اور تشبیک کی ممانعت ان دونوں کو شامل ہے۔

۲۵-اذان کے بعد مسجد سے نکلنا

[اگر کوئی نمازی کسی مسجد کے اندر ہو اور اسی دوران اذان ہو جائے تو اس مسجد سے نہ نکلے، کیوں کہ حدیث میں ہے:]

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ رَأَى رَجُلا خَرَجَ مِنَ الْمَسْجِدِ بَعْدَ أَن أَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ فَقَالَ: أَمَّا هَذَا فَقَدْ عَصَى أَبَا الْقَاسِمِ ﷺ.

یعنی: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو اذان کے بعد مسجد سے نکلتے ہوئے دیکھا

۱- مسند احمد (۴/ ۲۴۲)، صحیح ابن خزیمہ: جماع ابواب الاذان والاقامۃ: باب النہی عن التشبیک بین الاصابع عند الخروج الی الصلاۃ (۴۴۰)، صحیح ابن حبان (۲۱۴۷)، جامع ترمذی (۳۸۶)، سنن ابوداود: کتاب الصلاۃ: باب الہدی فی المشی الی الصلاۃ (۵۶۲)، الفاظ مسند احمد کے ہیں۔ حدیث صحیح ہے، "صحیح الترغیب والترہیب" (۲۹۴)۔

۲- مسند احمد (۴/ ۲۴۳-۲۴۴)

تو فرمایا: اس شخص نے ابوالقاسم ﷺ کی نافرمانی کی[۱]۔

اذان کے بعد مسجد سے نکلنے کی ممانعت کا سبب شاید درج ذیل فرمان نبوی ہے:

”إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ أَدْبَرَالشَّيْطَانُ وَلَهُ ضُرَاطٌ حَتَّى لَايَسْمَعَ التَّأْذِينَ“

”یعنی: جب اذان دی جاتی ہے تو شیطان ہوا خارج کرتے ہوئے پیٹھ پھیر کر بھاگتا ہوا جاتا ہے یہاں تک کہ اذان کی آواز نہ سن سکے“ [۲]۔

۲۶- دو آدمیوں کا مسجد میں داخل ہو کر اس کے آخری حصے میں اقامت اور امام کی تکبیر تک گفتگو میں مشغول رہنا

۱/۲۶- دو آدمیوں کا مسجد میں داخل ہو کر اس کے پچھلے حصے میں باقی رہنا، اقامت ہوتی ہے تو وہ دونوں مسجد کے پچھلے حصے سے امام کی طرف بڑھتے ہیں، پھر امام تکبیر تحریمہ کہتا ہے، اور وہ دونوں محو گفتگو ہوتے ہیں، یہ عمل صراحتاً مکروہ ہے اس لیے کہ یہ نماز کے ایک حصے سے غفلت و اعراض ہے۔

۲/۲۶- دنیاوی امور اور فلاں اور فلاں کے واقعات پر گفتگو کی خاطر مسجد میں حلقہ بنا کر یا جماعت کی شکل میں بیٹھنا جس پر بعض لوگوں کا عمل ہے ممنوع ہے۔

۲۷- تحیۃ المسجد ترک کرنا نیز اس کے اور سنت قبلیہ کے لیے سترہ کا اہتمام نہ کرنا

مسجد میں داخل ہونے کے بعد بعض لوگوں کی چند غلطیاں:

۱- صحیح مسلم: کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ: باب النھی عن الخروج من المسجد اذا اذن المؤذن (۶۵۵)۔

۲- صحیح بخاری: کتاب الاذان: باب فضل التاذین (۶۰۸)، صحیح مسلم: کتاب الصلاۃ: باب فضل الاذان و ھرب الشیطان عند سماعہ (۳۸۹)۔

۱ر ۲۷- پہلی غلطی: بعض لوگ مسجد کے بیچ یا اس کے آخری حصے میں کھڑے ہوئے پائے جاتے ہیں جب کہ ان کے اور قبلہ کی دیوار کے درمیان چند میٹر کا فاصلہ ہوتا ہے، چنانچہ وہ اپنے سامنے سترہ رکھے یا قبلہ کی دیوار سے قریب ہوئے بغیر ہی نماز پڑھتے ہیں۔

۲ر ۲۷- تحیۃ المسجد کی ادائیگی سے قبل بیٹھنا

آدمی جب مسجد میں داخل ہو تو دو رکعت نماز پڑھنے سے پہلے ہرگز نہ بیٹھے، کیونکہ حدیث میں ہے:

عَنْ أَبِي قَتَادَةَ السَّلَمِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: « إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يَجْلِسَ ».

یعنی: ابو قتادہ سلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز ادا کرلے“[۱]۔

بعض کا خیال ہے کہ بیٹھ جانے سے تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں ساقط ہو جاتی ہیں، یہ غلط بات ہے، کیوں کہ نبی اکرم ﷺ نے اس شخص کو جو جمعہ کے دن مسجد میں داخل ہو کر بیٹھ چکا تھا کھڑے ہو کر دو رکعت نماز پڑھنے، اور اس میں اختصار کرنے کا حکم دیا تھا[۲]۔

۲۸- اقامت سے پہلے سورۂ اخلاص پڑھنا

علامہ جمال الدین قاسمیؒ فرماتے ہیں:

۱- صحیح بخاری: کتاب الصلاۃ: باب اذا دخل المسجد فلیرکع رکعتین (۴۴۴)، صحیح مسلم: کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا: باب استحباب تحیۃ المسجد برکعتین الخ (۷۱۴)۔

۲- ملاحظہ ہو: صحیح بخاری: کتاب الجمعۃ: باب اذا رأی الامام رجلا جاء وھو یخطب امرہ ان یصلی رکعتین (۹۳۰)، صحیح مسلم: کتاب الجمعۃ: باب التحیۃ والامام یخطب (۸۷۵)۔

۱/۲۸- اقامت سے قبل اس اعلان کی خاطر کہ عنقریب نماز قائم کی جائے گی تین بار سورہ اخلاص پڑھنا بدعت ہے، اس کی نہ کوئی اصل ہے نہ ضرورت۔

۲/۲۸- بعض لوگوں کا اقامت کے بعد "إلى شرف المرسلين الفاتحة" یا "إلى أرواح المسلمين" یا "إلى من نحن بحضرته" کہنا بھی اسی بدعت سے ملحق ہے خصوصاً جب کہ مسجد میں کوئی قبر یا مزار ہو۔

۲۹- اقامت کے بعد نفلی نماز پڑھنا

[کسی فرض نماز کے لیے اقامت کے بعد (اقامت شروع ہوتے ہی) اس مسجد میں سوائے اس فرض نماز کے جس کے لیے اقامت کہی گئی ہے کوئی نماز جائز نہیں ہے، کیونکہ حدیث میں ہے]:

عَنْ مَالِكُ ابْنُ بُحَيْنَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى رَجُلاً وَقَدْ أُقِيمَتْ الصَّلَاةُ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ، فَلَمَّا انْصَرَفَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لاثَ بِهِ النَّاسُ، وَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: « الصُّبْحَ أَرْبَعًا الصُّبْحَ أَرْبَعًا ».

مالک ابن بحینہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ فجر کی دو رکعتیں پڑھ رہا تھا، ادھر تکبیر ہو رہی تھی، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں نے اس کو گھیر لیا، رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا: "کیا صبح کی چار رکعتیں پڑھتا ہے"[1]۔

۱- صحیح بخاری: کتاب الاذان: باب اذا اقیمت الصلاۃ فلا صلاۃ الا المکتوبۃ (۶۶۳)۔

۳۰- صبح صادق کے بعد فجر کی دو رکعت سنت کے علاوہ بے سبب والی نوافل ادا کرنا

حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: كَانَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا طَلَعَ الفَجْرُ لا يُصَلِّي إلا رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ .

یعنی: رسول اللہ ﷺ طلوع فجر کے بعد صرف دو ہلکی رکعتیں پڑھتے تھے[1]۔

امام نووی فرماتے ہیں: اس سے ان لوگوں کا استدلال ہے جو صبح صادق کے بعد بجز سنت فجر اور سبب والی نمازوں کے تمام نمازوں کی کراہت کے قائل ہیں، ہمارے اصحاب (شوافع) سے اس مسلک میں تین اقوال منقول ہیں، ان میں سے ایک یہی ہے، اسی کو قاضی عیاض نے امام مالک اور جمہور اہل علم سے نقل کیا ہے[2]۔

۳۱- جماعت میں حاضر ہونے سے قبل لہسن، پیاز اور ایسی چیزیں استعمال کرنا جن سے نمازیوں کو اذیت ہوتی ہے

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي غَزْوَةِ خَيْبَرَ: « مَنْ أَكَلَ مِنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ يَعْنِي الثُّومَ فَلا يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا ».

نبی کریم ﷺ نے غزوۂ خیبر میں فرمایا: "جو شخص اس درخت یعنی لہسن سے کھائے

۱- صحیح مسلم: کتاب صلوۃ المسافرین وقصرھا: باب استحباب رکعتی سنۃ الفجر والحث علیھما وتخفیفھما والمحافظۃ علیھما وبیان ما یستحب ان یقرأ فیھما (۷۲۳)۔

۲- شرح مسلم للنووی (۶/۲-۳)

وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے"[۱]۔

اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: « مَنْ أَكَلَ ثُومًا أَوْ بَصَلًا فَلْيَعْتَزِلْنَا » أَوْ قَالَ: «فَلْيَعْتَزِلْ مَسْجِدَنَا وَلْيَقْعُدْ فِي بَيْتِهِ».

وفي رواية: "مَنْ أَكَلَ مِنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ الْمُنْتِنَةِ فَلَا يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا ، فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَأَذَّى مِمَّا يَتَأَذَّى مِنْهُ الإِنْسُ ".

یعنی: رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: "جو شخص لہسن یا پیاز کھائے وہ ہم سے یا ہماری مسجد سے الگ رہے، اپنے گھر میں بیٹھا رہے"[۲]۔

اور ایک روایت میں ہے کہ "جو کوئی اس بدبودار پودے سے کھائے وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے، کیوں کہ فرشتے بھی ان چیزوں سے اذیت محسوس کرتے ہیں جن سے انسان اذیت محسوس کرتے"[۳]۔

اس بابت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: « مَنْ أَكَلَ مِنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ فَلَا يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا وَلَا يُؤْذِينَا بِرِيحِ الثُّومِ ».

یعنی: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص اس درخت سے کھائے وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے، اور ہمیں لہسن کی بو سے اذیت نہ پہنچائے"[۴]۔

۱- صحیح بخاری: کتاب الاذان: باب ما جاء فی الثوم النئی والبصل والکراث (۸۵۳)، صحیح مسلم: کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ: باب نہی من اکل ثوما او بصلا او کراثا او نحوہ (۵۶۱)۔

۲- صحیح بخاری: کتاب الاذان: باب ما جاء فی الثوم النئی والبصل والکراث (۸۵۵) صحیح مسلم: کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ: باب نہی من اکل ثوما او بصلا او کراثا (۵۶۴)۔

۳- صحیح مسلم (۵۶۴)

۴- صحیح مسلم (۵۶۳)

مذکورہ احادیث سے مستنبط مسائل حسب ذیل ہیں:

۳۱/۱- مسجد میں حاضری کے وقت لہسن اور پیاز کھانا مکروہ ہے، اس لیے کہ اسلام ایسا دین ہے جو دوسروں کے احساس کی رعایت کرتا ہے، نیز ذوق سلیم اور اچھے اخلاق پر ابھارتا ہے۔

لہسن اور پیاز کے حکم میں وہ تمام اشیاء خورد و نوش داخل ہیں جن میں کریہہ بو پائی جاتی ہے۔

۳۱/۲- جب باجماعت نماز سے ممانعت کی علت کریہہ بو (جیسا کہ بعض احادیث میں وارد ہے) اور فرشتوں کا اذیت محسوس کرنا ہے، جنھیں وہ چیزیں اذیت پہنچاتی ہیں جو انسان کو اذیت پہنچاتیں (جیسا کہ دوسری احادیث میں ہے) تو سگریٹ و تمباکو بھی لہسن و پیاز کے حکم میں ہوں گے، بلکہ ان میں کراہت اور سخت ہو گی۔ اسی سے ان لوگوں کی غلطی بھی واضح ہو جاتی ہے جو اپنے جسم اور پوشاک کی نظافت کا خیال نہیں رکھتے، بالخصوص وہ پیشہ ور اور مزدور جن کے لباس سے کریہہ بو نکلتی ہے اور وہ اسی میں مسجد آتے ہیں، نیز وہ لوگ جن کے موزوں سے کریہہ بو آتی ہے اور وہ اس کے ذریعہ بغل یا پیچھے کے نمازیوں کو تنگی میں ڈالتے ہیں، ان کو چاہئے کہ وہ اس سے متنبہ ہوں، اور اللہ رب ارض و سماوات سے ڈریں۔

۳۱/۳- نمازی کا مسجد میں حدث کرنا، یعنی بدبودار ہوا خارج کرنا، اس میں دوسرں کو تکلیف پہنچانے اور مسجد کی فضا آلودہ کرنے کی قباحت پائی جاتی ہے، نبی اکرم ﷺ نے ہمیں آگاہ کیا ہے کہ فرشتے اس شخص کے لیے دعاء مغفرت کرتے ہیں جو نماز کی خاطر مسجد میں آتا ہے، وہ کہتے ہیں: اے اللہ! تو اس کی مغفرت فرما، اس پر رحم فرما، ان کی یہ دعا

اس وقت تک جاری رہتی ہے جب تک وہ ایذا نہ پہنچائے، یعنی حدث نہ کرے[1]۔

۴/۳۱- عوام کے اوہام و خرافات میں سے ان کا یہ اعتقاد بھی ہے کہ انسان جب مسجد میں ہوا خارج کرتا ہے تو اسے ایک فرشتہ اپنے منہ میں لے کر مسجد سے باہر نکل جاتا ہے اور جب وہ اسے اپنے منہ سے نکال دیتا ہے تو اس کی موت واقع ہو جاتی ہے۔

یہ اعتقاد واضح طور پر غلط ہے، کیوں کہ اس طرح کی چیز کی معرفت صرف صاحب وحی کے ذریعہ حاصل ہو سکتی ہے، اور اس سلسلے میں آپ ﷺ سے کوئی قابل اعتماد بات ثابت نہیں، نیز یہ امر واقع کے بھی خلاف ہے، کیوں کہ ہم بدبو کو مسجد کے اندر ویسے ہی منتشر اور ہوا سے غلط ملط پاتے ہیں جیسے وہ مسجد سے باہر منتشر و مخلوط ہوتی ہے، اس سلسلے میں صحیح فہم وہی ہے جسے ہم نے اس سے پہلے ذکر کیا، یعنی اس کی کراہت فرشتوں کے اذیت محسوس کرنے کے باعث ہے۔

اقامت سے تکبیر تحریمہ تک کی غلطیاں

۞ اقامت کہنے اور سننے والوں کی غلطیاں۔

۞ صفیں مکمل نہ کرنا نیز ان میں مل کر کھڑے ہونے اور خلاء پر کرنے کو ترک کرنا۔

۞ پہلی صف کو چھوڑ دینا، اور اس میں امام کے پیچھے کم عقل و فہم والوں کا کھڑا ہونا

۞ کٹی ہوئی صفوں میں نماز پڑھنا۔

۞ تکبیر تحریمہ سے قبل لمبا قیام اور دعاء کرنا اور ایسے کلمات آہستہ آہستہ پڑھنا جن کی کوئی اصل نہیں۔

۱- صحیح بخاری: کتاب الصلاۃ: باب الصلاۃ فی مسجد السوق (۴۷۷)

۳۲-اقامت کہنے اور سننے والوں کی غلطیاں

۱/۳۲- یہ اعتقاد کہ اقامت صرف مؤذن کی طرف سے درست ہے، اس کے قائلین کا اعتماد درج ذیل ضعیف حدیث پر ہے:

(مَنْ أَذَّنَ فَهُوَ يُقِيمُ) ''جو اذان کہے وہی اقامت کہے''[۱]۔

۲/۳۲-امام کی اجازت کے بغیر اقامت کہنا مؤذن کے لیے جائز نہیں، غیر مؤذن کے لیے یہ حکم بدرجۂ اولیٰ ہے، لہٰذا تمام نمازیوں پر لازم ہے کہ اس کی رعایت کریں اور امام کے اس حق کو محسوس کرتے ہوئے ان میں سے کوئی اقامت کے سلسلے میں دخل نہ دے، تاوقتیکہ امام کی اجازت حاصل نہ ہو جائے، اللہ تعالیٰ تمام کو اپنے محبوب وپسندیدہ امور کی توفیق دے۔

اقامت میں واقع ہونے والی غلطیوں میں سے:

۳/۳۲- اقامت کے الفاظ میں لفظ ''سیدنا'' کی زیادتی بھی ہے، کیوں کہ اس کے الفاظ ماثور اور تعبدی ہیں جو حدیث کی کتب صحاح، حسان، مسانید اور معاجم میں سلف سے خلف تک بطریق تواتر مروی ہیں، لیکن کسی نے اس زیادتی کے استحباب کی روایت نہ کسی صحابی و تابعی سے کی، نہ ائمہ فقہاء اور ان کے متبعین میں سے کسی سے۔ نبی اکرم ﷺ کی تعظیم کا یہ طریقہ نہیں کہ مشروع عبادات میں ایسے الفاظ کی زیادتی کی جائے

۱- سنن ابو داود: کتاب الصلاۃ: باب فی الرجل یؤذن ویقیم آخر (۵۱۴)، جامع ترمذی: ابواب الصلاۃ: باب ماجاء ان من اذن فھو یقیم (۱۹۹)، سنن ابن ماجہ: کتاب الاذان والسنۃ فیھا: باب السنۃ فی الاذان (۷۱۷) مسند احمد (۴/ ۱۶۹)۔ یہ حدیث ضعیف ہے، جیسا کہ امام ترمذی اور علامہ البانی نے صراحت کی ہے، ضعیف سنن ابی داود (۱/ ۵۰) الارواء (۲۳۷) المشکوۃ (۶۴۸) الضعیفۃ (۳۵)۔ اس لیے کہ اس کے تمام طرق میں عبد الرحمٰن بن زیاد بن انعم الافریقی ہیں، اور وہ محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں، امام یحییٰ بن سعید القطان اور امام احمد نے ان کی تضعیف کی ہے۔ حدیث کی تضعیف بغوی اور بیہقی نے بھی کی ہے، البتہ سفیان ثوری نے اس کا انکار کیا ہے الضعیفۃ (۳۵)۔

جنھیں نہ آپ نے مسنون قرار دیا، اور نہ خلفاء راشدین نے انھیں مستحب جانا، یہ امر نبی اکرم ﷺ کو پسند نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ ہر قول کا ایک محل ہے۔

اقامت کہنے والوں کی بعض غلطیاں:

۳۲/۳- ان کا اصحاب علم اور فہم میں سے نہ ہونے کے باوجود صف اول میں امام کے پیچھے کھڑا ہونا، نیز چلتے ہوئے اقامت کہنا۔

اقامت سننے والوں کی بعض غلطیاں:

۳۲/۴-ان کا "قد قامت الصلوۃ" سنتے وقت "أقامها الله وأدامها" کہنا[۱]۔

اس لیے کہ نبی اکرم ﷺ سے سوائے اس حدیث کے کہ "جب مؤذن کی آواز سنو تو تم وہی کہو جو وہ کہتا ہے" کچھ اور بسند صحیح ثابت نہیں، لہٰذا درست یہی ہے کہ اس کے جواب میں "قد قامت الصلوۃ" ہی کہا جائے، کیوں کہ حدیث کے عموم کی تخصیص ضعیف حدیث کے ذریعہ جائز نہیں، اور اس حدیث کو نووی اور ابن حجر[۲] وغیرہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔

بعض نمازیوں بالخصوص تنہا پڑھنے والوں کی ایک غلطی یہ بھی ہے کہ وہ اقامت کو معمولی تصور کرتے ہوئے اس سے بے اعتنائی برتتے ہیں، اس کے برعکس بعض اقامت کے بعد اچانک کسی شغل کے باعث نماز سے الگ ہونے پر دوسری اقامت کے ذریعہ

۱- اس کا اثبات سنن ابوداود: کتاب الصلاۃ: باب مایقول اذا سمع الاقامۃ (۵۲۸) سنن کبریٰ (۱/۶۰۵) کتاب الصلاۃ: باب مایقول اذا سمع الاقامۃ، اور عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی (۱۰۲) کی روایت میں ہے۔ لیکن یہ حدیث ضعیف ہے، اس میں محمد بن ثابت، شہر بن حوشب دونوں ہی ضعیف ہیں، اور ان دونوں کے درمیان ایک مجہول راوی ہے، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: ارواء الغلیل (۱/۲۵۱-۲۲۹)

۲- التلخیص الحبیر (۱/۲۲۲)۔ حافظ فرماتے ہیں کہ: حدیث ضعیف ہے اور اس ٹکڑے کی کوئی اصل نہیں ہے۔

نماز شروع کرتے ہیں، ان دونوں طریقوں میں افراط و تفریط ہے، دینِ اسلام اس کے درمیان ہے۔

۳۳۔ صفیں مکمل نہ کرنا نیز ان میں مل کر کھڑے ہونے اور خلاء پُر کرنے کو ترک کرنا

جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَلا تَصُفُّونَ كَمَا تَصُفُّ الْمَلائِكَةُ عِنْدَ رَبِّهَا»، فَقُلْنَا: يَا رَسُولَ اللَّهِ! وَكَيْفَ تَصُفُّ الْمَلائِكَةُ عِنْدَ رَبِّهَا، قَالَ: «يُتِمُّونَ الصُّفُوفَ الأُوَلَ وَيَتَرَاصُّونَ فِي الصَّفِّ».

یعنی: ”تم لوگ اس طرح صف بندی کیوں نہیں کرتے جس طرح اللہ تعالیٰ کے دربار میں فرشتے صف بستہ ہوتے ہیں“، ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول! فرشتے اپنے رب کے پاس کیسے صف بستہ ہوتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ”وہ صفوں کو ترتیب وار مکمل کرتے ہیں اور ان میں مل کر کھڑے ہوتے ہیں“[۱]۔

اس حدیث سے دو ایسی غلطیوں کی نشان دہی ہوتی ہے جن کے مرتکب اکثر نمازی ہیں۔

۱/۳۳۔ پہلی غلطی: صف سے دور کسی جگہ نماز پڑھنا، آرام حاصل کرنے یا کسی متعین اور خاص حصے میں نماز کا عادی ہونے کے باعث۔

۲/۳۳۔ دوسری غلطی: صفوں میں باہم مل کر کھڑا نہ ہونا، اور اس میں خلاء پایا جانا، اس کا باعث اکثر مسلمانوں کا یہ اعتقاد ہے کہ صفوں کی درستگی اور ان کو سیدھا کرنا صرف مونڈھوں کے ذریعہ ہوتا ہے، ان پر یہ امر مخفی ہے کہ صفوں کی درستگی میں قدموں کا ملانا

۱- صحیح مسلم: کتاب الصلوۃ: باب الامر بالسکون فی الصلاۃ والنهی عن الاشارۃ بالید ورفعها الخ (۴۳۰)۔

بھی شامل ہے، چنانچہ حدیث میں ہے:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: « أَقِيمُوا صُفُوفَكُمْ فَإِنِّي أَرَاكُمْ مِنْ وَرَاءِ ظَهْرِي، وَكَانَ أَحَدُنَا يُلْزِقُ مَنْكِبَهُ بِمَنْكِبِ صَاحِبِهِ وَقَدَمَهُ بِقَدَمِهِ ».

یعنی: انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اپنی صفیں برابر کرو، کیوں کہ میں تمہیں پیٹھ کے پیچھے سے دیکھتا ہوں'' انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم میں کا ہر شخص اپنا مونڈھا اپنے ساتھی کے مونڈھے سے، اور اپنا قدم اس کے قدم سے ملاتا تھا[۱]۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے مونڈھے کو مونڈھے سے اور ٹخنے کو ٹخنے سے ملانے کا جو تذکرہ کیا ہے اس کی صراحت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے بھی کی ہے اور انھوں نے ''گھٹنے کو گھٹنے سے ملانے'' کی زیادتی بھی کی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

أَقْبَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى النَّاسِ بِوَجْهِهِ، فَقَالَ: « أَقِيمُوا صُفُوفَكُمْ » ثَلَاثًا « وَاللَّهِ لَتُقِيمُنَّ صُفُوفَكُمْ أَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللَّهُ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ » قَالَ: فَرَأَيْتُ الرَّجُلَ يُلْزِقُ مَنْكِبَهُ بِمَنْكِبِ صَاحِبِهِ وَرُكْبَتَهُ بِرُكْبَةِ صَاحِبِهِ وَكَعْبَهُ بِكَعْبِهِ .

یعنی: رسول اللہ ﷺ نے ہماری طرف متوجہ ہو کر تین بار فرمایا: ''اپنی صفوں کو برابر کرو، اللہ کی قسم! تم اپنی صفیں برابر کرو ورنہ اللہ تعالیٰ تمھارے دلوں میں اختلاف پیدا کر دے گا''، نعمان فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا ایک شخص دوسرے کے مونڈھے

۱- صحیح بخاری: کتاب الاذان: باب الزاق المنکب بالمنکب والقدم بالقدم فی الصف (۷۲۵)۔

سے اپنا مونڈھا، گھٹنے سے گھٹنا، اور ٹخنے سے ٹخنا ملا کر کھڑا ہوتا تھا[1]۔

۳۴۳/۳- ان احادیث و آثار میں ایسے نمازیوں کو تنبیہ ہے جو صف میں جگہ خالی ہونے کے باوجود اپنے بغل میں کسی کا کھڑا ہونا پسند نہیں کرتے، چنانچہ ہم نے بارہا لوگوں کو (بالخصوص بڑی عمر والوں) کو دیکھا کہ اگر کوئی محب سنت اجر و ثواب کی لالچ میں خالی جگہ پر کرنے کے لیے آگے بڑھتا ہے تو وہ اپنی صف سے اس سے متصل صف میں منتقل ہو جاتے ہیں، ان لوگوں کو چاہیئے کہ فرمان نبوی: ((خِيَارُكُمْ أَلْيَنُكُمْ مَنَاكِبَ فِي الصَّلَاةِ)) "تم میں سے بہتر وہ لوگ ہیں جن کے مونڈھے نماز میں نرم ہیں"[2]، اور آپ کا فرمان: ((لِينُوا بِأَيْدِي إِخْوَانِكُمْ)) "اپنے بھائیوں کے ہاتھوں میں نرم ہو جاؤ"[3]۔ یاد کریں، یاد دہانی مؤمن کو فائدہ پہنچاتی ہے۔

۳۴۳/۴- خالی جگہ پر کرنے کی خاطر چلنا افضل ہے، خواہ وہ شخص نماز ہی میں کیوں نہ ہو، لہٰذا مقتدیوں میں سے جو کوئی سامنے کی صف میں خالی جگہ دیکھے وہ اسے پر کرنے کی خاطر آگے بڑھے اور اگر کوئی آگے نہیں بڑھتا تو اسے وہ شخص پر کرے جس کے بغل میں وہ خالی جگہ ہے، بائیں طرف چل کر اگر وہ امام کے دائیں ہے، اور داہنے طرف چل کر اگر وہ امام کے بائیں ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

"رُصُّوا صُفُوفَكُمْ، وَقَارِبُوا بَيْنَهَا، وَحَاذُوا بِالأَعْنَاقِ، فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنِّي لأَرَى الشَّيْطَانَ يَدْخُلُ مِنْ خَلَلِ الصَّفِّ كَأَنَّهَا

۱- سنن ابی داود: تفریع ابواب الصفوف: باب تسویۃ الصفوف (٦٦٢)۔ علامہ البانی نے حدیث کی سند کو "صحیح" کہا ہے۔ "صحیح سنن أبی داود" (١٩٦/١)

۲- سنن ابی داود: تفریع ابواب الصفوف: باب تسویۃ الصف (٦٧٢)۔ علامہ البانی نے حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، صحیح سنن ابی داود (١٩٨/١)

۳- سنن ابو دود: تفریع ابواب الصفوف: باب تسویۃ الصف (٦٦٦)۔ البانی نے حدیث کو صحیح کہا ہے صحیح سنن ابی داود (١٩٧/١)

الْحَذَفُ".

"اپنی صفوں میں خوب مل کر کھڑے ہو، اور ایک کو دوسرے سے نزدیک رکھو، گردنوں کو بھی برابر رکھو، کیوں کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں شیطان کو دیکھتا ہوں کہ وہ صفوں کے بیچ میں سے گھس آتا ہے گویا وہ بکری کا بچہ ہے"[۱]۔

صفوں کے درمیان زیادہ فاصلہ جو اکثر مساجد میں پایا جاتا ہے، اس حدیث سے اس کا غلط ہونا واضح ہو جاتا ہے، لا حول ولا قوة إلا بالله.

۵/۳۳- امام کی ایک ذمہ داری یہ بھی ہے کہ وہ صفوں کی تفتیش کرے، اور نمازیوں کو خلاء پر کرنے کا حکم دے یہاں تک کہ جب صفوں کو برابر پالے تو تکبیر کہے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ کا عمل تھا، چنانچہ حدیث میں ہے:

عَنْ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيرٍ قال: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَوِّي صُفُوفَنَا حَتَّى كَأَنَّمَا يُسَوِّي بِهَا الْقِدَاحَ حَتَّى رَأَى أَنَّا قَدْ عَقَلْنَا عَنْهُ، ثُمَّ خَرَجَ يَوْمًا فَقَامَ حَتَّى كَادَ يُكَبِّرُ، فَرَأَى رَجُلا بَادِيًا صَدْرُهُ مِنْ الصَّفِّ، فَقَالَ: «عِبَادَ اللَّهِ لَتُسَوُّنَّ صُفُوفَكُمْ أَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللَّهُ بَيْنَ وُجُوهِكُمْ».

نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ ہماری صفیں اس طرح سے برابر کرتے تھے گویا کہ آپ ان سے تیر کی لکڑی درست فرما رہے ہوں، یہ سلسلہ جاری رہا، تاوقتیکہ آپ نے محسوس کر لیا کہ ہم اس بات کو معلوم کر چکے، پھر ایک دن

۱- سنن ابوداود: تفریع ابواب الصفوف: باب تسویۃ الصف (۶۶۷)، سنن نسائی: کتاب الامامۃ: باب حث الامام علی رص الصفوف والمقاربۃ بینھا (۸۱۵)۔ علامہ البانی نے حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، دیکھیے: صحیح سنن ابی داود: (۱/۱۳۱) صحیح سنن نسائی (۱/۱۷۶)۔

آپ نکلے اور مصلیٰ پر کھڑے ہو گئے، تکبیر کہنے ہی والے تھے کہ ایک شخص کو دیکھا اس کا سینہ باہر نکلا ہوا ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ کے بندو! اپنی صفیں برابر اور سیدھی کرو، ورنہ اللہ تعالیٰ تمھارے درمیان اختلاف پیدا کردے گا" [۱]۔

۳۳/۶- امام کا مؤذن کے قول "قد قامت الصلوۃ" پر تکبیر تحریمہ کہنا بدعت ہے، اس لیے کہ یہ سنت صحیحہ کے خلاف ہے جیسا کہ اس پر حدیث سابق دال ہے۔

۳۳/۷- بعض ائمہ کا محض "استوو استووا" (سیدھا ہو جاؤ برابر ہو جاؤ) کہنے پر اکتفاء کرنا بھی ایک غلطی ہے۔

اس معاملہ میں بعض ائمہ کی ایک غلطی:

۳۳/۸- ان کا یہ کہنا بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ ٹیڑھی صف کی طرف نہیں دیکھتا ہے۔ جب کہ اس سلسلے میں وارد حدیث نبی اکرم ﷺ سے ثابت نہیں، بلکہ بے اصل ہے۔

۳۳/۹- ان کی ایک غلطی یہ بھی ہے کہ جب مقتدی تنہا ہوتا ہے تو اسے اپنے سے ایک بالشت یا اس سے کچھ کم پیچھے کر دیتے ہیں، جب کہ سنت یہ ہے کہ وہ نہ اس سے آگے ہو نہ اس سے پیچھے بلکہ داہنی جانب ٹھیک اس کے ساتھ کھڑا ہو، ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نبی کریم ﷺ کی امامت میں اسی طرح کھڑے ہو کر نماز پڑھی، امام بخاری نے ان کی اس حدیث پر بایں الفاظ تبویب کی ہے: "اس بات کا بیان کہ مقتدی امام کے دائیں جانب اس کے برابر کھڑا ہو گا جب وہ صرف دو ہوں" [۲]۔

***

۱- صحیح مسلم: کتاب الصلاۃ: باب تسویۃ الصفوف وإقامتها وفضل الأول فالأول منها الخ (۴۳۶)۔
۲- صحیح بخاری: کتاب الأذان: باب یقوم عن یمین الإمام بحذائہ سواء إذا کانا اثنین (۶۹۷)

۳۴- پہلی صف کو چھوڑ دینا اور اس میں امام کے پیچھے کم عقل وفہم والوں کا کھڑا ہونا

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: « لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِي النِّدَاءِ وَالصَّفِّ الأَوَّلِ ثُمَّ لَمْ يَجِدُوا إِلا أَنْ يَسْتَهِمُوا عَلَيْهِ لاسْتَهَمُوا ».

یعنی: رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: "اگر لوگ اذان اور پہلی صف کی فضیلت جان لیتے پھر بغیر قرعہ اندازی کے اسے نہ پا سکتے تو وہ قرعہ اندازی کرتے"[۱]۔

۱/۳۴- یہ امر افسوس ناک ہے کہ مسجد میں پہلے حاضر ہونے والوں میں سے بعض لوگ پہلی صف کے حریص نہیں ہوتے، اور بعض کا اعتقاد ہے کہ پہلی صف کا ثواب پہلے آنے والوں کو حاصل ہو جاتا ہے، گرچہ وہ اس میں شامل نہ ہوں، لیکن یہ اعتقاد فاسد ہے۔

یہ امر بھی قابل افسوس ہے کہ:

۲/۳۴- بعض عام قسم کے لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ امام کے پیچھے ہمیشہ پہلی صف میں کھڑے ہوتے ہیں جب کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

"لِيَلِنِي مِنْكُمْ أُولُو الأَحْلامِ وَالنُّهَى، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، وَلا تَخْتَلِفُوا فَتَخْتَلِفَ قُلُوبُكُمْ، وَإِيَّاكُمْ وَهَيْشَاتِ الأَسْوَاقِ".

۱- صحیح بخاری: کتاب الاذان: باب الاستہام فی الاذان (۶۱۵)، صحیح مسلم: کتاب الصلاۃ: باب تسویۃ الصفوف واقامتھا فضل الاول فالاول منھا الخ (۴۳۷)

یعنی: میرے نزدیک وہ لوگ کھڑے ہوں جو عقل و شعور کے مالک ہیں، پھر ان کے بعد (عقل و شعور میں) اوسط (درمیانی درجہ کے) لوگ، پھر ان کے بعد بقیہ لوگ، اور تم اختلاف نہ کرو یعنی آگے پیچھے نہ رہو ورنہ تمھارے دلوں میں بھی اختلاف ہو جائے گا، نیز بازاری شور و شغب سے تم لوگ پرہیز کرو[1]۔

۳/۳۴- بعض ائمہ کی ایک غلطی یہ ہے کہ وہ مقتدیوں کو صف کی درستگی کا اس وقت حکم دیتے ہیں جب انھیں داہنی جانب کا رخ کیے ہوئے دیکھتے۔

خاص طور پر ائمہ اور عام طور پر نمازیوں کی ایک غلطی:

۴/۳۴- ائمہ کا بچوں کو مردوں کے پیچھے صفوں میں رکھنے پر حریص ہونا ہے، اس سلسلے میں ان کی دلیل وہ حدیث ہے جس کی تخریج امام احمد نے مسند (۳۴۱/۵، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴) ابوداود نے سنن[2] اور بیہقی نے سنن[3] میں کی ہے:

كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْعَلُ الرِّجَالَ قُدَّامَ الغِلْمَانِ، وَالغِلمَانَ خَلْفَهُمْ، وَالنِّسَاءَ خَلْفَ الغِلْمَانِ.

یعنی: "رسول اللہ ﷺ مردوں کو بچوں کے آگے، بچوں کو ان سے پیچھے، اور عورتوں کو بچوں کے پیچھے رکھتے تھے"۔

شیخ البانی فرماتے ہیں: لیکن اس حدیث کی سند ضعیف ہے، اس میں شہر بن حوشب موجود ہیں، اور وہ ضعیف ہیں[4] البتہ محض عورتوں کی صف مردوں کے پیچھے ہونے

۱- صحیح مسلم: کتاب الصلاۃ: باب تسویۃ الصفوف واقامتھا وفضل الاول فالاول منھا الخ (۴۳۲)۔

۲- (۴۳۸/۱) تفریع ابواب الصفوف: باب مقام الصبیان من الصف (۶۷۷)

۳- (۹۷/۳) کتاب الصلاۃ: باب الرجال یأتمون بالرجل ومعھم صبیان ونساء (۵۱۶۵)۔

۴- ملاحظہ ہو: مشکوۃ بتعلیق البانی (۳۴۸/۱) ضعیف ابوداود (۱۰۳)

نوٹ: شہر بن حوشب کی تضعیف و توثیق اہل علم کے درمیان سخت مختلف فیہ ہے، اگر ایک طرف شعبہ بن حجاج=

پر صحیح احادیث وارد ہیں[1]۔

لیکن بچوں کو مردوں کے پیچھے رکھنا تو اس سلسلے میں اس حدیث کے سوا کوئی اور دلیل مجھے نہیں ملی، اور یہ حدیث قابل حجت نہیں، لہٰذا اگر صف میں گنجائش ہے تو مردوں کے ساتھ بچوں کے کھڑے ہونے میں میرے نزدیک کوئی حرج نہیں، نبی اکرم ﷺ کے پیچھے انس رضی اللہ عنہ کے ساتھ یتیم کی نماز اس پر شاہد عدل ہے[2]۔

= نسائی، ساجی، بیہقی، حافظ ابن حزم، حاکم، ابن حبان اور ابن عدی نے انھیں ضعیف قرار دیا ہے تو دوسری طرف ابن المدینی، احمد، بخاری، یحییٰ بن معین، عجلی، ابوزرعہ رازی، ابو بکر البزار اور یعقوب بن شیبہ نے ان کی توثیق کی ہے، بالخصوص ان سے عبد الحمید بن بہرام کی روایت، اس کی امام احمد نے صراحتاً تصحیح کی ہے، تہذیب التہذیب (۴/۷۰، ۳، ۷۲، ۳) امام نووی نے معدلین کے قول سے اتفاق کرتے ہوئے یہ صراحت کی ہے کہ جارحین کی طرف سے پیش کردہ وجہ ضعف محققین کے نزدیک قابل قبول نہیں، (شرح مسلم للنووی (۱/ ۹۳) حافظ ابن حجر نے بھی انھیں "صدوق کثیر الارسال والاوہام" کہا ہے، لہٰذا اس حدیث کو کلی طور پر نا قابل اعتبار قرار دینا درست نہیں، خاص طور پر مسند احمد کی وہ سند جس میں شہر سے روایت کرنے والے عبد الحمید بن بہرام ہیں، وہ امام احمد کی صراحت کے مطابق صحیح ہے، مسند احمد کے فاضل محقق نے بھی اس کی تصحیح کی ہے۔

علاوہ ازیں اس کی تاکید فرمان نبوی "لیلینی منکم اولوا الاحلام والنھی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم" (الحدیث) سے بھی ہوتی ہے۔ اس حدیث سے امام نووی وغیرہ نے مذکورہ ترتیب پر استدلال کیا ہے (المجموع (۴/ ۱۸۶)۔

اس کے علاوہ عمر، ابن مسعود اور زر بن حبیش رضی اللہ عنہم کے آثار سے بھی اس مفہوم کی تائید ہوتی ہے، چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ (۱/ ۴۱۳) میں ان تینوں کے متعلق صراحت ہے کہ یہ اگر کسی بچے کو صف میں دیکھتے تو اسے نکال دیا کرتے تھے۔

مذکورہ تفصیل سے واضح ہے کہ بچوں کو مردوں کے پیچھے صف میں رکھنا مستحب ہے، لہٰذا اسے اخطاء میں شامل کرنا درست نہیں۔

۱- ملاحظہ ہو: صحیح بخاری: کتاب الصلاۃ: باب الصلاۃ علی الحصیر (۳۸۰)، کتاب الاذان: باب وضوء الصبیان ومتی یجب علیھم الغسل والطھور (۸۶۰)، صحیح مسلم: کتاب الصلاۃ: باب تسویۃ الصفوف واقامتھا وفضل الاول فالاول منھا الخ (۴۴۰) کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ: باب جواز الجماعۃ فی النافلۃ الخ (۶۵۸)۔

۲- یہ استدلال محل نظر ہے، اس لئے کہ لفظ "یتیم" سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ غیر ممیز بچہ ہی رہا ہو، کیوں کہ یتیم کا اطلاق اس پر اس وقت تک کیا جاتا ہے جب تک کہ اس میں رشد نہ آجائے، بلوغت تک تو بغیر کسی اختلاف کے ہوتا ہے، لہٰذا ہو سکتا ہے کہ وہ یتیم قریب البلوغ یا بالغ رہا ہو۔ نیز اس کی دلالت صرف اس صورت پر ہے جب ایک بچہ اور ایک بالغ ہو، لہٰذا یہ زیر بحث صورت کہ چند بچے ہوں جو مردوں کے صف میں ان کے درمیان حائل ہوں پر دلیل نہیں بن سکتی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

٣٥- کٹی ہوئی صفوں میں نماز پڑھنا

قرہ بن ایاس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

كُنَّا نُنْهَى أَنْ نَصُفَّ بَيْنَ السَّوَارِي عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنُطْرَدُ عَنْهَا طَرْدًا .

یعنی: عہد رسالت میں ستونوں کے درمیان صف بندی سے ہمیں روکا، اور اس سے باز رکھا جاتا تھا [1]، اس حدیث سے ایسی صف میں نماز کی کراہت ثابت ہوتی ہے جس کے درمیان منبر یا کھمبے وغیرہ حائل ہوں، الا یہ کہ مسجد نمازیوں پر تنگ ہو، بایں صورت ایسی صفوں میں نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔

٣٦- تکبیر تحریمہ سے پہلے دیر تک ٹھہرنا، دعائیں کرنا آہستہ آہستہ ایسے کلمات کہنا جن کی کوئی اصل نہیں

١/٣٦- اکثر ائمہ کی ایک غلطی: تکبیر تحریمہ سے پہلے دیر تک ٹھہرنا بھی ہے، اس کا سبب یا تو یہ ہے کہ نیت کو زبان سے ادا کرنے میں اس سے وسوسہ ہوتا ہے، اور وہ اسے بار بار کہتا اور اس میں غلطی کرتا رہتا ہے، حتی کہ وہ اس کے زعم کے مطابق درست ہو جائے، یا کچھ گڑھی ہوئی بے اصل دعاؤں کا پڑھنا ہے، جنھیں امام دھیمی آواز میں پڑھتا ہے، اور مقتدی اس پر آمین کہتے ہیں مثلاً "اللهم أحسن وقوفنا بين

١- سنن ابن ماجہ: کتاب اقامۃ الصلاۃ والسنۃ فیھا: باب الصلاۃ بین السواری فی الصف (١٠٠٢)

نوٹ: اس سند پر کلام ہے، البتہ علامہ البانی اسے "حسن صحیح" کہا ہے ملاحظہ ہو: صحیح سنن ابن ماجہ (١٠٠٢) صحیح ابی داود (٦٧٧) سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ (٣٣٥) دیکھیے یہ حدیث جامع ترمذی: کتاب الصلاۃ: باب ماجاء فی کراھیۃ الصف بین السواری (٢٢٩)، سنن ابوداود (٨٢١) تفریع ابواب الصفوف: باب الصفوف بین السواری (٦٧٣)، سنن نسائی: کتاب الامامۃ: باب الصف بین السواری (٨٢١) میں انس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، اور وہ سند بلا اختلاف صحیح ہے۔

يديك، ولا تخزنا يوم العرض عليك" يا "أقامها الله وأدامها، وجعلنا من صالحي أهلها".

۳۶/۲- اسی طرح مقتدیوں کا امام کی طرف سے صفوں کی درستگی کے حکم پر "سمعنا وأطعنا، غفرانك، ربنا وإليك المصير" یا "الله أكبر كبير، وأنا بك مستجير" کہنا بھی نماز کی غلطیوں میں سے ہے۔

تکبیر تحریمہ (اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع کرنے) سے سلام تک نمازیوں کی غلطیاں

❊ تکبیر تحریمہ اور تکبیرات انتقال (رکوع میں جاتے وقت سجدہ کرتے وقت، سجدہ سے اٹھتے وقت) میں "اللہ اکبر" کی ادائیگی میں غلطی۔

❊ بسم اللہ کے جہر واخفاء (زور سے اور دھیرے سے پڑھنے) میں ائمہ کی غلطی۔

❊ سورہ فاتحہ پڑھنے کی کیفیت میں غلطی۔

❊ سورہ فاتحہ پڑھنے کے دوران اور اس کے خاتمہ پر مقتدیوں کا دعاء کرنا، نیز آمین اور امام کی قرأت کے دوران صادر ہونے والی غلطیوں پر تنبیہ۔

❊ نماز کے افعال امام سے پہلے یا اس کے ساتھ انجام دینا۔

❊ مسبوق (جو نماز میں بعد میں شریک ہوا) کا رکوع میں جاتے ہوئے تکبیر تحریمہ کہنا۔

❊ مسبوق کا دعائے استفتاح میں مشغول ہونا، نیز جماعت میں شامل ہونے میں تاخیر کرنا۔

❊ مسبوق کا دعائے استفتاح میں مشغول ہونا، نیز جماعت میں شامل ہونے میں تاخیر کرنا۔

۷۳- تکبیر تحریمہ اور تکبیرات انتقال میں اللہ اکبر کی ادائیگی میں غلطی

بعض اماموں کی ایک غلطی یہ ہے کہ:

۱/۷۳- وہ لفظ "اللہ" پر ہمزۂ استفہام داخل کرتے ہوئے "آللہ اکبر" کہتے ہیں، حالانکہ یہ لفظی کفر ہے، یا ہمزۂ استفہام کو لفظ "اکبر" پر داخل کرتے ہوئے "آکبر" کہتے ہیں، اس صورت میں "اکبر" مبتدا محذوف کی خبر ہوگا، تقدیری (اصل) عبارت یوں ہوگی: "أهو أكبر" (کیا وہ بڑا ہے) یہ بھی کفر ہے[1]۔

* اور بعض کی ایک غلطی یہ ہے کہ:

۲/۷۳- وہ باء کے بعد اور راء سے پہلے الف زیادہ کرتے ہوئے "اکبار" کہتے ہیں جب کہ یہ "کبر" مصدر، یا "کبر" بمعنی ڈھول کی جمع ہوگی، اور یہ دونوں ہی کفر ہیں، باری تعالیٰ پر اس کا اطلاق کرنا صحیح نہیں۔

۳/۷۳- اس باب کی غلطیوں میں سے لفظ "اللہ" کی ہاء کو حذف کرنا، اور اکبر کے ھمزہ کو واو سے بدلنا بھی ہے جیسے: "اللا وكبر" کہنا۔

نیز (غلطیوں میں سے ایک) تکبیرات انتقال میں "اللہ اکبر" کو کھینچنا بھی ہے، اس سے ایسی سنت چھوٹ جاتی ہے جو اس دور میں اکثر لوگوں بالخصوص ائمہ کے یہاں متروک ہے، حالانکہ حدیث میں ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَرْفُوعًا: "كَانَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَسْجُدَ كَبَّرَ ثُمَّ

۱- البتہ اس کے قائل کی تکفیر نہیں کی جائے گی، الا یہ کہ وہ اس کے معنیٰ کا قصد کرے، اس سے متنبہ رہنے کی ضرورت ہے۔ (مؤلف)

يَسْجُدُ، وَإِذَا قَامَ مِنَ الْقَعْدَةِ كَبَّرَ ثُمَّ قَامَ“۔

یعنی: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ جب سجدہ کرنے کا ارادہ کرتے تو تکبیر کہتے، پھر سجدہ کرتے، اور جب بیٹھنے کے بعد کھڑا ہونے کا ارادہ کرتے تو تکبیر کہتے، پھر کھڑے ہوتے [۱]۔

یہ حدیث پہلے تکبیر پھر سجدہ کے سنت ہونے نیز اس امر پر نص صریح ہے کہ آپ بیٹھے بیٹھے تکبیر کہتے پھر اٹھتے تھے، لہذا اس سے ان مقلدین کے عمل کا ابطال ہو جاتا ہے جو قعود سے قیام تک تکبیر کا سلسلہ جاری رکھتے ہیں۔

تکبیر تحریمہ اور تکبیرات انتقال میں مقتدیوں کی ایک غلطی

۴۷/۳- باآواز بلند تکبیر کہنا اور نمازیوں پر ان کی قرأت خلط ملط کرنا بھی ہے، جیسا کہ ان مقتدیوں کا عمل ہے جن پر ابلیس کی تلبیس مستحکم و مضبوط ہے، ان لوگوں نے اس سلسلے میں مشروع امر سے اعراض کیا، فرمان نبوی کو پس پشت ڈال دیا، اور تکبیر کے ذریعہ اپنی آواز بلند کرنے لگے، بعض لوگ تو تکبیر تحریمہ کو اس کثرت سے دہراتے ہیں جیسا کہ وہ کسی مشکل امر کی کوشش کر رہے ہوں یا کھاری کڑوا پانی گھونٹ رہے ہوں، ایسے لوگ خود ناکام و نامراد رہ جاتے ہیں، البتہ شیطان ان کے تعلق سے اپنی مراد پالیتا ہے، یہ اپنے گرد و پیش کے نمازیوں کو ”اللہ اکبر“ بار بار اور بلند آواز سے کہہ کر اذیت پہنچاتے ہیں اور یہ تصور بھی کرتے ہیں کہ وہ اپنی آواز اپنے آپ کو صرف اسی طریقے پر سنا سکتے ہیں، اس طرح ان کا گناہ دوچند ہو جاتا ہے، جیسا کہ امام ابن

---

[۱] مسند ابویعلی (۶۰۲۹/۱۰)، حدیث کی سند صحیح ہے جیسا کہ علامہ البانی نے ”صحیحہ“ (۶۰۴) میں صراحت کی ہے۔

نوٹ: اس مسئلے پر علامہ البانی نے سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ (۱۵۶،۱۵۵/۲) میں مفصل گفتگو کی ہے، تفصیل کے لیے اس کا مراجعہ کیا جائے۔

الجوزی نے صراحت کی ہے۔

۳۸- بسم اللہ کے جہر واخفاء

(زور سے اور دھیرے سے پڑھنے) میں ائمہ کی غلطی

بعض ائمہ کی ایک غلطی: نماز میں بسم اللہ کو بالجہر نہ پڑھنے پر مداومت برتنا بھی ہے، ان کے بالمقابل ایک دوسری جماعت جاہلوں کی ہے جو جہری آواز میں بسم اللہ پڑھنے والے کے پیچھے نماز ہی نہیں پڑھتی جیسا کہ بعض دفعہ سن رسیدہ حضرات کے تعلق سے یہ صورت سامنے آئی۔

علامہ ابن القیم فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ بسا اوقات "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" جہری آواز میں پڑھتے لیکن جہر سے زیادہ اسے سری آواز میں پڑھتے تھے، کیوں کہ یہ ممکن نہیں کہ آپ سفر و حضر میں دن و رات پانچوں نمازوں میں اسے ہمیشہ بلند آواز سے پڑھتے رہے ہوں، اور خلفاء راشدین، جمہور صحابہ نیز قرون فاضلہ میں اہل مدینہ پر یہ بات مخفی رہ جائے، یہاں تک کہ اس سلسلے میں مجمل الفاظ اور کمزور و ضعیف احادیث کے ذریعہ وثوق حاصل کرنے کی ضرورت پڑے، کیوں کہ اس باب کی صحیح احادیث غیر صریح اور صریح احادیث غیر صحیح ہیں، یہ ایسا تفصیل طلب مقام ہے جو بڑے دفتر (رجسٹر) کا متقاضی ہے[1]۔

---

[1] زاد المعاد (۱/۱۹۹-۲۰۰)

نوٹ: بالسر (دھیرے دھیرے) پڑھنے کی احادیث سنداً قوی ہیں، ان میں سے بعض متفق علیہ ہیں، اس کے برخلاف بالجہر (آواز سے) پڑھنے کی احادیث یا تو ضعیف ہیں یا موقوف یا غیر صریح، ان میں سب سے صحیح ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم اور دار قطنی میں مروی ابو ہریرہؓ کی حدیث ہے، لیکن وہ بھی سند اور متن میں کلام سے خالی نہیں، نیز بالسر پڑھنا ہی نبی اکرم ﷺ کے بعد خلفاء راشدین کا بھی عمل رہا ہے، لہذا باعتبار اولیت و افضلیت یہی متعین ہے، البتہ بالجہر کے جواز سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا، تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: نصب الرایہ (۱/۲۲۳-۲۴۳) نیل الاوطار (۲/۲۰۶-۲۱۴)

صحیح قول یہ ہے کہ اس معاملے میں وسعت ہے، کسی ایک مذہب کی تعیین ناممکن اور ممنوع ہے، جس کا میلان روایت کی طرف ہو وہ صائب اور سنت کا تمسک کرنے والا ہے، کمال اتباع یہی ہے کہ جملہ احوال میں نبی اکرم ﷺ کی متابعت کی جائے، اس لیے بعض اوقات میں اسے بلند آواز سے اور اکثر اوقات میں بالسر پڑھا جائے، اللہ تعالیٰ ہی مستعان ہے اور وہی سیدھے راستے کی طرف ہدایت دینے والا ہے۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ امام دارقطنی اور دوسرے حفاظ نے نماز میں قرأت سے پہلے زور سے بسم اللہ پڑھنے پر دلالت کرنے والی احادیث کو ضعیف قرار دیا ہے، اس کے باوجود بعض لوگ جو ان حفاظ کے کلام اور فیصلے کی صحت کو تسلیم کرتے ہیں بسا اوقات امام کے لیے بسم اللہ زور سے پڑھنے کے جواز کے قائل ہیں، اگر اس کے کلی طور پر چھوڑ دینے سے یہ خرابی لازم آتی ہو کہ عوام اسے ترک ہی کر دیں اور ان کا یہ اعتقاد ہو جائے کہ یہ سورہ فاتحہ کی آیت نہیں[1] یہ مفید معلومات ہمارے شیخ علامہ البانیؒ نے اپنی بعض مجالس میں بہم پہنچائیں۔

۳۹-سورہ فاتحہ پڑھنے کی کیفیت میں غلطی

حدیث میں ہے:

۱- علماء کے صحیح قول کے مطابق "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" مصحف میں جہاں جہاں مذکور ہے وہاں ایک مستقل آیت تو ضرور ہے لیکن سورہ فاتحہ یا کسی دوسری سورہ کا حصہ نہیں بجز سورۂ نمل کے، حضرت ابوہریرہ کی یہ حدیث اس کی واضح دلیل ہے: "سمعت الرسول ﷺ یقول: قال اللہ عز و جل: قسمت الصلاۃ بین و بین عبدی نصفین ولعبدی ما سأل، فاذا قال العبد الحمد للہ رب العالمین .... الخ رواہ الجماعۃ الا البخاری۔
اس حدیث میں "صلاۃ" سے، مراد سورہ فاتحہ ہے اور اس کی ابتداء "الحمد للہ رب العالمین" سے ہوئی ہے، اگر بسم اللہ اس کی ایک آیت ہوتی تو اولاً اس کا ذکر ہوتا۔ نیز اس کے مطابق "اھدنا الصراط المستقیم" سے اخیر سورہ تک تین آیتیں ہیں، اب اگر بسم اللہ بھی اس کی ایک آیت تسلیم کر لی جائے تو اس کی آیتوں کی تعداد آٹھ ہو جائے گی اور یہ قرآن کی صراحت کے خلاف ہے۔

سُئِلَتْ أُمُّ سَلْمَةَ عَنْ قِرَاءَةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ: كَانَ يُقَطِّعُ قِرَاءَتَهُ آيَةً آيَةً: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ❖ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ❖ مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ.

یعنی: ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نبی اکرم ﷺ کی قرأت سے متعلق پوچھا گیا تو انھوں نے کہا: آپ ﷺ ہر ہر آیت الگ الگ پڑھتے تھے "بسم الله الرحمن الرحيم (پڑھتے پھر رک جاتے) الحمد لله رب العلمين، (پڑھتے پھر رک جاتے) الرحمن الرحيم (پڑھتے پھر رک جاتے) مالك يوم الدين" (پڑھتے پھر رک جاتے، بقیہ آیات میں بھی اسی طرح کرتے، ایک آیت کو دوسری آیت میں ملاتے نہیں تھے) [1]۔

۳۹/۱- یہ ایسی سنت ہے جو اس زمانے میں اکثر قراء کے یہاں متروک ہے، چنانچہ انھیں نماز میں بھی ایک ہی سانس میں سورہ فاتحہ پڑھتے ہوئے سنا جاتا ہے، آیت کے اختتام پر وہ ٹھہرتے نہیں، ان لوگوں نے سنتوں سے اعراض کیا، اور انھیں پس پشت ڈال دیا، اللہ تعالیٰ ہم کو اور ان کو نبی اکرم ﷺ کے تمام احوال، اقوال اور افعال میں آپ کی اتباع اور موافقت کی توفیق دے، آمین۔

۳۹/۲- یہ ائمہ کی غلطی تھی، عوام کی غلطیاں اس سے زیادہ سخت اور خطرناک ہیں، کیوں کہ وہ اس کی قرأت میں زیادہ غلطی کرنے والے ہیں، بلکہ بسا اوقات وہ اس کے کچھ حروف ساقط کر دیتے یا انھیں دوسرے حروف سے بدل دیتے ہیں، جیسا کہ وہ کہتے

۱- مسند احمد (۶/ ۳۰۲) جامع ترمذی: ابواب القرأت: باب فی فاتحۃ الکتاب (۲۹۲۷)، سنن ابو داود: کتاب الحروف والقرأت (۴۰۰۱) مستدرک حاکم (۱/ ۳۵۶) کتاب الصلاۃ: باب التأمین (۸۴۷)، علامہ البانی نے حدیث "صحیح" کہا ہے، دیکھیے: صحیح سنن أبی داود (۲/ ۴۹۳)

ہیں: "اللزین" بجائے ذال کے زای کے ساتھ، یا "الھمد لله" حاء کے بدلے ھاء کے ساتھ، یا "الظالین" ضاد کے بجائے ظاء مشددہ کے ساتھ یا "إیاك نعبد إیاك نستعین" بغیر واؤ کے یا "إیاك نعبد" میں تشدید ساقط کر کے اسے "یاء" کی تخفیف کے ساتھ پڑھتے ہیں، جب کہ یہ ایسی غلطی ہے کہ اگر اس کے معنی کا بھی قصد کیا جائے تو وہ موجب کفر ہے، اس لیے کہ "ایاک" سورج کی روشنی کو کہا جاتا ہے۔

۳۹/۳- بعض نمازیوں کے اندر مذکورہ غلطیاں اگر پورے طور پر نہیں تو بڑی حد تک ضرور پائی جاتی ہیں، اس کے باوجود ان کے یہاں علمی و دینی دروس و اسباق سے اعراض، علماء کی مجالس سے دوری، اور لہو ولغو کی مجالس کی طرف سبقت پائی جاتی ہے، بلا شبہ عالم کا علم کی اشاعت کی خاطر مجلس منعقد کرنا عوام کے لیے بہت بڑی نعمت ہے، کیوں کہ ان پر علم نافع کے حصول کی کوشش لازم ہے، پس اگر ان کے درمیان ایسے علما ہیں جو ان کو نصیحت کرتے اور انہیں سکھلاتے ہیں اور وہ ان سے منہ موڑتے ہیں تو یہ ان کی کتنی بڑی بد بختی اور حرماں نصیبی ہے، ان پر لازم ہے کہ ان مخالفتوں میں اللہ سے ڈریں اور علم و تفقہ فی الدین حاصل کر کے کامیابی کے طلب گار ہوں، کیوں کہ یہی ذریعہ نجات ہے۔

۴۰- سورہ فاتحہ پڑھنے کے دوران اور اس کے خاتمہ پر مقتدیوں کا دعاء کرنا نیز آمین اور امام کی قرأت کے دوران صادر ہونے والی غلطیوں پر تنبیہ

مقتدیوں کی بعض غلطیاں:

۱/۴۰- ان کا "استعنت بك یا رب" کہنا جب امام "إیاك نعبد وإیاك

نستعین" کہے، یا "رب اغفرلي ولوالدي" کہنا جب امام "اھدنا الصراط المستقیم" کہے[1]، اس مقام پر دو چیزیں قابل ذکر ہیں:

۲/۴۰- پہلی چیز: سنت نبوی ﷺ یہی ہے کہ امام قرأت فاتحہ کے بعد باآواز بلند "آمین" کہے، حدیث میں ہے:

عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا فَرَغَ مِنْ قِرَاَةِ اُمِّ الْقُرآنِ رَفَعَ صَوْتَهُ وَقَالَ: ((آمین)).

یعنی: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب سورہ فاتحہ کی قرأت سے فارغ ہوتے تو بلند آواز سے "آمین" کہتے[2]۔

اس حدیث سے امام کے لیے بلند آواز سے آمین کہنے کی مشروعیت ثابت ہوتی ہے، اس کے قائل امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ ہیں۔

۳/۴۰- دوسری چیز: نبی اکرم ﷺ کا فرمان: "جب امام آمین کہے تب تم آمین کہو"[3] مقتدیوں پر آمین کے وجوب پر دال ہے، اس کا اظہار علامہ شوکانیؒ نے کیا ہے، لیکن یہ وجوب علی الاطلاق نہیں ہے، بلکہ امام کے آمین کے ساتھ مقید ہے، البتہ امام اور منفرد کے حق میں محض مندوب ہے[4]۔

۱- ملاحظہ ہو: الفقہ الاسلامی وأدلتہ (۱/۷۸۰)

۲- صحیح ابن حبان: کتاب الصلوۃ (۱۸۰۳) سنن دار قطنی (۱/۳۳۵) کتاب الصلاۃ: باب التامین فی الصلاۃ بعد فاتحۃ الکتاب والجہر بھا، مستدرک حاکم (۱/۳۴۵) کتاب الصلاۃ: باب التامین، سنن ابی داود: تفریع ابواب الرکوع والسجود: باب التامین وراء الامام (۹۳۳) و (۹۳۴)، سنن ابن ماجہ: کتاب اقامۃ الصلاۃ: باب الجہر بآمین (۸۵۳) حدیث مختلف سندوں سے مل کر صحیح ہے، دیکھیے: "سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ" (۴۶۵)۔

۳- صحیح بخاری: کتاب الاذان: باب جہر الامام بالتامین (۷۸۰)، صحیح مسلم: کتاب الصلاۃ: باب التسمیع والتحمید والتامین (۴۱۰)

۴- نیل الاوطار (۲/۲۴۶)

۴۰/۴- عوام کے درمیان رواج عام پانے والی بڑی غلطیوں میں سے ایک غلطی بلند آواز سے آمین کہنے میں مقتدیوں کا امام سے سبقت کرنا بھی ہے، نبی اکرم ﷺ کے فرمان: "جب امام آمین کہے تو آمین کہو" کا وہی مفہوم ہے جو عرب کے قول: "جب امیر کوچ کرے تو کوچ کرو" کا ہے، چنانچہ مامور (محکوم) کوچ کرنے میں نہ تو امیر (حاکم) سے پیچھے رہ سکتا ہے اور نہ ہی اس سے آگے بڑھ سکتا ہے، اسی طرح آمین بھی ہے، مقتدی کے لیے مناسب ہے کہ انتظار کرے یہاں تک کہ جب امام کو آمین کہتے ہوئے سنے تو اس کی متابعت کرے، اور اس فعل میں اس سے پیچھے نہ رہے۔

۴۰/۵- آمین کی مد کو زیادہ کھینچنا، چنانچہ وہ مد بدل کو جو اس کے شروع میں ہے دو حرکتوں سے زیادہ دراز کرتے ہیں، بلکہ اسے چھ حرکات تک بھی پہنچا دیتے ہیں جیسا کہ بعض مساجد میں عمل ہے، بعض "آمین" کا تلفظ میم کی تشدید کے ساتھ کرتے ہیں، اسے بعض اہل لغت نے بیان تو کیا ہے، لیکن انھیں کی ایک جماعت کے نزدیک یہ ضعیف ہے۔

شافعی فقہاء میں سے متولی نے تو یہاں تک صراحت کی ہے کہ جس نے اس طرح آمین کہا اس کی نماز ہی باطل ہو جائے گی[۱]۔

بعض "آمین" کے تلفظ میں معتاد حد سے زیادہ آواز بلند کرتے ہیں اور بعض تو اس کا تلفظ کرتے ہوئے سر اوپر اٹھا لیا کرتے ہیں، یہ سب طریقۂ نبوی کے خلاف ہے۔

کچھ اور امور بھی قابل توجہ ہیں:

۴۰/۶-اول: نبی اکرم ﷺ کا طریقہ تھا کہ آپ جب رحمت کی آیت سے گزرتے تو اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگتے، اور عذاب کی آیت سے گذرتے تو جہنم یا عذاب یا شر

۱- المجموع شرح المہذب (۳/۳۲۹) فتح الباری (۲/۲۶۵)

ومکروہ سے اس کی پناہ مانگتے،[1] لیکن یہ قیام اللیل (تہجد) میں ہوتا تھا[2]۔

اور صحیح اتباع کا تقاضا یہ ہے کہ آپ ﷺ سے وارد امر پر اکتفاء کیا جائے، اس میں رائے و قیاس کے ذریعہ توسع سے بچا جائے، کیوں کہ اگر یہ فرض نمازوں میں بھی مشروع ہوتا تو آپ کرتے، اور اگر کرتے تو منقول ہوتا، بلکہ نوافل سے زیادہ اس کے نقل کا اہتمام کیا جاتا (كما لا يخفىٰ)

۴۰/۷- دوم: امام جب سورۂ "تین" کی آیت "أليس الله بأحكم الحاكمين" پڑھتا ہے تو اکثر مقتدی "بلى وأنا على ذلك من الشاهدين" پڑھتے ہیں، اس پر دلالت کرنے والی حدیث سنداً ضعیف ہے، اس لیے کہ اس میں ایک راوی مبہم ہے[3]۔

۴۰/۸- سوم: امام جب "أليس ذلك بقادر على أن يحيي الموتى" کی تلاوت کرے تو "سبحانك فبلىٰ" کہنا بسند صحیح ثابت ہے۔

موسیٰ بن ابی عائشہ سے مروی ہے کہ ایک شخص اپنے گھر کے اوپر نماز پڑھ رہا تھا جب اس نے "أليس ذلك بقادر على أن يُحْيِيَ الموتى" پڑھا تو "سبحانك فبلى" کہا، لوگوں نے اس سے پوچھا، تو کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے[4]۔

۱- صحیح مسلم: کتاب صلاۃ المسافرین و قصرھا: باب استحباب تطویل القرآن فی صلاۃ اللیل (۷۷۲)
۲- حدیث میں اس کی صراحت نہیں ہے، البتہ اس موقع پر آپ کی قرأت کی طوالت اور حدیث پر بعض محدثین کی تبویب سے اس کی تائید ہوتی ہے۔
۳- یہ حدیث سنن ابی داود: تفریع ابواب الرکوع والسجود: باب مقدار الرکوع والسجود (۸۸۷) جامع ترمذی: ابواب تفسیر القرآن: تفسیر سورۃ والتین (۳۳۴۷) میں مروی ہے، لیکن ان دونوں ہی سندوں میں، اسی طرح ان تمام اسانید میں جنھیں حافظ مزی نے تحفۃ الاشراف (۱۱/۴۹۷۰) میں ذکر کیا ہے اعرابی مجہول ہیں لہذا حدیث ضعیف ہے جیسا کہ مؤلف نے صراحت کی ہے۔
۴- سنن ابی داود: تفریع ابواب الرکوع والسجود: باب الدعاء فی الصلاۃ (۸۸۴) علامہ البانی نے "صحیح سنن ابی داود" (۱/۱۶۸) میں حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

۴۰/۹- چہارم: بعض مقتدیوں کی ایک غلطی: کسی کو سنانے یا نماز کی طوالت سے امام کو متنبہ کرنے کی خاطر اس میں بلا عذر و ضرورت کھنکھارنا بھی ہے، ابن رشد کے بقول اس فعل کے مرتکب جہلاء ہی ہو سکتے ہیں، ایسا کرنے والا غلط حرکت کا مرتکب تو ہے لیکن اس پر کوئی شئی لازم نہیں، اس لیے کہ کھنکھارنے میں ذو معنی حروف تہجی نہیں پائے جاتے۔

۴۰/۱۰- پنجم: بعض ائمہ جہری یا سری نماز میں دوسری رکعت پہلی سے طویل کرتے ہیں، یہ عمل خلاف سنت ہے[1]۔

۴۰/۱۱- ششم: جہری نماز میں مقتدیوں کے سورہ فاتحہ پڑھنے کی خاطر سکتہ کی مشروعیت پر کوئی صحیح صریح دلیل موجود نہیں[2]۔

۱- اس لیے کہ آپ ﷺ پہلی کو دوسری سے کچھ طویل رکھتے تھے، جیسا کہ ابو قتادہؓ کی متفق علیہ روایت صراحت کرتی ہے۔

۲- مذکورہ سکتہ کی حدیث سنن ابو داود: تفریع ابواب استفتاح الصلاۃ: باب السکتۃ عند الافتتاح (۷۷۹-۷۸۰) جامع ترمذی: ابواب الصلاۃ: باب ماجاء فی السکتتین، (۲۵۱)، سنن ابن ماجہ: کتاب اقامۃ الصلاۃ والسنۃ فیھا: باب ماجاء فی سکتۃ الامام (۸۴۴-۸۴۵)، سنن دارمی: کتاب الصلاۃ: باب فی السکتتین (۱۳۵۵) مسند احمد (۵/۷، ۲۳) میں مروی ہے، اس حدیث کو ابو بکر جصاص اور علامہ البانی نے ضعیف قرار دیا ہے، ارواء الغلیل میں امام دار قطنی سے نقل کرتے ہوئے آپ نے تضعیف کی دو وجہیں ذکر کی ہیں، ایک یہ کہ حدیث عقیقہ کے علاوہ میں سمرہ سے حسن کا سماع مختلف فیہ ہے، دوسری یہ کہ وہ مدلس ہیں، اور تمام سندیں عن کے ساتھ مروی ہیں۔ البتہ مشکوۃ پر اپنی تعلیق میں فرماتے ہیں: اس کی سند ضعیف ہے لیکن اس لیے نہیں کہ سمرہ سے حسن کا سماع مختلف فیہ ہے کیوں کہ اس میں راجح یہی ہے کہ کچھ احادیث انھوں نے ان سے سنی ہیں، بلکہ اس لیے کہ انھوں نے مدلس ہونے کے باوجود عن کے ساتھ روایت کی ہے، نیز اس کے متن میں اضطراب ہے، کیوں کہ بعض رواۃ نے سکتہ ثانیہ "ولا الضالین" کے بعد ذکر کیا ہے اور بعض نے پوری قرأت سے فراغت کے بعد، "مشکوۃ بتعلیق البانی" (۱/۲۵۹)۔ اس کے برعکس امام ترمذی، علامہ ابن قیم، حافظ ابن حجر، علامہ شوکانی، صاحب تحفہ اور صاحب مرعاۃ نے حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔ گویا کہ ان ائمہ نے ان کی تدلیس کو اس کی قلت اور ان کی امانت و جلالت شان کے باعث قادح نہیں سمجھا، یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب "طبقات المدلسین" میں انھیں ایسے محدثین کے زمرے میں شامل کیا ہے جن کی تدلیس کو ائمہ حدیث نے انگیز کر لیا ہے اور صحیح میں ان سے روایت کی ہے۔ نیز حافظ ابن قیم نے مذکورہ اضطراب کا دفعیہ بھی کسی حد تک کیا ہے "زاد المعاد" (۱/۲۰۱)

۱۲/۴۰- ہفتم: بہت سے ائمہ جہری نماز میں معمولی قرأت پر اکتفاء کرتے ہیں، بعض تو قرآنی آیت "یا أیها الذین آمنوا......" سے اخیر سورہ تک چند آیتوں پر ہی کفایت کر لیتے ہیں، یہ عمل طریقۂ نبوی کے خلاف ہے۔

۱۳/۴۰- ہشتم: نبی اکرم ﷺ کے قول و فعل میں وارد ہلکی نماز سے مراد ایسی ہلکی نماز نہیں جس کی عادت نماز میں چوری کرنے، اور چونچ مارنے والوں نے ڈال رکھی ہے، انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کی نماز کو ہلکی نماز کے وصف سے متصف کرنے کے ساتھ مکمل نماز سے بھی متصف کیا ہے[۱] اور انھوں نے ہی اعتدال کے دونوں ارکان میں آپ ﷺ کی تطویل کو بیان کرتے ہوئے کہا ہے: حتی کہ لوگ کہتے تھے کہ آپ ﷺ کو وہم ہو گیا ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے[۲] اور عمر بن عبد العزیز کی نماز کو نبی اکرم ﷺ کی نماز کے مشابہ قرار دیا باوجودیکہ لوگوں نے اس میں (رکوع و سجود میں) دس تسبیحات کا اندازہ کیا[۳]۔

واضح رہے کہ بچے کے رونے پر نماز میں جو تخفیف آپ سے ثابت ہے تو یہ آپ سے ثابت شدہ نماز کی کیفیت کے معارض و مخالف نہیں، بلکہ خود اس حدیث میں صراحت ہے کہ: میں نماز میں اس کی تطویل کا ارادہ رکھتے ہوئے داخل ہوتا ہوں پھر بچے کے رونے کی آواز سن کر نماز ہلکی کر دیتا ہوں[۴]۔

۱- صحیح بخاری: کتاب الاذان: باب الایجاز فی الصلاۃ واکمالھا (۷۰۶)، صحیح مسلم: کتاب الصلاۃ: باب امر الائمۃ بتخفیف الصلاۃ فی تمام (۴۶۹)۔

۲- صحیح مسلم (۴۷۲، ۴۷۳)، سنن ابو داود (۸۵۳)، مسند احمد (۳/۲۷۴)، صحیح ابو عوانہ (۲/۱۳۵)۔

۳- سنن ابو داود (۸۸۸)، سنن نسائی: کتاب التطبیق: باب عدد التسبیح فی السجود (۱۱۳۵)، مسند احمد (۳/۱۶۲-۱۶۳)۔ حدیث کی سند کو علامہ البانی نے "حسن" قرار دیا ہے۔

۴- صحیح بخاری: کتاب الاذان: باب من اخف الصلاۃ عند بکاء الصبی (۷۰۷) و(۷۰۹) صحیح مسلم: کتاب الصلاۃ: باب امر الائمۃ بتخفیف الصلاۃ فی تمام (۴۶۹)۔

حاصل یہ ہے کہ ہلکی اور مختصر نماز (جس کا حکم دیا گیا ہے) اور لمبی نماز (جس سے روکا گیا ہے) ان دونوں کے سلسلے میں نہ کسی جماعت اور کسی مخصوص خطے و مذہب سے تعلق رکھنے والوں کی عادت کی طرف رجوع کرنا ممکن ہے، اور نہ مقتدیوں کی مرضی اور خواہش کی طرف اور نہ ہی نماز پڑھانے والے ائمہ کے اجتہاد و رائے کی طرف، اس طور پر تو کسی ایک امر کی تعیین ہو ہی نہیں سکتی، کیوں کہ لوگوں کی آراء اور ارادوں میں سخت اختلاف ہوگا، نماز کی شکل بگڑ جائے گی اور اس کی مقدار لوگوں کی خواہشات کے تابع ہو جائے گی جس سے شریعت قطعی طور پر محفوظ ہے، بلکہ اس کے لیے نبی اکرم ﷺ کے فعل کی طرف رجوع کیا جائے گا، آپ کے پیچھے کمزور، بوڑھے، بچے اور حاجت مند سب نماز پڑھتے تھے، مدینہ میں آپ ﷺ کے علاوہ کوئی امام نہیں تھا، آپ پر اللہ تعالیٰ کی بے شمار رحمتیں اور سلامتی ہو چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے کہ:

كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُ بِالتَّخْفِيفِ وَيَؤُمُّنَا بِالصَّافَّاتِ .

یعنی: رسول اللہ ﷺ نماز ہلکی پڑھنے کا حکم دیتے اور سورۂ "صافات" کی قراءت سے ہماری امامت کرتے[1]۔

۱۴۰/۱۴۱- ائمہ کی غلطیوں میں سے: اکثر اماموں کا نماز مغرب میں ہمیشہ چھوٹی سورتوں کا پڑھنا بھی ہے، یہ قرأت کامل طریقۂ نبوی پر نہیں ہے[2] بعض لوگ اس زبان زد عبارت "المغرب غریب" سے حجت پکڑتے ہیں۔

۱- سنن نسائی: کتاب الامامۃ: باب الرخصۃ للامام فی التطویل (۸۲۶)۔ علامہ البانی نے حدیث کو صحیح قرار دیا ہے "صحیح سنن نسائی" (۱۷۸/۱)

۲- اس لیے کہ اس میں آپ سے بسا اوقات سورہ طور اور سورہ مرسلات جیسی طویل سورتوں نیز سورہ اعراف اور انفال کا نصف حصہ پڑھنا بھی ثابت ہے، البتہ بالعموم آپ قصار مفصل ہی پر اکتفاء کرتے تھے۔

جب کہ اہل علم کے نزدیک صحیح مذہب یہ ہے کہ مغرب کا وقت شفق کے غائب ہونے تک ہے[1] اس سے شوافع کے جدید قول کہ مغرب کا آخری وقت وسیع نہیں ہوتا بلکہ وہ اس قدر تنگ ہوتا ہے کہ اس میں صرف وضو، ستر پوشی اور اذان و اقامت کی گنجائش ہوتی ہے کی تردید بھی ہو جاتی ہے[2]۔

۱۵/۴۰- نواں: اس مناسبت سے: قیام رمضان میں ان چونچ مارنے والوں کی قرأت پر تنبیہ ضروری ہے جو ہر رکعت میں ایک دو آیتوں سے آگے نہیں بڑھتے اور سمجھتے ہیں کہ وہ فرمان نبوی: "جو کسی قوم کی امامت کرے تو وہ نماز میں تخفیف کرے (نماز کو ہلکی پڑھے)"[3] کی عملی تطبیق کرتے ہیں، حالانکہ انھیں معلوم نہیں کی سلف صالحین رضوان اللہ علیہم اجمعین ان سے زیادہ سمجھدار اور معنی حدیث کے جان کار تھے، ان کی نماز کی کیفیت اور اس میں ان کے نزدیک تخفیف کا مطلب ملاحظہ ہو:

امام مالک نے محمد بن یوسف سے انھوں نے سائب بن یزید سے روایت کی، وہ کہتے ہیں کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب اور تمیم داری رضی اللہ عنہما کو حکم دیا کہ لوگوں کو گیارہ رکعت پڑھائیں، وہ فرماتے ہیں: قاری سو آیتیں پڑھتا تھا حتی کہ ہم قیام کے لمبا ہونے کے باعث لاٹھیوں پر ٹیک لگاتے تھے اور ہم فجر سے کچھ ہی پہلے لوٹ پاتے تھے[4]۔

۱- خود شافعی فقہاء و محدثین میں سے ابو بکر بن خزیمہ، ابو سلیمان الخطابی، بیہقی، غزالی، بغوی، مزنی، ابن الصلاح اور نووی نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے "المجموع" (۳/۳۴)۔

۲- المہذب مع شرحہ المجموع (۳/۳۲)

۳- صحیح بخاری: کتاب الاذان: باب اذا صلی لنفسہ فلیطول ماشاء (۷۰۳)، صحیح مسلم: کتاب الصلاۃ: باب امر الائمۃ بتخفیف الصلاۃ فی تمام (۴۶۷)

۴- مؤطا امام مالک (۴۰) باب ماجاء فی قیام رمضان۔

نیز انھوں نے داود بن حصین سے روایت کی، انھوں اعرج کو کہتے ہوئے سنا:

''میں نے لوگوں کو رمضان میں کفار پر لعنت کرتے ہوئے ہی پایا'' مزید فرمایا: قاری آٹھوں رکعتوں میں سورۂ بقرہ پڑھتا تھا، اور جب اسے بارہ رکعتوں میں پڑھتا تو لوگ سمجھتے کہ اس نے نماز ہلکی پڑھائی ہے [۱]۔

۱۶/۴۰- دسواں: اکثر ائمہ قرأت کو رکوع کی تکبیر سے ملاتے ہیں، یہ عمل صحیح نہیں، درست یہ ہے کہ رکوع سے پہلے خاموشی اختیار کی جائے یہاں تک کہ آدمی سانس لے لے، امام احمد فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ قرأت کے بعد رکوع سے پہلے سانس لینے کی مقدار میں خاموش رہتے تھے [۲]، اکثر اماموں کا عمل اس کے برخلاف ہے۔

۱۷/۴۰- گیارہواں: بیشتر ائمہ جمعہ کی رات عشاء کی نماز میں سورۂ جمعہ کی تلاوت کا التزام کرتے ہیں حالانکہ اس سلسلے میں وارد حدیث صحیح نہیں [۳] لہذا اس سے اس کا مستحب یا سنت ہونا ثابت نہیں ہوتا اور اس کی پابندی بدعت کے قبیل سے ہے۔

۱۸/۴۰-: اکثر ائمہ کی غلطیوں میں سے: قرأت میں کثرت لحن بھی ہے، البتہ ان میں سے اکثر سے لحن خفی کا صدور ہوتا ہے جلی کا نہیں [۴] لہذا یہ نماز کو باطل کرنے والا

۱- موطا امام مالک (۴۰) باب ما جاء فی قیام رمضان۔

۲- ملاحظہ ہو: المغنی لابن قدامۃ (۱/ ۵۳۷)، ارواء الغلیل (۲/ ۲۸۴-۲۸۸)، تمام المنۃ (ص ۱۸۷-۱۸۸)

۳- اس سے اشارہ جابر بن سمرہ کی اس روایت کی طرف ہے: ''کان رسول اللہ ﷺ یقرأ فی صلاۃ المغرب لیلۃ الجمعۃ ''قل یا ایھا الکافرون، قل ھو اللہ احد'' وکان یقرأ فی صلاۃ العشاء الاخیرۃ لیلۃ الجمعۃ سورۃ الجمعۃ والمنافقون'' ''صحیح ابن حبان'' (۴۰۳۰)، اس کی سند میں ''سماک بن سعید'' موجود ہیں، ان کی بجز ابن حبان کے کسی نے توثیق نہیں کی ہے، ابو حاتم نے انھیں ''متروک الحدیث'' کہا ہے ''الجرح التعدیل'' (۴/ ۳۲) لہذا حدیث ضعیف ہے، جیسا کہ مؤلف نے صراحت کی ہے۔

۴- ایسی غلطی کہ ایک حرف دوسرے حرف سے بدل گیا ہو یا کوئی حرف گھٹا بڑھا دیا گیا یا حرکات میں غلطی کی گئی یا ساکن کو متحرک اور متحرک کو ساکن کر دیا گیا لحن جلی کہلاتی ہے، اور اگر ایسی غلطی ہوئی جس سے لفظ کا حرف مع حرکت اور سکون کے ثابت رہے صرف بعض صفات جو تحسین حروف سے تعلق رکھتی ہیں اور غیر ممیزہ ہیں ادا نہ ہوں لحن خفی کہلاتی ہے۔ (فوائد مکیہ)۔

تو نہیں ہے لیکن مکروہ ضرور ہے، امام نووی "المجموع" (۴/ ۱۴۹) میں فرماتے ہیں: اگر امام قرأت میں غلطی کرتا ہے تو اس کی امامت مطلقاً مکروہ ہے، امام ابن قدامہ "الکافی" (۱/ ۱۸۸) میں فرماتے ہیں: بکثرت غلطی کرنے والے کی امامت مکروہ ہے اس لیے کہ یہ ایسا نقص (عیب) ہے جس سے ثواب کا بعض حصہ فوت ہو جاتا ہے۔

۴۱- نماز کے افعال امام سے پہلے یا اس کے ساتھ انجام دینا

جماعت کی نماز میں مقتدیوں کا امام سے پہلے یا اس کے ساتھ ارکان کو ادا کرنا سخت منع ہے اس سلسلے میں وارد چند احادیث ملاحظہ ہوں:

عَنْ أَنَسٍ قَالَ: صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ، فَلَمَّا قَضَى الصَّلَاةَ أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ، فَقَالَ: « أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي إِمَامُكُمْ فَلَا تَسْبِقُونِي بِالرُّكُوعِ وَلَا بِالسُّجُودِ وَلَا بِالْقِيَامِ وَلَا بِالانْصِرَافِ ».

یعنی: انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن نماز پڑھانے کے فوراً بعد ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: "لوگو! میں تمہارا امام ہوں، اس لیے تم رکوع، سجدہ، قومہ (رکوع سے اٹھنے) اور سلام میں مجھ سے سبقت نہ کرو"[۱]۔

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ مُحَمَّدٌ ﷺ: « أَمَا يَخْشَى الَّذِي يَرْفَعُ رَأْسَهُ قَبْلَ الإِمَامِ أَنْ يُحَوِّلَ اللَّهُ رَأْسَهُ رَأْسَ حِمَارٍ ».

یعنی: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ محمد ﷺ نے فرمایا: "کیا وہ شخص جو اپنا سر امام سے پہلے اٹھاتا ہے اس بات سے نہیں ڈرتا کہ اللہ تعالیٰ اس کا سر گدھے کے سر

۱- صحیح مسلم: کتاب الصلاۃ: باب تحریم سبق الامام برکوع او سجود او نحوھما (۴۲۶)

سے بدل دے"[1] بزار اور طبرانی نے یہ الفاظ زیادہ کیے ہیں:

((الذي يخفض ويرفع قبل الإمام انما ناصيته بيد الشيطان.))

یعنی: جو امام سے پہلے سر جھکاتا اور اٹھاتا ہے، اس کی پیشانی شیطان کے ہاتھ میں ہے[2]

وَعَنْ الْبَرَاءِ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا قَالَ: « سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ »، لَمْ يَحْنِ أَحَدٌ مِنَّا ظَهْرَهُ حَتَّى يَقَعَ النَّبِيُّ ﷺ سَاجِدًا، ثُمَّ نَقَعُ سُجُودًا بَعْدَهُ ».

یعنی: براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب "سمع الله لمن حمده" کہتے تو ہم میں سے کوئی اپنی پشت (پیٹھ) نہیں جھکاتا تھا یہاں تک کہ آپ سجدہ میں چلے جاتے، پھر ہم آپ کے بعد سجدے میں جاتے[3]۔

وَعَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: « إِنِّي قَدْ بَدَّنْتُ فَلَا تَسْبِقُونِي بِالرُّكُوعِ، وَلَا بِالسُّجُودِ، فَإِنَّهُ مَهْمَا أَسْبِقْكُمْ حِينَ أَرْكَعُ تُدْرِكُونِي حِينَ أَرْفَعُ، وَمَهْمَا أَسْبِقْكُمْ حِينَ أَسْجُدُ تُدْرِكُونِي حِينَ أَرْفَعُ ».

معاویہ بن ابو سفیان رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: "میرا بدن بھاری ہو گیا ہے، تم رکوع و سجدہ میں جاتے ہوئے مجھ سے سبقت نہ کرو، کیوں کہ جس قدر تم سے پہلے میں رکوع میں جاؤں گا اتنا تم پالو گے، جب میں تم سے

۱- صحیح بخاری: کتاب الاذان: باب اثم من رفع رأسہ قبل الامام (۶۹۱)، صحیح مسلم: کتاب الصلاۃ: باب تحریم سبق الامام برکوع او سجود او نحوھما (۴۲۷)۔

۲- اس کو علامہ ہیثمی نے مجمع الزوائد (۲/۷۸) کتاب الصلاۃ: باب متابعۃ الامام میں ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ: "اس کی سند حسن ہے"۔

۳- صحیح بخاری: کتاب الاذان: باب متی یسجد من خلف الامام (۶۹۰)، باب السجود علی سبعۃ اعظم (۸۱۱)، صحیح مسلم: کتاب الصلاۃ: باب متابعۃ الامام والعمل بعدہ (۴۷۴)۔

پہلے سر اٹھاؤں گا، اسی طرح جس قدر تم سے پہلے سجدہ میں جاؤں گا، اتنا تم پالو گے جب میں تم سے پہلے سجدہ سے سر اٹھاؤں گا"۔[1]

وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: « إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَلَا تَسْبِقُوا قَارِئَكُمْ بِالرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ وَلٰكِنْ هُوَ يَسْبِقُكُمْ ».

یعنی: سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب تم نماز میں کھڑے ہو تو رکوع اور سجدہ میں اپنے امام سے سبقت نہ کرو، بلکہ وہ تم سے سبقت کرے"۔[2]

۴۱/۱- ان احادیث سے ایسے مقتدیوں کی غلطی واضح ہو جاتی ہے جو نماز کے افعال امام کے ساتھ ساتھ انجام دیتے ہیں، بلکہ بعض تو اس سے سبقت بھی کر جاتے، جب کہ سبقت مذکورہ احادیث کے باعث بالاتفاق حرام ہے، کیوں کہ ان احادیث میں اس پر مسخ کی وعید ہے جو سخت ترین سزاؤں میں سے ہے، اور اگر یہ سبقت تکبیر تحریمہ یا سلام میں ہے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی، البتہ دیگر ارکان میں ہونے کی صورت میں اس کی نماز صحیح ہو گی بشرطیکہ اس رکن میں امام کا انتظار کر لے، لیکن اس کا یہ فعل حرام اور گناہ کا باعث بہر حال ہو گا۔

۴۱/۲- مشاہدے میں یہ بات آئی ہے کہ امام پر سبقت کرنے والوں میں سے اکثر سب سے پہلے مسجد پہنچنے والوں میں سے ہوتے ہیں، ان کے اس فعل پر اللہ کی پناہ! کیوں کہ وہ لمبے انتظار کے باوجود کچھ بھی ثواب حاصل نہیں کر سکے، اے کاش! معاملہ

۱- سنن دارمی: کتاب الصلاۃ: باب النھی عن مبادرۃ الائمۃ بالرکوع والسجود (۱۳۲۱)، علامہ البانی نے حدیث کو "حسن" قرار دیا ہے، "سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ" (۱۷۲۵)

۲- مسند بزار: کتاب الصلاۃ: باب تاخیر افعال المأموم (۴۷۳)، حدیث اپنے شواہد کی بنیاد پر صحیح ہے، "سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ" (۱۳۹۳)

یہیں تک محدود ہوتا، بلکہ وہ متعدد سزاؤں کے بھی مستحق ہوئے۔

اس کے بالمقابل:

۴۱/۳- دوسرا فریق سجدہ اور اس سے اٹھنے یا رکوع اور اس سے اٹھ کر سیدھا کھڑے ہونے میں امام سے پیچھے رہتا ہے، بعض کی حالت تو یہ ہے کہ دوسری رکعت کے لیے امام کے کھڑے ہو جانے کے بعد بھی وہ جلسۂ استراحت میں اس کی مدت سے زائد وقت تک باقی رہ جاتے پھر سستی کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں، ان سب کا عمل فرمان نبوی: "إِنَّمَا جُعِلَ الإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ، فَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا، وَإِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوا" (امام کو اس لیے مقرر کیا گیا ہے تاکہ اس کی پیروی کی جائے، جب وہ رکوع کرے تو رکوع کرو، اور رکوع سے سر اٹھائے تو تم بھی اٹھاؤ[1]) کے خلاف ہے۔

۴۱/۴- اس مناسبت سے اس قسم کے ائمہ کی غلطی پر تنبیہ ضروری ہے جو نماز کے ارکان میں اس قدر جلدی سے کام لیتے ہیں کہ طمانینت کا حریص مذکورہ تاخیر کے بغیر ان ائمہ کی متابعت پر قادر نہیں ہو سکتا، انھیں چاہئے کہ اپنی نماز کی فکر کریں، ان کے اعمال کی خطرناکی مذکور ہو چکی، اللہ تعالیٰ ہی سے مدد کی طلب ہے اس کے علاوہ کوئی رب نہیں۔

۴۲- مسبوق (جو نماز میں بعد میں شریک ہوا) کا رکوع میں جاتے ہوئے تکبیر تحریمہ کہنا

باجماعت نماز میں مسبوقین کی غلطیوں میں سے:

۴۲/۱- رکعت شمار ہونے کی خاطر امام کے ساتھ رکوع پانے کی لالچ میں بحالت قیام تکبیر تحریمہ سے اعراض کرنا بھی ہے، چنانچہ بعض رکوع میں جاتے ہوئے تکبیر کہتے ہیں،

۱- صحیح بخاری: کتاب الاذان: باب انما جعل الامام لیؤتم بہ (٦٨٨)، صحیح مسلم: کتاب الصلاۃ: باب ائتمام الماموم بالامام (۴۱۲)۔

یہ فعل فرمانِ نبوی: ”جب تم نماز کے لیئے کھڑے ہو تو تکبیر کہو“[۱] کے منافی ہے۔

۲/۴۲- تکبیر تحریمہ کے بعد اور رکوع میں جانے سے پہلے نیت باندھنے پر (امام کے رکوع میں جاتے وقت یا جانے کے بعد نماز میں شامل ہونے والے) بعض نمازیوں کا جو عمل ہے اس کی کوئی ضرورت نہیں، کیوں کہ نیت باندھنا بحالت قرأت مشروع ہے اور یہ حالت قرأت نہیں ہے۔

۴۳- مسبوق کا دعاء استفتاح میں مشغول ہونا، نیز جماعت میں شامل ہونے میں تاخیر کرنا

۱/۴۳- بعض مسبوقین کی غلطیوں میں سے:

بااطمینان دعاء استفتاح پڑھنا اور تعوذ وبسملہ (اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھنے) میں اس طرح مشغول ہونا بھی ہے کہ وہ اس سے اس وقت فارغ ہو پاتے ہیں جب امام رکوع میں جا چکا ہوتا ہے یا اس کے قریب ہوتا ہے۔

۲/۴۳- جماعت میں شامل ہونے میں تاخیر کرنا، اور اس کے لیے امام کے قیام کا انتظار کرنا، اس حالت میں فرمانِ نبوی: ”جب اقامت سنو تو نماز کے لیے معمولی چال سے چلتے ہوئے آؤ، اور اپنے اوپر سکون ووقار لازم کر لو، دوڑو نہیں، پھر جتنی نماز ملے پڑھ لو، اور جو چھوٹ جائے اسے پورا کر لو“[۲] کی مخالفت کے ساتھ سجدہ کی فضیلت بھی اس سے چھوٹ جاتی ہے جس کا ذکر بہت سی احادیث میں ہے۔

ایک غلطی یہ بھی ہے:

۳/۴۳- کہ جب انھیں صف میں جگہ یا کشادگی نہیں ملتی تو اپنے ساتھ صف

۱- صحیح بخاری: کتاب الاذان: باب وجوب القرأۃ للامام والماموم فی الصلوات کلھا (۷۵۷)، کتاب الاذان: باب امر النبیؐ الذی لایتم رکوعہ بالاعادۃ (۷۹۳)، صحیح مسلم: کتاب الصلاۃ: باب وجوب قرأۃ الفاتحہ فی کل رکعۃ الخ (۳۹۷)۔

۲- صحیح بخاری: کتاب الاذان: باب لایسعی الی الصلاۃ، ولیأت بالسکینۃ والوقار (۶۳۶)۔

بندی کی خاطر آخری صف سے کسی کو کھینچ لیتے ہیں، اس سلسلے میں وارد احادیث صحیح نہیں ہیں[1] اس لیے اس عمل پر کوئی صحیح شرعی دلیل نہیں۔

۴/۴۳- بعض مقتدیوں کی ایک غلطی یہ ہے: کہ وہ اگلی صف پوری ہونے سے پہلے نئی صف قائم کر لیتے ہیں یا اگلی صف کی تکمیل کے بعد نئی صف بناتے لیکن امام کے دائیں یا بائیں جانب کے آخری حصے سے، حالانکہ درست یہ ہے کہ اس کے پیچھے کھڑا ہوا جائے۔ اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔

۵/۴۳- بعض مقتدیوں کی ایک غلطی یہ بھی ہے کہ رکوع سے امام کے فارغ ہونے کے بعد نماز میں داخل ہونے پر وہ رکوع میں اس وقت جاتے ہیں جب امام اس سے اٹھ چکا ہوتا ہے، اس کے باوجود ایک رکعت شمار کر لیتے ہیں، یہ عمل غلط ہے۔ حاصل یہ کہ امام کے ساتھ مقتدی کی تین حالتیں ہیں، یا تو وہ اس کے ساتھ رکوع پا لے، اس صورت میں وہ اس کو رکعت شمار کر لے گا، یا اس کے ساتھ رکوع نہ پائے تو اسے وہ رکعت شمار نہیں کرے گا، یا اسے شک ہو جائے، اس صورت میں اس کا اعتبار نہیں کرے گا، بلکہ اقل (سب سے کم) پر اعتماد کر کے سجدہ سہو کرے گا، آخر الذکر ایسا مسئلہ ہے جس کے بارے میں فقہاء نے کہا ہے کہ میں اسے پسند کرتا ہوں اور یہ خواہش رکھتا ہوں کہ اسے دوسروں کو سکھلاؤں۔

---

[1]- اس مسئلہ میں تین احادیث وارد ہیں: ایک وابصہ بن معبد رضی اللہ عنہ کی حدیث جو معجم اوسط طبرانی مسند ابو یعلیٰ اور سنن بیہقی میں ہے، دوسری حدیث ابن عباس کی جو معجم اوسط طبرانی میں ہے اور تیسری حدیث مقاتل بن حیان کی جو مراسیل ابوداؤد میں ہے۔ لیکن یہ تینوں حدیثیں ضعیف ہیں، اول الذکر میں سری بن اسماعیل متروک ہیں، اس کی دوسری سند تاریخ اصبہان لابی نعیم میں ہے اس میں قیس بن ربیع ضعیف ہیں، ابن عباس کی روایت میں بشر بن ابراہیم "ضعیف جدا" ہیں، اس سند کو حافظ نے "واہی" (ضعیف) قرار دیا ہے، تیسری حدیث ارسال کے باعث ضعیف ہے، تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: نیل الاوطار (۲۲۹/۳) مجمع الزوائد (۹۶/۲) کتاب الصلاۃ: باب ما یفعل من جاء بعد تمام الصف۔

باجماعت نماز کے ثواب سے متعلق نمازیوں کی غلطیاں، نیز اس سے پیچھے رہنے والوں کی بعض غلطیاں اور نماز باجماعت ترک کرنے والوں کے حق میں وعید شدید

- ❊ بیت المقدس میں نماز کا ثواب۔
- ❊ مساجد کے علاوہ دوسری جگہوں میں باجماعت نماز۔
- ❊ دوسری جماعت کا قیام، ایک مسجد میں متعدد جماعتیں، اور مخالف مسلک کے پیچھے نماز سے احتراز۔
- ❊ جماعت سے پیچھے رہنے پر وعید شدید۔

۴۴- بیت المقدس میں نماز پڑھنے کا ثواب

۱/۴۴- عوام کے ساتھ ساتھ بعض خواص کے درمیان بھی مشہور ہے کہ بیت المقدس میں ایک نماز کا ثواب پانچ سو نمازوں کے برابر ہے، اس سلسلے میں ان کا اعتماد جابر رضی اللہ عنہ کی درج ذیل مرفوع روایت پر ہے:

«صَلَاةٌ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ مِئَةُ أَلْفِ صَلَاةٍ، وَصَلَاةٌ فِي مَسْجِدِيْ أَلْفُ صَلَاةٍ، وَفِي بَيْتِ الْمَقْدِسِ خَمْسُ مِأَةِ صَلَاةٍ».

''مسجد حرام میں ایک نماز کا اجر و ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر، مسجد نبوی میں ایک نماز ایک ہزار نمازوں کے برابر اور بیت المقدس میں ایک نماز پانچ سو نمازوں کے برابر ہے''[۱]۔

لیکن صحیح و محفوظ قول یہ ہے کہ مسجد اقصیٰ میں نماز دیگر مسجدوں کی ڈھائی سو نمازوں کے برابر ہے سوائے مکہ و مدینہ کی دونوں مسجدوں (مسجد حرام و مسجد نبوی) کے، کیوں کہ انہیں بیت المقدس پر فضیلت حاصل ہے، چنانچہ امام ابن ماجہ نے سنن (۱۴۰۶) اور امام احمد نے مسند (۳/۳۴۳، ۳۹۷) میں جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی اکرم

۱- الجامع لشعب الایمان (۸/۸۲-۸۳) باب اتیان المدینۃ وزیارۃ قبر النبی ﷺ (۴۸۳۸) الکامل لابن عدی (۷/۲۶۷۰) اخبار اصبہان لابی نعیم (۲/۸۱)۔ یہ حدیث ضعیف ہے، اس لیے کہ اس کی سند میں ''ابراہیم بن ابی حیۃ'' موجود ہیں، جنھیں امام بخاری نے ''منکر الحدیث'' دار قطنی نے ''متروک'' قرار دیا ہے، نیز ابن حبان نے وضع کے ساتھ متہم کیا ہے، اسی بنیاد پر علامہ البانی نے اس کو ''ضعیف جدا'' کہا ہے ''ضعیف الجامع الصغیر'' (۳۵۲۱) ارواء الغلیل (۴/۳۴۳)

البتہ یہ حدیث انھیں الفاظ میں ابو الدرداءؓ سے بھی مروی ہے جسے علامہ منذری نے ''الترغیب والترہیب'' (۱۸۰۳) میں ذکر کرنے کے بعد صحیح ابن خزیمہ، طبرانی کبیر اور بزار کی طرف منسوب کیا ہے۔ اس حدیث کو علامہ البانی نے ''منکر'' قرار دیا ہے، ملاحظہ ہو: ''ضعیف الترغیب والترہیب'' (۷۵۷) ''الضعیفۃ'' (۵۳۵۵) ''ارواء الغلیل'' (۴/۳۴۳)۔

ﷺ نے فرمایا: ”میری مسجد میں ایک نماز دوسری مساجد کی ہزار نمازوں سے افضل ہے سوائے مسجد حرام کے، اور مسجد حرام میں ایک نماز دوسری مسجدوں کی لاکھ نمازوں سے افضل ہے“، اس حدیث کی سند صحیح اور شیخین (بخاری و مسلم) کی شرط پر ہے، ہمارے اس قول کی دلیل ابوذر رضی اللہ عنہ سے ثابت حدیث ہے، وہ کہتے ہیں:

تَذَاكَرْنَا وَنَحْنُ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ أَيُّهُمَا أَفْضَلُ، أَمَسْجِدُ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ أَمْ بَيْتُ الْمَقْدِسِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: « صَلَاةٌ فِي مَسْجِدِي أَفْضَلُ مِنْ أَرْبَعِ صَلَوَاتٍ فِيهِ، وَلَنِعْمَ الْمُصَلَّي هُوَ، وَلَيُوشِكَنَّ لأَنْ يَكُونَ لِلرَّجُلِ مِثْلُ شَطْنِ فَرَسِهِ مِنَ الأَرْضِ حَيْثُ يَرَي مِنْهُ بَيْتَ الْمَقْدِسِ خَيْرٌ لَهُ مِنَ الدُّنْيَا جَمِيعًا » قَالَ: أَوْ قَالَ: «خَيْرٌ لَهُ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا».

ہم نے نبی اکرم ﷺ کے پاس مذاکرہ کیا کہ ان دونوں میں سے کون افضل ہے: مسجد نبوی یا مسجد اقصیٰ؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”میری مسجد میں ایک نماز بیت المقدس کی چار نمازوں سے افضل ہے، اور کتنا ہی اچھا ہے وہ نمازی، اور قریب ہے کہ اس مقام پر جہاں سے بیت المقدس نظر آئے آدمی کے پاس گھوڑا باندھنے کے برابر زمین ہونا اس کے لیے تمام چیزوں سے بہتر ہو“ (راوی نے) کہا: یا آپ نے یہ فرمایا: ”اس کے لیے دنیا و مافیہا سے بہتر ہو“[1]۔

۱- الجامع لشعب الایمان (۸/۸۳-۸۴) باب إتیان المدینۃ وزیارۃ قبر النبیؐ الخ (۳۸۴۹) فضائل بیت المقدس (۵۱-۵۲) مجمع الزوائد (۴/۷) بحوالہ معجم اوسط للطبرانی، الترغیب والترہیب للمنذری (۲/۱۹۵) باب الترغیب فی الصلاۃ فی المسجد الحرام ومسجد المدینۃ وبیت المقدس وقباء (۱۸۰۷)۔ اس حدیث کے متعلق علامہ ہیثمی نے کہا ہے: ”رجالہ رجال الصحیح“ منذری نے بھی صراحت کی ہے: ”رواہ البیہقی باسناد لا باس بہ وفی متنہ غرابۃ“، علامہ البانی نے بھی حدیث کو ”صحیح“ کہا ہے۔ ”صحیح الترغیب والترہیب“ (۱۱۷۹)۔

لہذا ''بیت المقدس میں نماز پانچ سو نمازوں کے برابر ہے'' کی زیادتی صحیح نہیں۔

اس مناسبت سے:

۲ر ۴۴- ان لوگوں کی غلطی کی طرف اشارہ مناسب ہے جو مسجد حرام اور مسجد نبوی کے اضافہ کردہ حصے میں نماز پڑھنے سے اجتناب یہ گمان کرتے ہوئے کرتے ہیں کہ اس طور پر وہ جابر رضی اللہ عنہ کی سابقہ حدیث میں وارد اجر سے محروم رہیں گے[1]۔

۴۵- مساجد کے علاوہ دوسری جگہوں میں باجماعت نماز

بہت سے باطل پرست جب اپنی دنیاوی مجلسوں میں حق وباطل میں مشغول ہوتے یہاں تک کہ اذان کا وقت قریب ہو جاتا ہے تو یہ گمان کرتے ہیں کہ ان کی اس مجلس میں نماز کی ادائیگی سے مسجد میں جماعت کا حکم ان سے ساقط ہو جائے گا، اور وہ جماعت کا ثواب ویسے ہی پالیں گے جیسا کہ انھوں نے مسجد میں ادا کیا ہو، گرچہ مسجد ان سے چند میٹر دور ہی کیوں نہ ہو، یہ سوچ باطل اور صحیح احادیث کے خلاف ہے، چنانچہ صحیح بخاری میں باجماعت نماز کی فضیلت میں یہ قید لگی ہوئی ہے کہ ''پھر مسجد کی طرف نکلے'' اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جماعت شریعت کی نگاہ میں مساجد میں ہے گھروں میں نہیں، یہی وہ شئی ہے جس پر سلف اعتقاد وعمل کے اعتبار سے قائم تھے، برخلاف دور حاضر کے اکثر خوشحال لوگوں کے جو اپنے گھروں میں نماز قائم کرتے ہیں ''لا حول ولا قوة إلا بالله''۔

اس کے بالمقابل ایک دوسرا فریق ہے جو باجماعت نماز کے لیے تیمم کرتا ہے باوجودیکہ وہ وضو یا غسل کی صورت میں بھی وقت کے اندر نماز کی ادائیگی پر قادر ہوتا ہے،

۱- مسجد نبوی کے سلسلے میں یہی موقف امام نووی اور علامہ سبکی کا ہے، حافظ ابن حجر نے بھی اس پر سکوت اختیار کیا ہے۔ لیکن امام ابن تیمیہ اور محب طبری نے آثار کی روشنی میں اس کی تردید فرمائی ہے ملاحظہ ہو: تحفۃ الاحوذی (۱/۲۶۹)

دونوں فریق غلطی اور تقصیر کا شکار ہیں، اللہ ہی ہدایت دینے والا ہے۔

۴۶- دوسری جماعت کا قیام، ایک مسجد میں متعدد جماعتیں اور مخالف مسلک کے پیچھے نماز سے اجتناب

۱/۴۶- پہلی اور اصل جماعت سے پیچھے رہنے والوں کی ایک غلطی امام راتب (مستقل امام) یا اس کے نائب کی جماعت کے بعد دوسری جماعت قائم کرنا بھی ہے، فقہاء کی ایک جماعت اسے ممنوع قرار دیتی ہے اور ایسی مسجد جس میں ایک دفعہ نماز ہو چکی ہو اس میں فرداً فرداً نماز کو باجماعت نماز پر ترجیح دیتی ہے، ائمہ دین: سفیان ثوری، ابن مبارک، مالک، شافعی، اوزاعی، زہری، عثمان بتی، ربیعہ، ابو حنیفہ: ان کے صاحبین: ابو یوسف ابو محمد، قاسم، یحییٰ بن سعید، سالم بن عبد اللہ، ابو قلابۃ، عبد الرزاق، ابن عون، ایوب سختیانی، حسن بصری، علقمہ، اسود، نخعی، اور ابن مسعود کا یہی مذہب ہے[۱]۔

۱- اس کے بر خلاف بشمول امام احمد و اسحاق علماء کی ایک جماعت اس کی مشروعیت کا مذہب رکھتی ہے، صحیح نقل کے مطابق یہی مذہب انس اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا بھی ہے، اس کے خلاف کسی بھی صحابی سے ثابت نہیں جیسا کہ حافظ ابن حزم نے محلی (۴/۲۳۸) میں صراحت کی ہے۔ مؤلف کی تحریر (رقم: ۲/۴۶) میں مذکور حدیث "کوئی شخص ہے جو اس پر صدقہ کرے" نیز متفق علیہ حدیث نبوی "باجماعت نماز تنہا نماز سے ۲۷ درجہ افضل ہے" اسی طرح سنن ابو داود (۵۵۴) میں بسند حسن مروی حدیث نبوی "ایک شخص کی نماز دوسرے شخص کے ساتھ اس کے تنہا پڑھنے سے بہتر ہے" سے اسی موقف کی تائید ہوتی ہے۔ انھیں احادیث کی روشنی میں شیخ ابن بازؒ نے جماعت کے بعد مسجد میں پہنچنے والے اشخاص پر باجماعت نماز کی ادائیگی کو واجب قرار دیا ہے، البتہ اسے پہلی جماعت کی حیثیت حاصل نہیں ہو پائے گی، اس کے بر خلاف عدم مشروعیت کے قائلین کے پاس بجز اس مصلحت کے کہ اس صورت میں لوگوں کے اندر جماعت اولی کا اہتمام نہیں رہ جائے گا، نیز مبتدعین واہل اہواء کو اپنی الگ جماعت قائم کرنے کا موقع مل جائے گا کوئی واضح دلیل نہیں۔ ظاہر ہے کہ حدیث نبوی کے سامنے کسی کی رائے کی کوئی حیثیت نہیں، نیز مذکورہ مصالح دوسرے طریقہ سے بھی حاصل ہو سکتے ہیں، اس لیے ان کے باعث ایک مشروع شئی کو غیر مشروع قرار دینا درست نہیں، اس سلسلے میں اقوال وادلہ کی مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: مرعاۃ المفاتیح (۴/۱۰۳-۱۰۷)۔

۴۶/۲- بلا قصد و عادت جماعت سے پیچھے رہنے والے کے لیے مناسب ہے کہ ایسے شخص کو تلاش کرے جس نے اپنی نماز ادا کرلی ہو، تاکہ وہ (اس کے ساتھ باجماعت نماز پڑھ کر) اس پر صدقہ کرے، اس سلسلے میں کوئی اختلاف نہیں، یہ صورت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں منصوص ہے: "کوئی شخص ہے جو اس پر صدقہ کرے"[۱]۔

۴۶/۳- امام کے لیے جائز نہیں کہ وہ نماز کو دوبارہ دہرائے اور دوسری نماز کو فوت ہونے والی نماز کی قضاء یا نفل وغیرہ قرار دے، اس کے بدعت ہونے پر ائمہ کرام کا اتفاق ہے، جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے صراحت کی ہے[۲]۔

۴۶/۴- راستے کی مسجدوں میں جہاں متعین امام و مؤذن نہیں ہوتے جماعت کی تکرار مکروہ نہیں۔

یہ کراہت تو صرف ایسی مسجد میں ہے جس میں امام متعین ہو اور اس نے متعین وقت پر نماز پڑھ لی ہو، نائب امام کا حکم وہی ہے جو اصل کا ہے، نیز امام راتب تمام نمازوں کے لیے ہو یا بعض نمازوں کے لیے، حکم یکساں ہے۔

۴۶/۵- ایک ہی مسجد میں بیک وقت فرض نماز کے لیے متعدد جماعتیں کرنا

۱- سنن ابوداود: کتاب الصلاۃ: باب فی الجمع فی المسجد مرتین (۵۷۴)، سنن دارمی: کتاب الصلاۃ: باب فی الجماعۃ فی مسجد قد صلی فیہ مرۃ (۱۴۸۵) مسند احمد (۳/ ۶۴، ۸۵، ۵/ ۲۴۹، ۲۶۹) علامہ البانی نے حدیث کو "صحیح" قرار دیا ہے، صحیح سنن ابوداود (۱/ ۱۱۵)۔

۲- مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ (۲۳/ ۲۸۲-۲۸۳)

البتہ خود امام ابن تیمیہ کی صراحت کے مطابق یہ اتفاق اس صورت میں ہے جب ایک ہی فرض نماز ایک ہی جماعت کو دو بار پڑھائے، لیکن اگر وہی نماز دوسری جماعت کو پڑھاتا ہے تو یہ مختلف فیہ ہے، امام شافعی اور ایک روایت کے مطابق امام احمد کے نزدیک جائز ہے اور امام ابو حنیفہ امام مالک اور ایک روایت کے مطابق امام احمد کے نزدیک حرام ہے۔

میرے نزدیک صحیح موقف یہ ہے کہ اگر بلا ضرورت ایسا کرتا ہے تو حرام ہے، لیکن اگر کبھی ضرورتاً کیا ہے تو جائز و درست ہے، جیسا کہ معاذ بن جبل کا عشاء کی نماز نبی اکرمؐ کے ساتھ ادا کرنے کے بعد اسی نماز کے لئے اپنی قوم کی امامت کرنا متفق علیہ روایت سے ثابت ہے (واللہ اعلم بالصواب)۔

بالاتفاق حرام ہے۔

۴۶/۶- ایسی مسجد جس میں امام راتب ہو اس میں دوسری جماعت کی کراہت اس شخص کے حق میں جماعت کی فضیلت کے حصول کے منافی نہیں جو مقرر امام راتب کے ساتھ دوسری جماعت کرے۔

۴۷- جماعت سے پیچھے رہنے پر وعید شدید

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ « لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ فِتْيَتِي أن يَجْمَعُوا حُزَمَ الحَطَبِ، ثُمَّ آمُرَ بِالصَّلاةِ فَتُقَامَ، ثُمَّ أُحَرِّقَ عَلَى أَقْوَامٍ لا يَشْهَدُوْنَ الصَّلاةَ ».

۱/۴۷- یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میں نے ارادہ کیا کہ نوجوانوں کو لکڑی کا گٹھر اکٹھا کرنے کا حکم دوں، پھر نماز کی تکبیر کہی جائے، پھر ان لوگوں کے گھروں کو جلا دوں جو نماز میں حاضر نہیں ہوتے"[۱]۔

امام ابن القیمؒ فرماتے ہیں: آپ گناہ صغیرہ کے مرتکب کو جلا نہیں سکتے، لہٰذا جماعت کا ترک کرنا کبیرہ گناہ ہے۔

اخیر میں بعض ایسی احادیث کے ضعف کی طرف اشارہ مناسب ہے جو بہت سے ایسے دعاۃ و مبلغین اور واعظین کے درمیان متداول ہیں، جنھوں نے لوگوں کو نماز کی

۱- صحیح بخاری: کتاب الاذان: باب وجوب صلاۃ الجماعۃ (۶۴۴) باب فضل العشاء فی الجماعۃ (۶۵۷) صحیح مسلم: کتاب المساجد: باب فضل صلاۃ الجماعۃ وبیان التشدید فی التخلف عنہا (۲۵۱) و (۲۵۲) و (۲۵۳)، جامع ترمذی: ابواب الصلاۃ: باب ماجاء فی من یسمع النداء فلا یجیب (۲۱۷)۔ الفاظ جامع ترمذی کے ہیں۔ دیگر کتب حدیث میں بھی حدیث موجود ہے۔

ترغیب دلانے اور انھیں اس کی نصیحت کرنے پر اپنی خدمات کو وقف کر رکھا ہے، اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر دے، البتہ صحیح حدیث کی تفتیش اور ضعیف سے اس کی تمیز ان سے فوت ہو گئی، ان میں سے بعض درج ذیل ہیں:

۴۷/۲- "إذا رأيتم الرجل يعتاد المسجد ، فاشهدواله بالايمان"[۱]

"جب تم کسی شخص کو (نماز کے لیے) پابندی سے آتے جاتے دیکھو تو اس کے ایمان کی شہادت دو۔"

۴۷/۳- مسجد میں داخل ہوتے وقت دعاء مغفرت کرنا، اس سلسلے میں وارد حدیث اس کی تخریج کرنے والے امام ترمذیؒ کی صراحت کے مطابق منقطع ہے[۲]، نیز اس میں "اللهم اغفرلي ذنبي" کے ذکر میں "لیث بن ابی سلیم" منفرد ہیں، اور وہ ضعیف ہیں، نفس حدیث میں ان کی متابعت اسماعیل بن علیہ نے کی ہے، جو کہ جلیل القدر ثقہ راوی ہیں، لیکن اس میں داخل ہوتے وقت صرف نبی اکرم ﷺ پر صلوٰۃ وسلام کا ذکر ہے، انھوں نے یہ دعاء ذکر نہیں کی، اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ اس حدیث میں یہ زیادتی صحیح نہیں، بلکہ منکر ہے[۳]۔

۱- جامع ترمذی: کتاب التفسیر: سورۂ توبہ (۳۰۹۳)، سنن ابن ماجہ: کتاب المساجد والجماعات: باب لزوم المساجد وانتظار الصلاۃ (۸۰۲)، صحیح ابن خزیمہ: کتاب الامامۃ فی الصلاۃ: باب الشھادۃ بالایمان لعمار المساجد باتیانھا والصلاۃ فیھا (۱۵۰۲)۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے "حسن" اور صحیح ابن خزیمہ کے فاضل محقق نے "صحیح" کہا ہے۔ البتہ علامہ ذہبی، مغلطائی اور البانی نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے، اس لئے کہ اس کی سند میں "دراج ابو السمح" موجود ہیں جنھیں ذہبی نے "کثیر المناکیر" قرار دیا ہے، ملاحظہ ہو: تلخیص المستدرک (۱/۲۱۲) المشکوۃ (۱/۲۲۵) ضعیف ابن ماجہ (۶۵) ضعیفہ (۱۶۸۲)

۲- ملاحظہ ہو: جامع ترمذی: ابواب الصلاۃ: باب مایقول عند دخولہ المسجد (۳۱۴)

۳- ملاحظہ ہو: تمام المنۃ (۲۹۰)

۴ر۷ر۴- "جنبوا مساجدکم صبیانکم"[۱] (اپنے بچوں کو مسجدوں سے دور رکھو) یہ حدیث نبی اکرم ﷺ سے ثابت نہیں، بزار فرماتے ہیں کہ اس کی کوئی اصل نہیں۔

اس واہی حدیث کی خطرناکی کا مشاہدہ میں نے اس وقت کیا جب بعض جاہلوں کو اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے نو عمر طبقے کو اللہ کے گھروں (مساجد) سے دھتکارتے ہوئے دیکھا، چنانچہ وہ انھیں دین سے اس وقت متنفر کر رہے ہیں جب کہ عیسائیت پھیلانے والے مشنریز وادارے اپنے بچوں کے ساتھ مسلم بچوں کے لیے بھی اپنا دل کھولے ہوئے ہیں (لا حول ولا قوة الا بالله)۔

۵ر۷ر۴- ثعلبہ بن حاطب کا واقعہ جن کے متعلق اس کے واضع (گھڑنے والے) کا دعویٰ ہے کہ وہ مسجد کو اس طرح لازم پکڑنے والے تھے کہ "حمامة المسجد" (مسجد کی کبوتری) کے لقب سے ملقب ہوئے، اس کے بعد بکری کی صورت میں ان کے مال کی کثرت نے انھیں جمعہ چھوڑنے پر پھر جماعت چھوڑنے پر پھر زکوٰۃ نہ ادا کرنے پر ابھارا، اس کے بعد وہ متنبہ ہوئے، اور نبی اکرم ﷺ کے پاس تائب ہو کر آئے، لیکن نہ تو آپ نے ان کا مال قبول کیا نہ ابو بکر و عمر نے[۲]۔

۱- سنن ابن ماجہ: کتاب المساجد والجماعات: باب ما یکرہ فی المساجد (۷۵۰) علامہ البانی نے حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے، "ضعیف ابن ماجہ" (٦٣)

۲- معجم کبیر للطبرانی (۸/ ۷۸۷۳)، الدر المنثور (۴/ ۲۴٦) دلائل النبوة للبیہقی (۵/ ۲۹۰) اسد الغابة (۱/ ۲۴۸) الاصابة (۱/ ۲۰٦)

یہ حدیث حد درجہ کمزور ہے جیسا کہ مؤلف نے صراحت کی ہے، علامہ ہیثمی نے بھی صراحت کی ہے کہ اس میں علی بن یزید الالھانی متروک ہیں، حافظ ابن حجر نے بھی اصابہ میں اس کی عدم صحت کا موقف اختیار کیا ہے۔ یہ حدیث اس طور پر بھی ساقط الاعتبار ہے کہ ثعلبہ بن حاطب بدری صحابی ہیں جن کی مغفرت کا اللہ تعالیٰ نے اعلان فرما دیا ہے پھر ان کے دل میں وہ نفاق کیسے پیدا ہو سکتا ہے۔

یہ واقعہ اکثر خطباء وواعظین کی زبان پر اس ادراک و شعور کے بغیر جاری و ساری ہے کہ وہ ایک جلیل القدر بدری صحابی کے نفاق کا فیصلہ کر رہے ہیں، نیز ایک عظیم اسلامی اصول، یعنی مانعین زکوۃ کو اس کی ادائیگی پر مجبور کرنا خواہ جنگ کی نوبت کیوں نہ آجائے، کو منہدم کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ حافظ ابن حزم پر رحم کرے، انھوں نے اس واقعہ سے متعلق فرمایا: ثعلبہ دو حال سے خالی نہیں: یا تو وہ مسلمان رہے ہوں گے، اس صورت میں ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما پر ان سے زکوۃ کا مال قبول کرنا فرض تھا، اس میں ان کے لیے کوئی گنجائش نہیں تھی، اور اگر وہ کافر تھے تو جزیرہ عرب میں باقی نہیں رکھے جاتے ۔

اس واقعہ کی سند میں معان بن رفاعہ، قاسم بن عبدالرحمن، علی بن یزید ابو عبدالملک الہانی ہیں، اور یہ تمام کے تمام ضعیف ہیں[1] ۔

۱- ملاحظہ ہو: "تہذیب التہذیب" (۷/۹۷-۹۶،۳۹۶-۸/۳۲۲-۳۲۴،۱۰/۲۰۱-۲۰۲)، "تقریب التہذیب" (ص:۴۰۶،۴۵۰،۵۳۷)

پانچویں فصل

اجتماعی یا انفرادی نماز سے فراغت کے بعد نمازیوں کی غلطیاں

اس کے مشتملات حسب ذیل ہیں:

- ❊ سلام اور مصافحہ سے متعلق غلطیاں۔
- ❊ تسبیح سے متعلق غلطیاں [نمازوں کے بعد تسبیح ترک کر کے دعاء میں مشغول ہونا، قبلہ کی طرف سے امام کے پھرنے سے پہلے مقتدی کا اپنی جگہ چھوڑ دینا، فرض اور نفل کو بلا فصل پڑھنا، بائیں ہاتھ اور تسبیح کے دانوں پر تسبیح پڑھنا]
- ❊ نماز سے فراغت کے بعد دعاء کے لیے سجدہ کرنا۔
- ❊ نماز عشا کے بعد گپ شپ کرنا۔
- ❊ اجتماعی طور پر تسبیح و دعا کرنا اور نمازیوں کی نماز میں خلل ڈالنا۔
- ❊ نمازیوں کے سامنے سے گذرنا۔

❊❊❊

۴۸- سلام و مصافحہ سے متعلق غلطیاں

۱/۴۸- نماز میں مشغول لوگوں کو سلام کرنے والے پر نکیر کرنا درست نہیں، کیوں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق ثابت ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو نماز کی حالت میں سلام کرتے تھے، اور آپ انھیں اپنا ہاتھ اس طور پر پھیلا کر جواب دیتے کہ اس کا اندرونی حصہ نیچے کی طرف اور ظاہری حصہ اوپر کی طرف ہوتا، آپ ﷺ نے نہ ان پر نکیر کی، نہ کہا کہ یہ خلاف اولی ہے، یا اس سے نماز کا خشوع جاتا رہتا ہے، اس قسم کی چیزیں بعض لوگ اس دور میں دہراتے ہیں، اللہ ہی ان کی اصلاح کر سکتا ہے۔

۲/۴۸- سلام سے متعلق نمازیوں کی ایک غلطی یہ ہے کہ اگر آپ نماز کے بعد ملاقات کے وقت کسی کو "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" کہہ کر سلام کریں تو وہ فوراً کہے گا "تقبل اللہ"، وہ سمجھتا ہے کہ سلام کے جواب کے تعلق سے اللہ تعالیٰ نے اس پر جو واجب کیا ہے اسے اس نے ادا کر دیا، ایسا لگتا ہے کہ اس نے فرمان باری تعالیٰ: "إذا حييتم بتحية فحيوا بأحسن منها أوردوها، إن الله كان على كل شئ حسيبا"[۱] (یعنی: جب تمھیں سلام کیا جائے تو تم اس سے اچھا جواب دو یا انہیں الفاظ کو لوٹا دو، بلا شبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے) سنا ہی نہیں، ان میں سے بعض تو سلام کے بدلے "تقبل اللہ" کہتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "تحيتهم يوم يلقونه سلام"[۲] (جس دن یہ (اللہ سے) ملاقات کریں گے ان کا تحیہ سلام ہوگا) رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں: "آپس میں سلام کو عام کرو"[۳] آپ ﷺ نے یہ نہیں

۱- سورۂ نساء: (۸٦)

۲- سورۂ احزاب: (۴۴)

۳- صحیح مسلم: کتاب الایمان: باب بیان انہ لا یدخل الجنۃ الا المومنون الخ (۵۴)۔

کہا کہ: "تقبل اللہ" کہو۔

صحابہ کرام اور سلف صالحین میں سے کسی کی بابت ہم نے یہ نہیں جانا کہ وہ نماز سے فراغت کی مبارکباد دیتے رہے ہوں، اگر ان میں سے کسی نے ایسا کیا ہوتا تو ہم تک منقول ہوتا خواہ ضعیف سند سے ہی کیوں نہ ہو، نیز اسے ہم تک وہ علماء منتقل کرتے جنھوں نے علم کے سمندر کی تہہ تک غواصی کی اور اس سے اکثر احکام مستنبط کیے اور کسی بھی قولی، فعلی، تقریری، یا صفتی سنت میں کوتاہی نہیں کی، یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے جبکہ محقق علماء نے سابقہ ہیئت میں مذکورہ مصافحہ کو بدعت قرار دیا ہے۔

علامہ عز بن عبد السلام فرماتے ہیں: صبح اور عصر کی نماز کے بعد مصافحہ کرنا بدعت ہے، اس سے صرف وہ نو وارد مستثنیٰ ہے جو اس شخص کے ساتھ نماز سے قبل اکٹھا ہو رہا ہے، کیوں کہ مصافحہ آنے پر مشروع ہے، نبی اکرم ﷺ نماز کے بعد مشروع اذکار پڑھتے، اور تین دفعہ استغفار کرتے پھر پلٹ جاتے، آپ ﷺ سے یہ دعاء ثابت ہے: "رب قنی عذابک یوم تبعث عبادک" اور سارا خیر تو مکمل اتباع نبوی میں ہے[۱]۔

۴۸/۳- یہاں اس امر پر تنبیہ ضروری ہے کہ کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے مسلم بھائی کی تسبیح بغیر کسی شرعی سبب کے قطع کرے، نیز اس تکلیف دہ صورت حال پر بھی جس سے بہت سے مسلمان آئے دن دوچار ہوتے رہتے ہیں کہ جب وہ فرض نمازوں کے بعد مسنون اذکار میں مشغول ہوتے ہیں تو اچانک ان کی طرف مصافحہ کی خاطر دائیں اور بائیں سے ہاتھ اس کثرت سے اٹھتے ہیں کہ انھیں اکتاہٹ اور احساس تکلیف پر مجبور کر دیتے، مصافحہ کی وجہ سے نہیں، بلکہ انقطاع تسبیح اور اس مصافحہ کے سبب ذکر الٰہی سے اعراض کے باعث جس کا ملاقات یا کوئی دوسرا

۱- کتاب الفتاویٰ للامام عز بن عبد السلام (ص: ۴۶-۴۷)

سبب نہیں، اس صورت حال میں حکمت یہ نہیں ہے کہ آپ اپنا ہاتھ اپنے پڑوسی کے ہاتھ سے کھینچ لیں اور اپنی طرف دراز ہونے والے ہاتھ کو روک دیں، کیوں کہ یہ ایسی سختی ہے جس کی نظیر اسلام میں نہیں ملتی، بلکہ مصلحت اس میں ہے کہ آپ اس کا ہاتھ نرمی سے پکڑیں اور اس مروجہ مصافحہ کے بدعت ہونے کو اس پر واضح کریں، کیوں کہ کتنے ایسے لوگ ہیں جو نصیحت و موعظت کے اہل اور اس سے اثر پزیر ہونے والے ہیں، جہالت نے انھیں سنت کی مخالفت میں ڈال دیا ہے، لہذا علماء اور طلباء پر اچھے طریقے سے شرح و بیان ضروری ہے، بسا اوقات آدمی یا طالب علم انکار منکر کا ارادہ کرتا ہے لیکن مناسب اسلوب اختیار نہیں کرتا تو وہ اس سے بڑے منکر میں پڑ جاتا ہے جس کے انکار کا اس نے ارادہ کیا تھا، لہذا داعیان اسلام کو چاہئے کہ وہ نرم رویہ اختیار کریں اور اپنے اچھے اخلاق کے ذریعہ لوگوں کو اپنا گرویدہ بنائیں، آپ ان کے دلوں پر حکمرانی کریں گے اور ان کی طرف سے سننے والا کان اور محفوظ رکھنے والے دل پائیں گے، کیونکہ انسانی طبیعت سختی اور تشدد سے متنفر ہوتی ہے۔

۴۹- تسبیح سے متعلق غلطیاں

۱/۴۹- نماز کے بعد تسبیح و تکبیر کہنا مستحب ہے، واجب نہیں، اگر کوئی اس سے پہلے اٹھنا چاہے تو اسے اس کا حق ہے، لیکن نبی اکرم ﷺ سے ثابت اذکار کا ورد افضل ہے، بالخصوص وہ اذکار اور دعائیں جو آپ سے بسا اوقات ثابت ہیں کہ دس بار تسبیح (سبحان اللہ)، دس بار تحمید (الحمد للہ) اور دس بار تکبیر (اللہ اکبر) کہتے تھے اور کبھی کبھار ہر ایک کو گیارہ دفعہ کہتے تھے[1]۔

جب مسلمان کو کوئی ہنگامی حالت درپیش ہو جو اسے مکمل تسبیح سے مشغول کر دے تو

۱- نیل الاوطار (۲/۳۱۷-۳۱۸)

وہ دس بار سبحان اللہ اور اسی کے مثل دس دس بار "الحمد للہ" اور "اللہ اکبر" کہہ لے، اس طور پر وہ عین سنت کو بھی پالے گا، اور اپنے کام سے مشغول بھی نہ ہو گا۔

۴۹/۲- لیکن اگر اس سے پہلے نکلنا ضروری ہو تب بھی امام کے قبلہ کی طرف سے پھرنے سے قبل نکلنا بہر حال مناسب نہیں [۱]۔

اس کی دلیل صحیح مسلم [۲] میں مروی انس رضی اللہ عنہ کی درج ذیل روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: "اے لوگو! میں تمھارا امام ہوں، اس لیے رکوع، سجدہ، قومہ (رکوع سے اٹھنے) اور سلام پھیرنے میں مجھ سے سبقت نہ کرو"۔

۴۹/۳- البتہ اگر وہ ذکر الٰہی کی خاطر بیٹھتا ہے تو مناسب ہے کہ ماثور اذکار وادعیہ پر اکتفاء کرے [۳] صحاح، سنن اور مسانید کی مشہور احادیث دال ہیں کہ نبی اکرم ﷺ اپنی نماز کے اخیر میں اس سے نکلنے سے پہلے دعاء کرتے اور اپنے صحابہ کو اس کا حکم اور اس کی تعلیم دیتے تھے۔

یہ امر مخفی نہیں کہ نماز یعنی اللہ تعالیٰ سے مناجات و سرگوشی اور گفتگو سے فراغت کے فوراً بعد دعاء کرنا مناسب نہیں، کیوں کہ نبی اکرم ﷺ کی دعاء نماز کے اندر ہوتی تھی، نیز انسان نماز میں اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے، اور مناجات کی حالت میں دعا

۱- یہ حکم اس وقت اور موکد ہو جاتا ہے جب مسجد میں عورتیں ہوں، ملاحظہ ہو: المجموع (۳/۴۹۰) (مؤلف)

۲- کتاب الصلاۃ: باب تحریم سبق الامام برکوع او سجود ونحوھما (۴۲۶)

۳- ماثور کیفیت کے مطابق۔ اس سے ان نمازیوں کی غلطی آشکارا ہو جاتی ہے جو ماثور اذکار میں الفاظ کی زیادتی کرتے ہیں مثلاً: بعض "اللھم انت السلام ومنک السلام تبارکت یاذا الجلال والاکرام" میں "تبارکت وتعالیت" کی زیادتی کرتے ہیں۔ نجم فرماتے ہیں -- جیسا کہ کشف الخفاء (۱/۱۸۶) میں ہے --: لوگ اس میں "وتعالیت" کی زیادتی کرتے ہیں، یہ ان کی قدیم غلطی ہے، اور بعض سابق ماثور ذکر کے اخیر میں "والیک یعود السلام" اور بعض "وحینا با السلام، وادخلنا دار السلام" کی زیادتی کرتے ہیں، اس سلسلے میں کوئی بھی حدیث ثابت نہیں، فتنبہ۔ اور بعض اجتماعی طور پر نیز ایک ساتھ آواز نکالتے ہوئے اذکار کا ورد کرتے ہیں، اس غلطی پر تنبیہ عنقریب آرہی ہے (مؤلف)

کرنا مناسب ہے۔

علامہ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فرض نماز کے بعد دعاء کے لیے دونوں ہاتھ اٹھانا نہ تو نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہے اور نہ آپ کے اصحاب میں سے کسی سے، بعض لوگوں کا فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھانے پر جو عمل ہے تو یہ بدعت اور بالکل بے اصل ہے[1]۔

۴۹/۴- نبی اکرم ﷺ انگلیوں کے پوروں پر تسبیح و تہلیل کرتے تھے۔

جیسا کہ درج ذیل حدیث میں صراحت ہے:

قَالَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو: رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْقِدُ التَّسْبِيحَ بِيَمِيْنِهِ۔

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ”میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ ﷺ تسبیح کو داہنے ہاتھ کی انگلیوں پر شمار کرتے تھے“[2]۔

لہٰذا داہنے ہاتھ پر تسبیح کرنا بائیں ہاتھ یا دونوں ہاتھوں پر تسبیح کرنے سے افضل ہے[3]۔

نیز داہنے ہاتھ پر تسبیح (ذکر واذکار) دانوں پر تسبیح سے بھی افضل ہے، بلکہ تسبیح کے دانوں پر تسبیح حکم نبوی کے خلاف ہے، جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے بعض عورتوں سے

۱- مجموع فتاوی سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز (۲۵۵/۴) فتاوی اسلامیہ (۳۱۹/۱)

۲- سنن ابو داود: تفریع ابواب الوتر: باب التسبیح بالحصی (۱۵۰۲)، جامع ترمذی: ابواب الدعوات: باب ماجاء فی عقد التسبیح بالید (۳۴۸۲)، سنن نسائی: کتاب السہو: باب عقد التسبیح (۱۳۵۵)، مسند احمد (۱۶۱/۲، ۲۰۵)۔ ”یمین“ کی صراحت صرف ابو داود میں ہے، دیگر مصادر میں فقط ید کا ذکر ہے۔ حدیث کو علامہ البانی نے صحیح قرار دیا ہے ”صحیح سنن ابو داود (۲۸۰/۱) صحیح سنن نسائی (۲۹۲/۱)

۳- بعض لوگوں نے تسبیح میں داہنے ہاتھ پر اکتفاء کرنے کی سنت میں اختلاف کیا ہے، لیکن ان کا یہ اختلاف صحیح احادیث کی روشنی میں مردود ہے، اس موضوع پر شیخ فریح بن صالح الھلال کا مقالہ بعنوان ”فتح المعین بتصحیح حدیث عقد التسبیح بالیمین“ مجلۃ البحوث الاسلامیۃ، ۲۱ رواں شمارہ ۱۴۰۸ھ (ص: ۲۱۲-۲۳۶) میں شائع ہو چکا ہے۔ (مؤلف)

فرمایا: "تم تسبیح (سبحان اللہ)، تکبیر (اللہ اکبر)، تقدیس (سبحان الملک القدوس) اور تہلیل (لا الہ الا اللہ) کو لازم پکڑو، اور غفلت نہ برتو کہ توحید اور رحمت کو بھول جاؤ، اور انھیں انگلیوں پر شمار کرو، کیوں کہ انگلیوں سے (قیامت کے دن) سوال کیا جائے گا، اور وہ بولیں گی"[۱]۔

۴۹/۵- صحیح مسلم[۲] میں کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں صراحت ہے کہ نماز کے بعد مطلوبہ تسبیح و اذکار فرض نماز کے بعد ہیں، اس سے ان لوگوں کی غلطی نمایاں ہو جاتی ہے جو نفلی نمازوں کو فرض کے فوراً بعد، درمیان میں ذکر کے لیے بیٹھے بغیر ادا کرتے ہیں۔

فرض نماز کے بعد کی سنتوں کی ادائیگی میں فرض اور ذکر کے درمیان فاصلہ ہو گا یا نہیں؟ یہ محل نظر ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر نے صراحت کی ہے[۳]۔

۵۰- نماز سے فراغت کے بعد دعاء کے لیے سجدہ کرنا

نماز سے فراغت کے بعد دعاء کرنے کی خاطر بعض لوگوں کی سجدہ کرنے کی عادت ہے، اس سجدہ کی نہ تو کوئی اصل ہے، اور نہ ہی رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام میں سے کسی سے منقول ہے، اس باب میں ثابت شدہ احادیث کی روشنی میں بہتر ہے کہ نماز میں دعاء کی جائے، اس لیے کہ شریعت میں سجدہ کے ذریعہ تقرب الٰہی کا حصول نماز کی

۱- جامع ترمذی: کتاب الدعوات: باب فی فضل التسبیح والتہلیل والتقدیس (۳۵۸۳)، مسند احمد (۲۷/۶)، سنن ابوداود (۱۷۰/۲)، تفریع ابواب الوتر: باب التسبیح بالحصی (۱۵۰۱)۔ علامہ البانی نے حدیث کو "حسن" کہا ہے "صحیح سنن ابوداود" (۲۸۰/۱)۔ الفاظ ترمذی کے ہیں۔

۲- کتاب المساجد: باب استحباب الذکر بعد الصلاۃ (۵۹۶)۔ حدیث کے الفاظ ہیں: "معقبات لا یخیب قائلهن او فاعلهن دبر کل صلاۃ مکتوبۃ: ثلاث و ثلاثون تسبیحة، وثلاث و ثلاثون تحمیدۃ واربع و ثلاثون تکبیرۃ"۔

۳- فتح الباری (۳۲۸/۲)

حالت یا سجدۂ سہو، سجدۂ شکر یا آیت سجدہ کی تلاوت جیسے مخصوص اسباب کے علاوہ وارد نہیں ہے۔

۵۱- نماز عشاء کے بعد گپ شپ کرنا

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَكْرَهُ النَّوْمَ قَبْلَ الْعِشَاءِ وَالْحَدِيثَ بَعْدَهَا.

یعنی: رسول اللہ ﷺ عشاء سے پہلے سونا، اور اس کے بعد گفتگو کرنا ناپسند کرتے تھے[1]

نیز عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

إنَّ النبي صلى الله عليه وسلم قال: « لا سمر بعد العشاء إلا لأحد رجلين مصل ومسافر ».

یعنی: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "عشاء کے بعد گفتگو کرنا جائز نہیں، مگر دو آدمیوں کے لیے: نمازی اور مسافر"[2]۔

لہٰذا نماز عشاء کے بعد گفتگو اگر بغیر کسی معقول سبب کے ہے تو مکروہ ہے، اس کی حکمتیں درج ذیل ہیں:

۱- اس کی وجہ سے قیام اللیل (تہجد کی نماز) چھوٹ سکتی ہے۔

۲- گفتگو میں محویت ہو گی جس کے سبب صبح کا وقت نکل جائے گا، یا مسجد میں جماعت فوت ہو جائے گی، اور یہ دونوں ہی امر حد درجہ خطرناک ہیں، اس لیے کہ یہ منافقین

۱- صحیح بخاری: کتاب مواقیت الصلاۃ: باب ما یکرہ من النوم قبل العشاء (۵۶۸)، صحیح مسلم: کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ: باب استحباب التبکیر بالصبح فی اول وقتھا الخ (۶۴۷)۔

۲- مسند احمد (۱/۴۱۲، ۴۴۴، ۴۶۳)۔ علامہ ہیثمی نے فرمایا: اس کے رواۃ ثقہ ہیں "مجمع الزوائد (۱/۳۲۰) کتاب الصلاۃ: باب النوم قبلھا والحدیث بعدھا۔

کے اوصاف میں سے ہیں۔

۳۔ بعض اہل علم نے کہا ہے کہ نمازِ عشاء کے بعد گفتگو سے اس لیے منع کیا گیا کہ عشاء کی نماز پڑھنے والے کے گناہ اس کی نماز کے باعث معاف کر دیئے جاتے ہیں، اور گفتگو میں یہ خدشہ ہے کہ اس کے دوران اس کی زبان سے ایسی بات صادر ہو جائے جو اس کے نفس کو طہارت و پاکیزگی کے بعد پھر آلودہ کر دے، لہٰذا اس کو گفتگو سے منع کر دیا گیا تاکہ گناہوں سے پاک ہو کر سوئے۔

۵۲۔ اجتماعی طور پر تسبیح و دعاء کرنا اور نمازیوں کی نماز میں خلل ڈالنا

۱ر۵۲۔ نماز کے بعد اذکار اور ماثور یا غیر ماثور دعائیں بآواز بلند نیز اجتماعی طور پر پڑھنے کی خاطر مجلس منعقد کرنا جیسا کہ بعض ممالک میں لوگوں کی عادت ہے غیر مسنون ہے، یہ عادت لوگوں کے نزدیک ایسا دینی شعار بن چکی ہے کہ اس کے چھوڑنے، اور اس سے منع کرنے والوں پر نکیر کی جاتی ہے، حالانکہ اس کے چھوڑنے پر نکیر کرنا خود منکر ہے۔

۲ر۵۲۔ امام ابن القیم فرماتے ہیں: نماز سے فراغت کے بعد قبلہ رو ہو کر یا مقتدیوں کا استقبال کر کے دعاء کرنا قطعاً طریقہ نبوی نہیں ہے، نہ ہی آپ ﷺ سے صحیح یا حسن سند سے مروی ہے، نیز اس کو فجر اور عصر کی نماز کے ساتھ مخصوص کرنا اس پر بھی آپ ﷺ کا یا خلفاء راشدین میں سے کسی کا عمل نہیں رہا ہے، اور نہ ہی آپ ﷺ نے امت کی اس کی طرف رہنمائی کی ہے، بلکہ جس کسی نے بھی اس کو مشروع قرار دیا ہے، اس نے ان کے بعد سنت کے عوض استحساناً مشروع قرار دیا ہے واللہ اعلم[۱]۔

۳ر۵۲۔ قیام رمضان (تراویح) کے ہر دو سلام کے درمیان ایجاد کردہ ذکر اور لوگوں

۱۔ زاد المعاد (۱/۲۴۹)

کا اس ذکر کے ساتھ ایک زبان ہو کر آواز بلند کرنا، اسی قبیل سے ہے، کیوں کہ اس کا تعلق بدعت سے ہے۔

۵۳- نمازیوں کے سامنے سے گذرنا

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: « لا تُصَلِّ الا إلى سُتْرَةٍ، وَلا تَدَعْ أَحَدًا يَمُرُّ بَيْنَ يَدَيْكَ، فَإِنْ أَبَى فَلْتُقَاتِلْهُ، فَإِنَّ مَعَهُ الْقَرِينَ ».

یعنی: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم سترہ رکھ کر نماز پڑھو، اور کسی کو اپنے سامنے سے گذرنے نہ دو، اگر وہ نہ مانے تو اس سے لڑو (یعنی سختی سے روکو) کیوں کہ اس کے ساتھ شیطان ہے''[۱]۔

وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الخدري رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: « إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَلْيُصَلِّ إِلَى سُتْرَةٍ، وَلْيَدْنُ مِنْهَا، وَلا يَدَعْ أَحَدًا يَمُرُّ بَيْنَه وَبَيْنَهَا، فَإِنْ جَاءَ أَحَدٌ يَمُرُّ فَلْيُقَاتِلْهُ فَإِنَّهُ شَيْطَانٌ ».

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی جب نماز پڑھے تو سامنے سترہ رکھ لے، اور اس سے قریب رہے نیز کسی کو سترہ کے اندر سے گذرنے نہ دے، اگر کوئی گذرنے کے لیے آئے تو اس سے لڑے (یعنی سختی سے روکے) کیوں کہ وہ شیطان ہے''[۲]۔

یہ دونوں حدیثیں نمازی کے سامنے سے گذرنے والے کو روکنے اور اس کو دھکا

۱- اس کی تخریج صفحہ (٦٠) پر گذر چکی۔
۲- اس کی تخریج صفحہ (٦٠) پر گذر چکی ہے۔

دینے کے جواز پر دلیل ہیں۔ فقہاء نے واضح کیا ہے کہ یہ روکنا اور دھکا دینا نہایت آسان طریقے سے ہوگا، البتہ اگر وہ انکار کرے تب سخت طریقے پر، اور اگر اس کے باعث اس کی ہلاکت کی نوبت آجائے تو اس نمازی پر کچھ بھی لازم نہیں، جیسا کہ اس کی جان یا مال لینے کے لیے کوئی اس پر حملہ کرے، شریعت نے اس کے لیے اس سے قتال کو مباح قرار دیا ہے، اور مباح قتال میں کوئی تاوان نہیں ہوتا۔

نبی اکرم ﷺ نے نمازی کے سامنے سے گذرنے والے کا گناہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

”لَوْ يَعْلَمُ الْمَارُّ بَيْنَ يَدَيْ الْمُصَلِّي، مَاذَا عَلَيْهِ لَكَانَ أَنْ يَقِفَ أَرْبَعِينَ خَيْرًا لَهُ مِنْ أَنْ يَمُرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ، قَالَ أَبُو النَّضْرِ أحَدُ رُوَاةِ الْحَدِيْثِ. لا أَدْرِي أَقَالَ أَرْبَعِينَ يَوْمًا أَوْ شَهْرًا أَوْ سَنَةً“.

”اگر نمازی کے سامنے سے گزرنے والا جانتا کہ اس پر کیا گناہ ہے تو چالیس تک کھڑا رہنا اس کے سامنے سے گزرنے سے اسے بہتر معلوم ہوتا“، اس حدیث کے ایک راوی ابوالنضر فرماتے ہیں: میں نہیں جانتا کہ آپ ﷺ نے چالیس دن فرمایا، یا چالیس ماہ، یا چالیس سال[1]۔

ا/۵۳- ان احادیث کا ظاہری معنی یہی ہے کہ مصلی کے سامنے سے گذرنا بہر حال ممنوع ہے، خواہ اس کے سامنے سترہ ہو یا نہ ہو، کیوں کہ نبی اکرم ﷺ نے سترہ رکھنے والے، اور نہ رکھنے والے کے درمیان کوئی تفریق و تمیز نہیں کی، بلکہ مطلقاً ”بین یدی المصلی“ فرمایا۔ بعض علماء کا مذہب ہے کہ اگر مصلی کی طرف سے تقصیر ہو یعنی وہ راستے میں یا دروازے پر نماز پڑھ رہا ہو تو گذرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن اس پر مطلق

۱- صحیح بخاری: کتاب الصلاۃ: باب اثم المار بین یدی المصلی (۵۱۰)، صحیح مسلم: کتاب الصلاۃ: باب منع المار بین یدی المصلی (۵۰۷)۔

کوئی دلیل نہیں، اور نہ ہی سلف امت میں سے کسی کے قول سے اس کی سند ہے، بلکہ اس میں اس حدیث کی صراحتاً مخالفت ہے کہ چالیس سال تک کھڑا رہنا اور نہ گزرنا اس گزرنے سے بہتر ہے، تو للہ بتائیں کہ کیا کوئی نمازی ایسا ہے جو چالیس منٹ تک گذرنے والوں کو روک دے حتی کہ دین اسلام میں رائے کے ذریعہ اس حالت کے استثناء اور اس کو گناہ کبیرہ کی صف سے الگ کرنے کی ضرورت ہو، اے اللہ! تیرے دین میں اس آزادی کے ساتھ رائے کو کام میں لانے سے ہم تیری طرف اظہار برأت کرتے ہیں، اور تیری شریعتوں سے تمسک پر قائم رہنے، اور تیرے حدود پر ٹھہرنے کا تجھ سے سوال کرتے ہیں۔

۲/۵۳- یہ حرمت سابقہ احادیث میں "بین یدی المصلی" (یعنی اس کے سامنے قریب سے) کے ساتھ مقید ہے، "یدین" (دونوں ہاتھ) سے تعبیر اس لیے ہے کہ اکثر کام انھیں کے ذریعہ انجام پاتے ہیں، اس کی تحدید میں علماء کے درمیان اختلاف ہے، ایک قول ہے کہ: اس کے اور سجدہ کے درمیان گزرنا مراد ہے، دوسرا قول ہے کہ اس کے اور تین گز کی مسافت کے درمیان، ایک تیسرا قول ہے کہ اس کے اور پتھر پھینکنے کی مقدار کے درمیان[۱]۔

۱- اس سلسلے میں ایک قول یہ ہے کہ مکمل خشوع وخضوع کے ساتھ سجدہ کی جگہ پر نظر رکھتے ہوئے نمازی کی نگاہ جہاں تک پہنچتی ہے اس کے اندر سے مرور (گزرنا) جائز نہیں، اور یہی قول میرے نزدیک راجح ہے، اس لیے کہ سترہ کی مشروعیت کی حکمت یہ ہے کہ انسان جب نماز پڑھتا ہے تو اس کے سامنے رحمت الٰہی کا نزول ہوتا ہے (جیسا کہ حدیث میں وارد ہے) جب وہ اپنے سامنے سترہ رکھ لیتا ہے تو وہ حد فاصل ہو جاتا، اور رحمت کا نزول اس کے اندر ہی ہوتا ہے، اب اگر کوئی اس کے ورے سے گذرتا ہے تو وہ رحمت میں مزاحم نہیں ہوتا، لیکن جب اس کے سامنے سترہ نہیں ہوتا تو نزول رحمت کے لیے کوئی مکانی تحدید نہیں ہوتی، علی الاقل وہ رحمت اس مقام تک پہنچتی ہے جہاں تک سجدہ کی جگہ پر نگاہ رکھتے ہوئے نمازی کی نگاہ پہنچتی ہے، اب اگر کوئی اس مقام کے درمیان سے گذرتا ہے تو اس رحمت میں مزاحم ہوگا اور یہ گزرنا نماز کی برکت میں نقص اور سامنے نازل ہونے والی رحمت کے انقطاع کا باعث ہوگا، اس حکمت پر غور کرنے کے بعد مذکورہ قول کی ترجیح اقرب الی الصواب معلوم ہوتی ہے مرعاۃ (۱/۴۹۰)

۳ر۵۳- نمازی کے سامنے مرور (گزرنے) سے نماز کا ثواب کم ہو جاتا ہے،
عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ "تم میں سے جو اس بات پر قادر ہو کہ نماز کی حالت میں اس کے سامنے سے کوئی نہ گزرے تو وہ ایسا کرے کیوں کہ نمازی کے سامنے سے گزرنے والا اس کا ثواب کم کر دیتا ہے[1]۔

یہ بھی مروی ہے کہ جب ان (ابن مسعود) کے سامنے سے کوئی نماز کی حالت میں گزرتا تو اسے لوٹا کر ہی چھوڑتے اور فرماتے: نمازی کے سامنے کسی کے مرور (گزرنے) سے اس کی نماز کا آدھا ثواب کم ہو جاتا ہے[2]۔

عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: اگر نمازی جان لے کہ اس کے سامنے مرور (گزرنے) سے کتنا ثواب کم ہوتا ہے، تو وہ بغیر سترہ کے نماز ہی نہیں پڑھے گا۔

۴ر۵۳- بلکہ بسا اوقات یہ نقصان اور کمی نماز کے باطل ہونے تک پہنچ جاتی ہے جیسا کہ بعض حالات میں ثابت ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: « يَقْطَعُ الصَّلَاةَ الْمَرْأَةُ وَالْحِمَارُ وَالْكَلْبُ، وَيَقِي ذَلِكَ مِثْلُ مُؤْخِرَةِ الرَّحْلِ ».

"ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "عورت، گدھا اور کتے کے مرور (گزرنے) سے نماز میں نقص پیدا ہو جاتا ہے، اور کجاوہ کی آخری لکڑی کی مانند شئی اس سے محفوظ رکھتی ہے" [3]۔

۱- المعجم الکبیر للطبرانی (۹/۹۲۸۷-۹۲۸۹) مصنف ابن ابی شیبہ (۱/۲۸۳) کتاب الصلوات: من کان یکرہ ان یمر الرجل بین یدی الرجل وھو یصلی، مصنف عبد الرزاق (۲/۲۴) کتاب الصلوات: باب المار بین یدی المصلی (۲۳۴۰)۔ علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: "اس حدیث کے رواۃ ثقہ ہیں" مجمع الزوائد (۲/۶۱)

۲- مصنف ابن ابی شیبہ (۱/۲۸۲) کتاب الصلوات: باب فی الرجل یمر بین یدی الرجل یردہ ام لا؟

۳- صحیح مسلم: کتاب الصلاۃ: باب قدر ما یستر المصلی (۵۱۱)۔

۵/۵۳۔ بعض لوگ نمازیوں کے سامنے سے مرور (گزرنے) کو اس وقت جائز سمجھتے ہیں جب وہ جنازہ اٹھائے ہوئے ہوں، ہمارے علم کی حد تک اس کا اہل علم میں سے کوئی قائل نہیں، اور نہ ہی اس پر کوئی دلیل ہی موجود ہے، کوئی بقلم خود فقیہ یہ نہ کہے کہ یہ جنازہ کو لے جانے میں جلدی کرنے کے قبیل سے ہے، اس لیے کہ ہم اس سے کہیں گے کہ اس کے لے جانے میں جلدی کرو لیکن نمازیوں کے سامنے سے گزرے بغیر، نماز جنازہ کی ادائیگی تو کسی بھی جگہ ہو سکتی ہے، اس کے لیے مسجد وغیرہ مطلوب نہیں، البتہ سنت یہ ہے کہ اسے اس کی مخصوص و متعین جگہ پر ادا کیا جائے، بعض اہل علم تو مسجد میں نماز جنازہ کے عدم جواز کے قائل ہیں، اس مقام پر ان کے مذہب کی تردید ممکن نہیں، مشاہدات شاہد ہیں کہ بہت سے ایسے امور کے باعث جنازہ لمبے وقت تک متأخر ہو جاتا ہے جن پر کوئی شرعی دلیل و حجت موجود نہیں، لیکن جب ہم حدود الٰہی تک پہنچتے ہیں تو ہم جنازہ کو لے جانے میں حد سے زیادہ جلدی مچاتے ہیں، اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ نمازی کے سامنے سے گزرنے اور جنازہ کو جلدی لے جانے میں تعارض ہے (جب کہ یہ امر بعید ہے) تو نہ گزرنے کو مقدم کیا جائے گا اس لیے کہ نمازی کے سامنے سے گزرنا گناہ کبیرہ ہے اور دشواری کی صورت میں جلدی نہ کرنا زیادہ سے زیادہ گناہ صغیرہ کے قبیل سے ہے۔

***

چھٹی فصل

نماز جمعہ میں نمازیوں کی غلطیوں اور تارکین جمعہ پر وعید کا بیان

یہ فصل تمہید اور درج ذیل سرخیوں پر مشتمل ہے:

- ❊ فٹبال (اور دوسرے کھیلوں) کے ہزاروں مشاہدین کا نماز جمعہ سے پیچھے رہنا۔
- ❊ بادشاہ و سلاطین کے محافظوں (باڈی گارڈوں) کا نماز جمعہ چھوڑ کر ان کی حفاظت میں مسجد کے دروازوں پر مسلح کھڑا رہنا۔
- ❊ دولہا کا نماز جمعہ اور جماعت سے پیچھے رہنا۔
- ❊ سیر و تفریح کی خاطر نماز جمعہ سے پیچھے رہنا۔
- ❊ ایسے شروط و قیود کے باعث نماز جمعہ ترک کرنا جن پر کتاب و سنت سے کوئی دلیل موجود نہیں۔
- ❊ ایسی غلطیاں جن کے باعث جمعہ کا مکمل ثواب یا اس کا کچھ حصہ فوت ہو جاتا ہے۔
- ❊ جمعہ سے پہلے کی سنت
- ❊ جمعہ کے دن تحیۃ المسجد کی ادائیگی میں نمازیوں کی غلطیاں۔
- ❊ خطیبان جمعہ کی چند غلطیاں۔
- ❊ جمعہ کے بعد کی سنت میں نمازیوں کی غلطیاں۔

❊❊❊

- تمہید -

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: « أَلا هَلْ عَسَى أَحَدُكُمْ أَنْ يَتَّخِذَ الصُّبَّةَ مِنْ الْغَنَمِ عَلَى رَأْسِ مِيلٍ أَوْ مِيلَيْنِ، فَيَتَعَذَّرَ عَلَيْهِ الْكَلأُ، فَيَرْتَفِعَ ثُمَّ تَجِيءُ الْجُمُعَةُ فَلا يَجِيءُ وَلاَ يَشْهَدُهَا، وَتَجِيءُ الْجُمُعَةُ فَلا يَشْهَدُهَا، وَتَجِيءُ الْجُمُعَةُ فَلاَ يَشْهَدُهَا، حَتَّى يُطْبَعَ عَلَى قَلْبِهِ ».

یعنی: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خبر دار رہو! تم میں سے کوئی بکریوں کا ایک صبہ[۱] (ریوڑ) ایک میل یا دو میل پر مقرر کرے گا، پھر وہاں بہ مشکل گھاس ملنے پر دور چلا جائے گا، اب ایک جمعہ آئے گا، وہ آکر جمعہ میں شریک نہ ہو گا، پھر دوسرا جمعہ آئے گا لیکن وہ آکر جمعہ میں شریک نہ ہو گا، پھر تیسرا جمعہ آئے گا، جب بھی شریک نہ ہو گا، یہاں تک کہ اس کے دل پر مہر لگا دی جائے گی[۲]۔

اس حدیث میں اس شخص پر سخت وعید ہے جو بکری یا اونٹ کے ریوڑ (جسے چرانے کے لیے مسجد سے اتنی دور نکل جاتا ہے کہ نماز فوت ہو جاتی ہے) کے سبب نماز جمعہ ترک کرتا ہے۔

وَعَنْ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ، وَأَبَا هُرَيْرَةَ حَدَّثَاهُ أَنَّهُمَا سَمِعَا رَسُولَ

۱- صبہ:- گھوڑے یا اونٹ، یا بکری کا گلہ جس کی تعداد بیس سے تیس تک ہوتی ہے، اس کی نسبت اسی کی جنس کی طرف ہوتی ہے جس پر وہ مشتمل ہو، دوسرا قول ہے کہ اس کی تعداد دس سے چالیس تک ہوتی ہے (مؤلف)

۲- سنن ابن ماجہ: کتاب اقامۃ الصلاۃ والسنۃ فیہا: باب فیمن ترک الجمعۃ من غیر عذر (۱۱۲۷)، صحیح ابن خزیمہ: جماع ابواب الصلاۃ قبل الجمعۃ: باب التغلیظ فی الغیبۃ عن الجمعۃ لمنافع الدنیا (۱۸۵۹)۔ علامہ البانی نے حدیث کو حسن قرار دیا ہے دیکھیے: "صحیح سنن ابن ماجہ" (۱/۱۸۶) التعلیق الرغیب (۱/۲۶۰) صحیح الترغیب والترہیب (۷۳۳)

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ عَلَى أَعْوَادِ مِنْبَرِهِ: «لَيَنْتَهِيَنَّ أَقْوَامٌ عَنْ وَدْعِهِمُ الْجُمُعَاتِ، أَوْ لَيَخْتِمَنَّ اللّٰهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ، ثُمَّ لَيَكُونُنَّ مِنَ الْغَافِلِينَ».

یعنی: ابوہریرہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ انھوں نے نبی اکرم ﷺ سے منبر کی لکڑیوں پر کہتے ہوئے سنا: لوگ جمعہ چھوڑنے سے باز آجائیں، ورنہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگا دے گا، پھر وہ غافلوں میں سے ہو جائیں گے"[۱]۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ مَسْعُودٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِقَوْمٍ يَتَخَلَّفُونَ عَنِ الْجُمُعَةِ: «لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ رَجُلًا يُصَلِّي بِالنَّاسِ، ثُمَّ أُحَرِّقَ عَلَى رِجَالٍ يَتَخَلَّفُونَ عَنِ الْجُمُعَةِ بُيُوتَهُمْ».

یعنی: ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جمعہ سے پیچھے رہنے والوں کے متعلق فرمایا: "میرا ارادہ ہے کہ کسی شخص کو لوگوں کی امامت کرنے کا حکم دوں، پھر ان لوگوں پر ان کے گھروں کو جلا دوں جو جمعہ سے پیچھے رہتے ہیں"[۲]۔

وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ زُرَارَةَ قَالَ: سَمِعْتُ عَمِّي - وَلَمْ أَرَ رَجُلًا مِنَّا بِهِ شَبِيهًا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، فَلَمْ يَأْتِهَا، ثُمَّ سَمِعَهُ فَلَمْ يَأْتِهَا، ثُمَّ سَمِعَهُ فَلَمْ يَأْتِهَا، طَبَعَ اللّٰهُ عَلَى قَلْبِهِ وَجَعَلَ قَلْبَهُ قَلْبَ مُنَافِقٍ».

یعنی: محمد بن عبدالرحمٰن زرارۃ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے چچا - میں نے اپنے میں سے

۱- صحیح مسلم: کتاب الجمعۃ: باب التغلیظ فی ترک الجمعۃ (۸۶۵)۔
۲- صحیح مسلم: کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ: باب فضل صلاۃ الجماعۃ وبیان التشدید علی من تخلف عنھا (۶۵۲)

کسی کو ان کے مشابہہ نہیں پایا- کو کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جو شخص جمعہ کے دن اذان سننے کے باوجود اس میں حاضر نہ ہو پھر (دوسرے دن) سنے لیکن حاضر نہ ہو پھر (تیسرے دن) سنے لیکن حاضر نہ ہو، تو اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دے گا، اور اس کا دل منافق کا دل بنا دے گا“[۱]۔

وَعَنْ أَبِي الْجَعْدِ الضَّمْرِيِّ وَكَانَتْ لَهُ صُحْبَةٌ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: « مَنْ تَرَكَ ثَلاثَ جُمَعٍ تَهَاوُنًا بِهَا طَبَعَ اللّٰهُ عَلَى قَلْبِهِ ».

یعنی: ابو الجعد ضمری رضی اللہ عنہ (جنھیں شرف صحابیت حاصل ہے) نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں: ”جس نے تین جمعہ سستی سے یا اس کو حقیر جانتے ہوئے چھوڑ دیا، اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دے گا“[۲]۔

ان سطور کو پڑھنے کے بعد شاید تارکین جمعہ (جن کی ان ایام میں از حد کثرت ہے) اپنی اس گمراہی سے جس میں وہ بھٹک رہے ہیں متنبہ اور آگاہ ہو جائیں، بالخصوص درج ذیل قسم کے لوگ:

فٹ بال کے مشاہدین، بادشاہ و سلاطین کے محافظین، دولہے، سیر و تفریح کی خاطر

۱- مسند ابو یعلی (۱۳/ ۱۷۶۷) اسد الغابۃ (۵/ ۴۶۹) المطالب العالیۃ (۱/ ۱۷۳) (رقم: ۶۲۷)۔ حدیث کے تعلق سے علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: ”رجالہ ثقات“ مجمع الزوائد (۲/ ۱۹۳) باب فی من ترک الجمعۃ۔ علامہ البانی نے بھی حدیث کی تصحیح کی ہے ”صحیح الترغیب والترہیب“ (۱/ ۳۸۱)۔

۲- جامع ترمذی: ابواب الجمعۃ: باب ماجاء فی ترک الجمعۃ من غیر عذر (۵۰۰)، سنن ابو داود: تراجع ابواب الجمعۃ: باب التشدید فی ترک الجمعۃ (۱۰۵۲)، سنن نسائی: کتاب الجمعۃ: باب التشدید فی التخلف عن الجمعۃ (۱۳۶۹)، سنن ابن ماجہ: کتاب اقامۃ الصلاۃ: باب ماجاء فیمن ترک الجمعۃ من غیر عذر (۱۱۲۶)، سنن دارمی (۱۶۹۳) مسند احمد (۳/ ۴۲۴) سنن کبریٰ (۵۵۷۶)، صحیح ابن خزیمہ (۱۸۵۸) صحیح ابن حبان (۲۷۸۶) مستدرک حاکم (۱۰۳۴)۔ حاکم نے فرمایا: ”صحیح علی شرط مسلم“ اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

اس سے پیچھے رہنے والے، بے بنیاد شروط و قیود کے باعث اسے ترک کرنے والے۔

۵۴-فٹبال (اور دوسرے کھیلوں) کے ہزاروں مشاہدین کا نمازِ جمعہ سے پیچھے رہنا

کھیل کے اکثر مشاہدین جن کی تعداد لاکھوں تک پہنچتی ہے، نماز جمعہ کے وقت راستوں میں بھیڑ لگائے ہوتے ہیں، انھیں آسمان کا منادی پکارتا ہے، لیکن کہاں وہ اس پر لبیک کہنے والے ہیں، جب کہ ان کی عقلیں مفلوج اور احساسات مردہ ہو چکے ہیں، کس چیز کے بدلے؟ اس تعصب کے بدلے جو مختلف کھیل کود کی ٹیموں کو غذا فراہم کرتا ہے چنانچہ کوئی ایک ٹیم کی تائید اور ہمت افزائی کرتا ہے، کوئی دوسری کی، بلکہ ایک ہی گھر کے چند افراد باہم منقسم ہو جاتے ہیں، کوئی ایک ٹیم کی حمایت کرتا ہے کوئی دوسری کی، اور معاملہ حمایت ہی تک محدود نہیں ہوتا، بلکہ کامیاب ٹیموں کے حامیوں کی طرف سے ہاری ٹیموں کے طرف داروں سے مذاق و استہزاء تک پہنچ جاتا ہے، اخیر میں دونوں ٹیموں کے حامیوں کے درمیان لڑائی اور رسا کشی ہوتی ہے، جو فٹ بال پر بھینٹ چڑھنے والے سیکڑوں افراد کے زخمی اور ہلاک ہونے تک پہنچ جاتی ہے، اور امت اسلامیہ کو اپنے دشمنوں سے جہاد نیز اپنے اہم نتیجہ خیز امور میں غور و فکر سے غفلت میں ڈالنے کے بدلے، اور امت کی عزت و شرافت ختم کرنے کے مقابلے میں، کہ اس نے خطیر اموال اور طویل اوقات اس طرح لٹایا، اور ضائع کیا کہ اگر وہ ان سے نفع بخش کاموں اور مفید صنعتوں میں فائدہ اٹھاتی تو آج امت مسلمہ مختلف میدانوں میں ترقی یافتہ ممالک کے شانہ بشانہ چلتی۔

نیز معیار کی الٹنے کی وجہ سے کہ اس زمانے میں ہیرو کھلاڑی قرار پایا ہے، نہ کہ مجاہد جو امت کی عزت و شرافت کی طرف سے دفاع کرتا ہے، علاوہ ازیں کھلاڑیوں پر خطیر

رقم صرف ہوتی ہے اور اسلام معیار بدل دینے کی تائید نہیں کرتا، بلکہ ہر انسان کو افراط و تفریط سے ہٹ کر اس کے مقام پر رکھتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ فٹ بال (اور دوسرے کھیل) دور حاضر کے ان تخریبی وسائل میں شامل ہو چکے ہیں جنھیں دشمنان امت اسلامیہ اپنے مقصد کے لیے استعمال کر رہے ہیں، اور لوگوں کی اس پر پیٹھ ٹھونک رہے ہیں، اس کی تائید درج ذیل سے بھی ہوتی ہے:

(صہیونی حکماء کے پروٹوکول میں سے) تیرہویں پروٹوکول میں مذکور ہے:

"........ تاکہ اکثر لوگ گمراہی میں باقی رہ جائیں، انھیں نہ تو اپنے آگے پیچھے کی کوئی خبر ہو نہ اس امر کی جس کا ان کے تعلق سے ارادہ کیا جا رہا ہے، بے شک ہم روح پرور دلچسپ آلات، پُرلطف کھیل، اور ورزش و کھیل کی مختلف صورتیں نیز وہ چیز جس سے ان کی لذتوں و شہوتوں کو غذاء فراہم ہو ایجاد کر کے، نیز مزین محلات اور آراستہ پیراستہ عمارتوں کو زیادہ کر کے ان کے اذہان کو مزید تبدیل کرنے کی کوشش کریں گے، پھر ہم اخبارات و جرائد کے ذریعہ فنی اور ورزشی مقابلوں کی طرف دعوت دیں گے۔"

مسلم بھائی سنا آپ نے! آپ کے دشمن آپ کے تعلق سے کیا ارادہ رکھتے ہیں؟ یہ چاہتے ہیں کہ آپ ہمیشہ بھٹکتے رہیں، کبھی آپ کو روشنی حاصل نہ ہو۔

۵۵- بادشاہ و سلاطین کے محافظوں (باڈی گارڈوں) کا نماز جمعہ چھوڑ کر ان کی حفاظت میں مسجد کے دروازوں پر مسلح کھڑا ہونا

نماز جمعہ کے دوران قبیح ترین منکرات میں سے امیر یا سلطان یا صدر یا بادشاہ کے محافظوں کا ان کی حفاظت میں ہتھیار بند کھڑا ہونا بھی ہے، یہ لوگوں کے ساتھ نماز ادا نہیں کرتے، گویا کہ وہ غلاموں میں سے ایک غلام کی نگرانی کے لیے ہی پیدا کیے گئے ہیں،

بزرگ وبرتر رب کی اطاعت کے مکلّف نہیں کیے گئے، گویا انھوں نے فرمان نبوی ﷺ:
"اللہ کی معصیت میں کسی کی اطاعت نہیں، اطاعت صرف معروف میں ہے۔"[1] نہیں سنا۔

چاہیے کہ بادشاہ اور رؤساء اپنی رعایا کے سلسلے میں اپنے رب سے ڈریں، اور ان کے تعلق سے معبود برحق کے حدود سے آگے نہ بڑھیں، اور غالب وزبردست ذات پر پیشی کا دن یاد کریں، جس دن منادی نداء دے گا: آج کس کی بادشاہت ہے؟ تو کہا جائے گا: اس اللہ کی جو اکیلا اور غالب ہے۔

۵۶-دولہا کا نماز جمعہ اور جماعت سے پیچھے رہنا

بعض لوگوں کے یہاں رائج غلطیوں میں سے: ان کا دولہے کے لیے نماز جمعہ اور مسجد میں جماعت سے پیچھے رہنے کو جائز قرار دینا بھی ہے، اپنے اس مذہب پر بعض فرمان نبوی: "نئی نویلی دلہن کے لیے سات دن اور دوسری شادی والی کے لیے تین دن"[2] سے استدلال کرتے ہیں، لیکن یہ استدلال فاسد ہے، اس لیے کہ یہ حدیث اس شخص کے ساتھ مخصوص ہے جس کے پاس پہلے سے بیوی رہی ہو، (تو دوسری بیوی کے پاس رہنے کی مدت بیان کی جارہی ہے، نہ کہ اس کا تعلق جمعہ وجماعت سے ہے)۔

اس کی دلیل وہ حدیث ہے جسے امام بخاری نے اپنی سند سے ابو قلابہ عن انس سے روایت کی ہے:

مِنَ السُّنَّةِ إِذَا تَزَوَّجَ الرَّجُلُ الْبِكْرَ عَلَى الثَّيِّبِ أَقَامَ عِنْدَهَا سَبْعًا وَقَسَمَ وَإِذَا تَزَوَّجَ الثَّيِّبَ عَلَى الْبِكْرِ أَقَامَ عِنْدَهَا ثَلاثًا، ثُمَّ

۱- صحیح بخاری: کتاب اخبار الآحاد: باب ماجاء فی اجازۃ خبر الواحد الصدوق فی الاذان والصلاۃ والصوم والفرائض والاحکام (۷۲۵۷)۔

۲- صحیح مسلم: کتاب الرضاع: باب قدر ماتستحقہ البکر والثیب من اقامۃ الزوج عندھا عقب الزفاف (۱۴۶۰)

قَسَمَ قَالَ أَبُو قِلَابَةَ: وَلَوْ شِئْتُ لَقُلْتُ: إِنَّ أَنَسًا رَفَعَهُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .

یعنی: سنت یہ ہے کہ آدمی جب ثیبہ (وہ عورت جو کنواری نہ ہو) کی موجودگی میں باکرہ (کنواری عورت) سے شادی کرے تو اس کے پاس سات دن ٹھہرے، پھر باری متعین کرے، اور جب باکرہ (کنواری عورت) کی موجودگی میں ثیبہ سے شادی کرے تو اس کے پاس تین دن ٹھہرے پھر باری متعین کرے۔

ابو قلابہ کہتے ہیں: "اگر میں چاہوں تو کہہ دوں کہ انس نے مرفوعاً بیان کیا ہے"[۱]

حافظ ابن حجرؒ اس حدیث کی شرح کے بعد بطور تنبیہ فرماتے ہیں:

"ان سات یا تین ایام میں باجماعت نماز اور ان تمام اعمال خیر سے پیچھے رہنا جنھیں وہ پہلے انجام دیتا تھا مکروہ ہے، امام شافعی نے اس کی صراحت کی ہے"۔

نیز ابن دقیق العید کا یہ قول نقل کیا کہ بعض فقہاء نے حد سے تجاوز کرتے ہوئے اس کے پاس قیام کو سقوط جمعہ کے لیے عذر مانا ہے، انھوں نے اس کی حد درجہ مذمت کی ہے،[۲] لہذا ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ نماز جمعہ میں حاضری کا پورے طور پر حریص ہو، اور گھٹیا قسم کے اعذار سے پرہیز کرے، کیوں کہ یہ اسے اس ذات کے پاس نجات نہیں دلا سکتے جس پر کوئی شئی مخفی نہیں۔

۵۷- سیر و تفریح کی خاطر نماز جمعہ سے پیچھے رہنا

اس دور میں ایسا بھی ہونے لگا ہے کہ بہت سے اسلام کی طرف منسوب ہونے والے جمعہ کے دن خشکی یا دریائی سیر و تفریح پر عمداً و قصداً نکلتے ہیں، اور وہ بجائے اس

۱- صحیح بخاری: کتاب النکاح: باب اذا تزوج البکر علی الثیب (۵۲۱۴)

۲- فتح الباری: (۹/۳۱۵-۳۱۶)

کے کہ اللہ تعالیٰ کی اس دن سے متعلق اس سے اور اس کے رسول سے وارد امور کی روشنی میں عبادت کریں، اور نماز، صدقہ اور ذکر وغیرہ سے اس دن کو آباد کریں، اس مقدس دن میں گانے بجانے، طرب و نشاط، شراب نوشی اور دیگر ایسی مہلک برائیوں کے مرتکب ہوتے ہیں جن کے ذکر سے انسان کو شرم آتی ہے، چہ جائیکہ وہ ان کا ارتکاب کرے۔

میں نے خود بعض شہروں میں عینی مشاہدہ کیا ہے کہ بہت سے لوگ شادی کے موقعہ پر ولیمہ کی تیاری میں مشغولیت ومصروفیت کو دلیل بنا کر نماز جمعہ سے پیچھے رہتے ہیں، بسا اوقات ان پیچھے رہنے والوں میں ایسے لوگ بھی شامل ہوتے ہیں جو مسجدوں کو لازم پکڑنے والے ہیں، لیکن عادت ان پر غالب آگئی ہے۔

۵۸-ایسے شروط وقیود کے باعث نماز جمعہ سے پیچھے رہنا جن پر کتاب وسنت سے کوئی دلیل موجود نہیں

بعض مصلیان نماز جمعہ سے اس لیے پیچھے رہتے ہیں کہ اس کے لیے ایسی شرطوں کا اعتقاد رکھتے ہیں جن پر کتاب اللہ اور سنت صحیحہ سے دلائل فراہم نہیں، مثلاً اس کے لیے متعین و مخصوص تعداد کی شرط لگانا، حالاں کہ تعداد کی تحدید و تعیین میں ان کے یہاں شدید اختلاف ہے، اس سلسلے میں پندرہ اقوال تک منقول ہیں، ان میں سے کسی پر بھی کوئی لائق استدلال دلیل موجود نہیں، بجز ان کے اس قول کے: "اتنی تعداد معتبر ہے جو نبی اکرم ﷺ کے ساتھ موجود تھی" لیکن یہ استدلال بھی باطل ہے، کوئی بھی ایسا شخص اس سے تمسک نہیں کر سکتا جو کیفیت استدلال سے واقف ہو، اس لیے کہ اگر یہ صحیح ہوتا تو تمام نمازوں میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ مسلمانوں کا اجتماع اس تعداد

کے مشروط ہونے پر دلیل ہوتا۔

بعض امام عادل کی شرط لگاتے ہیں، جیسا کہ روافض (شیعوں) کا مذہب ہے، یہ قول قابل رد ہے، اس کے تعلق سے علامہ شوکانی فرماتے ہیں: اس شرط پر کوئی دلیل نہیں، بلکہ اس سلسلے میں بعض سلف سے مروی بات بھی صحیح نہیں، چہ جائیکہ نبی اکرم ﷺ سے کوئی چیز ثابت ہو، اس مسئلے پر طویل گفتگو کے بعد بھی کوئی مفید بات نہیں پیش کی جا سکتی، اور کوئی بے بنیاد چیز اس قابل نہیں کہ اس کی تردید کی جائے، بلکہ اس کے متعلق اتنا کہنا کافی ہے: اس کلام کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں، اور جس چیز کا بھی شریعت سے کوئی تعلق نہ ہو وہ قابل رد اور اس کے کہنے والے کے منہ پر ماری ہوئی ہے[۱]۔

بعض جمعہ کی صحت کے لیے مصر جامع (شہر) کی شرط لگاتے ہیں، لیکن اس کی تفسیر میں ان کے یہاں اختلاف ہے، بعض کا قول ہے کہ: "مصر جامع" سے مراد ایسا شہر ہے جس میں حاکم اور قاضی ہوں، جو حدود اللہ کا قیام اور احکام شریعت کا نفاذ کرتے ہوں،[۲] اور بعض نے اس کی تفسیر بایں الفاظ کی: ایسا شہر جس میں سڑکیں اور بازار ہو، والی (امیر و حاکم) ہو جو مظلوم کو ظالم سے حق دلاتا ہو، اور عالم ہو جس کی طرف پیش آمدہ مسائل میں رجوع کیا جاتا ہو[۳]۔

ان تفاسیر کی کتاب و سنت میں کوئی اصل نہیں، اور نہ ہی صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے متعلق یہ ثابت ہے کہ انھوں نے بنو امیہ اور بنو عباس کی حکومتوں میں کسی بھی زمانے میں جمعہ ترک کیا ہو، جب کہ تمام حکام مظلوم کو ظالم سے انصاف دلانے اور قیام عدل میں مطلوبہ طریقہ پر نہیں تھے۔

۱- السیل الجرار (۱/۲۹۷) باب صلاۃ الجمعۃ۔
۲- الھدایۃ مع شرحہ فتح القدیر (۲/۵۰-۵۱)
۳- رد المختار علی الدر المختار (۱/۵۳۶) باب الجمعۃ

یہ شرط بھی ایسی ہے جس پر کوئی ایسی دلیل قائم نہیں جس سے اس کے استحباب کی حد تک بھی تمسک کیا جاسکے، چہ جائے کہ اس کے شرط ہونے پر دلیل بنے[1]۔

افسوس کہ اس عبادت کے ساتھ تلاعب اور کھیل حیرت انگیز حد تک پہنچ چکا ہے، حق تو یہ ہے کہ یہ جمعہ فرائض الٰہی میں سے ایک فریضہ، اسلامی شعائر میں سے ایک شعار اور نمازوں میں سے ایک نماز ہے، جو شخص یہ دعوی کرے کہ اس میں ان امور کا اعتبار ہوگا جو دوسری نمازوں میں معتبر نہیں، تو اس کا قول بغیر دلیل کے قابل توجہ نہیں ہوسکتا، اس کی خصوصیت محض خطبہ ہے، اور خطبہ بھی صرف وعظ و نصیحت ہے جس کے ذریعہ انسانوں کو نصیحت کی جاتی ہے، لہٰذا اگر کسی مقام پر صرف دو ہی آدمی ہیں تو ان میں سے ایک کھڑا ہو کر خطبہ دے گا، دوسرا اسے غور سے سنے گا، پھر دونوں کھڑے ہو کر نماز جمعہ ادا کریں گے۔

اس سے بہت سے ان مسلمانوں (بالخصوص ہندوستان میں بسنے والوں) کی غلطی واضح ہو جاتی ہے: جن کا عقیدہ ہے کہ نماز جمعہ ان پر اس لیے واجب نہیں کہ وہ بستیوں (دیہات اور گاؤں) میں بستے ہیں، اور ان میں کوئی قاضی نہیں، یا سڑکیں اور بازار موجود نہیں، حالانکہ وہ ہزاروں کی تعداد میں ہیں، تعجب تو ان لوگوں پر ہے جو دعوت و تبلیغ کے میدان میں طریقۂ نبوی کے حصول کے لیے مرجع ہونے کا دعوی کرنے کے باوجود اس قبیح فعل پر ان کی موافقت کرتے ہیں۔

محدث شیخ ابوالطیب محمد شمس الحق عظیم آبادی (ت:۱۳۲۹ھ) کا ان لوگوں کے رد

---

[1] استاذ گرامی قدر حضرت مولانا رئیس احمد ندوی حفظہ اللہ و تولاہ نے اپنی عدیم النظیر کتاب "اسلام میں نماز جمعہ کا حکم" میں اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی ہے، اور اس سلسلے میں جتنے بھی شبہات ہو سکتے ہیں ان کا حد درجہ دقیق تحقیق کی روشنی میں ایسا مسکت جواب دیا ہے کہ اس پر اضافہ از حد مشکل ہے، تفصیل کے لئے اس کا مراجعہ کیا جائے۔

میں "التحقیقات العلی باثبات فرضیۃ الجمعہ فی القری" کے نام سے ایک مفید رسالہ ہے، جو جلد ہی زیور طبع سے آراستہ ہوا ہے اس کے اخیر میں آپ رقمطراز ہیں:

"نماز جمعہ جو کہ افضل ترین اسلامی شعار ہے (جس کی فرضیت نص قطعی سے ثابت ہے) شہروں، قصبوں اور دیہاتوں میں واجب ہے "کرخی یا بلخی کی تفسیر جو دلیل ظنی کے حکم میں بھی نہیں، بلکہ محض رائے ہے اس کی وجہ سے اسے ترک کرنا عقل کی کمی اور ایمان کی کمزوری کی دلیل ہے۔

ایسی غلطیاں جن سے جمعہ کا ثواب فوت ہو جاتا ہے

* نماز جمعہ کے لیے سویرے نہ نکلنا۔
* نماز جمعہ کے لیے غسل، خوشبو اور مسواک کا اہتمام نہ کرنا۔
* دوران خطبہ گفتگو کرنا، خطیب جمعہ کی طرف کان نہ لگانا، یہ سرخی درج ذیل امور پر مشتمل ہے:

[دوران خطبہ پانی کا دور چلانا اور عطیات (چندہ) اکٹھا کرنے کے لیے صندوق گھمانا، خطبہ کے دوران دو آدمیوں کا آپس میں گفتگو کرنا، دوران خطبہ تسبیح و تلاوت قرآن کرنا، سلام کا جواب دینا اور کسی کی چھینک پر "یرحمك الله" کہنا، خطبہ کے دوران سونا، دوران خطبہ امام اور قبلہ کی طرف اپنی پیٹھ کرنا، دوران خطبہ کنکری، تسبیح کے دانے اور اس طرح کی دوسری چیزوں سے کھیلنا، نمازیوں کی گردن پھلانگنا اور لوگوں کو اذیت دینا، خطبہ جمعہ کے دوران گوٹ لگا کر بیٹھنا]

اس سلسلے میں چند احادیث نبویہ درج ذیل ہیں:

عَنْ أَوْسِ بْنِ أَوْسٍ الثَّقَفِيِّ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: « مَنْ غَسَّلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاغْتَسَلَ، ثُمَّ بَكَّرَ، وَابْتَكَرَ وَمَشَى وَلَمْ يَرْكَبْ، وَدَنَا مِنْ الإِمَامِ فَاسْتَمَعَ، وَلَمْ يَلْغُ، كَانَ لَهُ بِكُلِّ خُطْوَةٍ عَمَلُ سَنَةٍ أَجْرُ صِيَامِهَا وَقِيَامِهَا ».

یعنی: اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے: ”جو شخص جمعہ کے دن اپنی بیوی کو نہلائے اور خود بھی نہائے، پھر (مسجد) سویرے جائے، اور اول ہی سے خطبہ میں رہے، پیدل جائے سوار نہ ہو، امام کے نزدیک ہو کر خطبہ غور سے سنے، اور بیہودہ بات نہ کہے تو اس کو ہر قدم پر ایک سال کے روزے اور تہجد کا ثواب ملے گا[1]۔

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: « إِذَا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ وَقَفَتْ الْمَلَائِكَةُ عَلَى بَابِ الْمَسْجِدِ يَكْتُبُونَ الأَوَّلَ، فَالأَوَّلَ وَمَثَلُ الْمُهَجِّرِ كَمَثَلِ الَّذِي يُهْدِي بَدَنَةً، ثُمَّ كَالَّذِي يُهْدِي بَقَرَةً، ثُمَّ كَبْشًا، ثُمَّ دَجَاجَةً، ثُمَّ بَيْضَةً، فَإِذَا خَرَجَ الإِمَامُ طَوَوْا صُحُفَهُمْ وَيَسْتَمِعُونَ الذِّكْرَ »[2]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”جمعہ کے دن فرشتے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر آنے والوں کے نام ترتیب وار لکھتے ہیں،

۱- سنن ابوداود: کتاب الطہارۃ: باب فی الغسل یوم الجمعۃ (۳۴۵)، سنن ابن ماجہ: کتاب اقامۃ الصلاۃ والسنۃ فیھا: باب ماجاء فی الغسل یوم الجمعۃ (۱۰۸۷)، سنن ترمذی: ابواب الجمعۃ: باب فی فضل الغسل یوم الجمعۃ (۴۹۶)، سنن نسائی: کتاب الجمعۃ: باب غسل یوم الجمعۃ (۱۳۸۱) وباب فضل المشی الی الجمعۃ (۱۳۸۴)، وباب الفضل فی الدنو الی الامام (۱۳۹۸)، سنن دارمی: کتاب الجمعۃ: باب فی الاستماع یوم الجمعۃ عند الخطبۃ والانصات (۱۶۶۸) مسند احمد (۲/ ۲۰۹، ۴/ ۸، ۹، ۱۰، ۱۰۴)۔ الفاظ ابوداؤد وابن ماجہ کے ہیں۔ علامہ البانی نے حدیث کو صحیح قرار دیا ہے ”صحیح ابوداود“ (۱/ ۷۰) ”صحیح سنن نسائی“ (۱/ ۲۹۹) ”صحیح ابن ماجہ“ (۱/ ۱۷۹) ”صحیح الجامع“ (۶۴۰۵)

سویرے جانے والے کی مثال ایسے شخص کی ہے جو اونٹ ہدی (قربانی) کے لیے مکہ معظّمہ بھیجے، پھر ایسے شخص کی جو گائے بھیجے، پھر ایسے شخص کی جو مینڈھا، پھر ایسے شخص کی جو مرغی، پھر ایسے شخص کی جو انڈا بھیجے، پھر جب امام (خطبہ کے لیے) نکلتا ہے، تو وہ اپنے صحیفے (رجسٹر) لپیٹ لیتے ہیں اور خطبہ کان لگا کر سنتے ہیں"[1]۔

وَعَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: « مَنْ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَتَطَهَّرَ بِمَا اسْتَطَاعَ مِنْ طُهْرٍ، ثُمَّ ادَّهَنَ أَوْ مَسَّ مِنْ طِيبٍ، ثُمَّ رَاحَ فَلَمْ يُفَرِّقْ بَيْنَ اثْنَيْنِ، فَصَلَّى مَا كُتِبَ لَهُ، ثُمَّ إِذَا خَرَجَ الإِمَامُ أَنْصَتَ، غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الأُخْرَى ».

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس شخص نے جمعہ کے دن غسل کیا، اور حتی المقدور طہارت حاصل کی، پھر تیل یا خوشبو استعمال کیا، پھر مسجد آیا، تو دو آدمیوں کے بیچ تفریق نہیں کی، اور حسب توفیق نماز ادا کی، پھر جب امام خطبہ کے لیے نکلا تو خاموش رہا، اس کے اس جمعہ سے دوسرے جمعہ تک کے گناہ بخش دیئے جائیں گے"[2]۔

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: « إِذَا قُلْتَ لِصَاحِبِكَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَنْصِتْ، وَالإِمَامُ يَخْطُبُ فَقَدْ لَغَوْتَ ».

وفي رواية: ((وَمَنْ لَغَا فَلَا جُمُعَةَ لَهُ))

۱- صحیح بخاری: کتاب الجمعۃ: باب الاستماع الی الخطبۃ (۹۲۹)، صحیح مسلم: کتاب الجمعۃ: باب فضل التہجیر یوم الجمعۃ (۵۸۰)۔

۲- صحیح بخاری: کتاب الجمعۃ: باب الدھن یوم الجمعۃ (۸۸۳) باب لا یفرق بین اثنین (۹۱۰)

نیز ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جب تو جمعہ کے دن دوران خطبہ اپنے ساتھی سے کہے" چپ رہو، تو تم نے خود ایک لغو (بے جا) حرکت کی [1]۔

ایک روایت میں ہے "جس شخص نے لغو (بے جا) حرکت کی اس کا جمعہ نہیں" [2]

ان احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ نماز جمعہ کا ثواب عظیم ترین ہے، جس نے اسے اس کے شروط، آداب اور سنن کے ساتھ انجام دیا، اسے درج ذیل فضیلتیں حاصل ہوں گی:

۱- گھر سے مسجد تک ہر ہر قدم پر ایک سال کے روزے اور قیام اللیل (تہجد) کا پورا پورا اجر و ثواب۔

۲- بدنہ یعنی ایک اونٹ نر یا مادہ، یا گائے یا مینڈھا (سانڈ بکرا) (بعض روایات میں سینگ والے کی قید اس لیے ہے کہ وہ خوبصورت اور تخلیقی طور پر مکمل ہوتا ہے) یا مرغی یا انڈا قربت الٰہی کی غرض سے مکہ بھیجنے والوں میں سے کسی ایک کے ثواب کا مسجد کی طرف سبقت کے اعتبار سے حاصل ہونا۔

۳- اگلے جمعہ تک اور مزید تین دن (جیسا کہ بعض روایات میں ہے) میں صادر ہونے والے گناہوں کی مغفرت۔

۱- صحیح بخاری: کتاب الجمعۃ: باب الانصات یوم الجمعۃ والامام یخطب (۹۳۴)، صحیح مسلم: کتاب الجمعۃ: باب فی الانصات یوم الجمعۃ والامام یخطب (۸۵۱)۔

۲- حدیث کا یہ ٹکڑا مذکورہ الفاظ میں مجھے نہیں ملا۔ البتہ یہ سنن ابوداؤد (۱/۶۳۸) تفریع ابواب الجمعۃ: باب فضل الجمعۃ (۱۰۵۱) میں بایں الفاظ "ومن لغا فلیس لہ فی جمعتہ تلک شئ" مروی ہے، لیکن یہ حدیث ضعیف ہے جیسا کہ علامہ منذری اور علامہ البانی نے صراحت کی ہے، دیکھئے: "عون المعبود" (۳/۳۷۷) ضعیف ابی داود (۲۳۰/۱۰۵۱) ضعیف الجامع الصغیر (۶۵۷)۔

لیکن سنن ابن ماجہ (۱۱۱۱) اور مسند احمد (۵/۱۴۳، ۱۹۸) میں یہ مفہوم بایں الفاظ "لیس لک من صلاتک الیوم الا بالغوت" بسند صحیح مروی ہے جیسا کہ علامہ البانی نے صراحت کی ہے (صحیح سنن ابن ماجہ" (۹۱۲، ۱۱۱۱)۔

۴- حفظہ نامی فرشتوں کے علاوہ دوسرے فرشتوں کا اس کے لیے نماز جمعہ کا ثواب اپنے صحیفوں میں لکھنا۔

یہ عظیم ثواب اور غیر معمولی فضیلت اس دور میں اکثر لوگوں سے ان کی سستی یا جہالت یا سنت نبوی سے دوری کے باعث فوت ہو جاتی ہے، اس کا ظہور درج ذیل حالتوں میں ہوتا ہے:

۱/۵۸- نماز جمعہ کے لیے سویرے نہ نکلنا

مذکورہ پہلی اور دوسری حدیث کی بنیاد پر نماز جمعہ کے لیے سویرے نکلنا مسنون ہے، تیسری حدیث کا بھی یہی مفاد ہے، چنانچہ اس میں ہے: "پھر حسب توفیق نفلی نماز پڑھی پھر جب امام خطبہ کے لیے نکلا تو خاموش رہا....."

پہلی حدیث میں صراحت ہے کہ مسجد میں سویرے جانا مکمل ثواب جمعہ (یعنی ہر ہر قدم پر ایک سال کے روزوں اور قیام اللیل کا ثواب) کے حصول کے لیے شرط ہے۔ اور یہ بھی صراحت ہے کہ یہ عمل (جمعہ کے لیے سویرے نکلنا) مسجد تک پیدل چل کر ہوگا، اسی لیے امام نسائی اور امام بیہقی وغیرھما نے اس پر بایں الفاظ "فضل المشی الی الجمعۃ" (جمعہ کے لیے پیدل چل کر جانے کی فضیلت) باب باندھا ہے۔

• جمعہ کے لیے سویرے نکلنا سلف صالحین رضوان اللہ علیھم اجمعین کا طریقہ رہا ہے، حتی کہ ابو شامہ فرماتے ہیں: قرن اول میں صبح صادق طلوع ہونے کے بعد راستے لوگوں سے بھر جاتے تھے، وہ چراغوں کی روشنی میں چلتے، اور جامع مسجد کی طرف جاتے ہوئے ایام عید کی طرح راستوں میں بھیڑ لگاتے، یہاں تک کہ یہ طریقہ ختم ہو گیا، کہا جاتا ہے کہ: "اسلام میں رائج ہونے والی سب سے پہلی بدعت جامع مسجد کی طرف

نکلنے میں تاخیر کی بدعت ہے"[1]۔

۵۸/۲- نماز جمعہ کے لیے غسل، زینت، خوشبو اور مسواک کو ترک کرنا

حافظ ابن حجرؒ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث "جس نے جمعہ کے دن غسل جنابت کیا، پھر نماز کے لیے نکلا تو گویا کہ اس نے بدنہ (اونٹ) کی قربانی کی....." سے مستنبط فوائد شمار کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

اس حدیث سے درج ذیل فوائد مستنبط ہوتے ہیں:

جمعہ کے دن غسل کرنے کی ترغیب اور اس کی فضیلت، جمعہ کے لیے سویرے نکلنے کی فضیلت، یہ فضیلت اسی کو حاصل ہوگی جو مذکورہ دونوں سنتوں پر عمل کرے، اسی پر وہ مطلق روایات محمول کی جائیں گی جن میں غسل کی قید کے بغیر محض سویرے نکلنے پر فضیلت کو مرتب کیا گیا ہے.....[2]۔

بعض علمائے محققین کے نزدیک غسل کا ترک کرنا مذکورہ ثواب کے ضائع ہونے تک محدود نہیں، بلکہ یہ گناہ اور حرمت تک تجاوز کر جاتا ہے، چنانچہ علماء کی ایک جماعت جمعہ کے لیے غسل کو واجب مانتی ہے، اور متعدد صحیح احادیث اس مذہب کی تائید کرتی ہیں۔

۵۸/۳- دوران خطبہ گفتگو کرنا، خطیب جمعہ کی طرف کان نہ لگانا

اوس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں گذر چکا کہ: "جو جمعہ کے دن نہلائے اور خود بھی نہائے پھر سویرے جائے اور شروع ہی سے خطبہ پائے، پیدل جائے سوار نہ ہو، امام کے

۱- الباعث علی انکار البدع والحوادث لابی شامۃ المقدسی (۱۶۱-۱۶۲) بحوالہ احیاء علوم الدین (۱/۱۸۴)۔
۲- فتح الباری (۲/۳۶۸)

نزدیک ہو کر خطبہ سنے اور لغو اور بیہودہ بات نہ کہے، تو اس کو ہر قدم پر ایک سال کے روزوں اور تہجد کا ثواب ملے گا۔

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ نمازی سویرے جاتا ہے، غسل بھی کرتا ہے، پیدل جاتا ہے، سوار نہیں ہوتا، لیکن وہ امام سے قریب نہیں ہوتا، بلکہ کسی جگہ آرام پا کر بیٹھ جاتا ہے، اور خطیب سے دور ہوتا ہے، یہ ایسا امر ہے جس کے باعث جمعہ کا کچھ ثواب فوت ہو جاتا ہے۔

بعض سویرے جانے والے جو امام سے قریب ہوتے ہیں، نادانی میں بعض امور کے مرتکب ہو کر اپنے آپ کو جمعہ کے ثواب سے محروم کر لیتے ہیں، اور وہ سمجھتے ہیں کہ اچھا کام کر رہے ہیں۔

۵۸/۴- چنانچہ بعض دوران خطبہ نمازیوں پر پانی کا دور چلاتے ہیں:

امام مالک فرماتے ہیں کہ ”میں کسی کے لیے پسند نہیں کرتا کہ وہ جمعہ کے دن دوران خطبہ پانی پئے، اور نہ ہی یہ پسند ہے کہ لوگوں پر امام کے خطبہ کے دوران پانی کا دور چلایا جائے“

۵۸/۵- وہ شئی جس کا میں نے (بعض سالوں میں) دیہات کی بعض مساجد میں مشاہدہ کیا کہ جمعہ کے دن امام کے خطبے کے دوران عطیات (چندہ) اکٹھا کرنے کی خاطر صندوق (بکس) گھمایا جاتا ہے۔

ایسا بھی ہوتا ہے کہ دو آدمی مسجد میں داخل ہوتے ہیں، اور دوران خطبہ محو گفتگو ہوتے، اس طور پر وہ اس ممنوع کام میں پڑ جاتے ہیں جس کا ذکر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ”جب تو جمعہ کے دن دوران خطبہ کہے: چپ رہ، تو تم نے لغو (بے جا) حرکت کی“ میں ہے۔

خطبہ جمعہ کے دوران گفتگو کرنا اجر کو رائیگاں اور ثواب کو فوت کر دیتا ہے۔

نضر بن شمیل فرماتے ہیں: (لغوت) کا معنی ہے "خبتَ من الأجر" تم اجر سے محروم ہو گئے، دوسرا قول ہے کہ: تمھاری جمعہ کی فضیلت باطل ہو گئی [1]۔

اس سے اس شخص کی غلطی واضح ہو جاتی ہے جو دوران خطبہ بات چیت کرنے والے کو نماز ظہر کی صورت میں جمعہ کی نماز کے دہرانے کا فتوی دیتا ہے، یہ قول متعدد نصوص کی روشنی میں قابل رد ہے جیسا کہ میں نے اصل کتاب میں بیان کیا ہے، فللہ الحمد والمنہ.

۵۸/۷- "انصات" سے مراد لوگوں کے ساتھ گفتگو سے مطلقا سکوت اختیار کرنا ہے، علامہ عبدالحیؒ لکھنوی فرماتے ہیں: "ابن خزیمہ نے فرمایا: انصات سے مراد لوگوں کے ساتھ گفتگو سے سکوت اختیار کرنا ہے نہ کہ ذکر الٰہی سے، لیکن ان پر تعقب کیا گیا کہ یہ دوران خطبہ تلاوت اور ذکر کے جواز کو مستلزم ہے، لہذا ظاہر یہی ہے کہ مطلقا سکوت مراد ہے" [2]۔

۵۸/۸- اس شخص کی غلطی جو خطبہ کے دوران سوتا ہے

ابن سیرین کہتے ہیں انھوں نے کہا کہ "لوگ خطبہ جمعہ کے دوران نیند کو ناپسند کرتے تھے، اور اس کی بابت سخت بات کہتے تھے"۔

نمازی پر جب نیند کا غلبہ ہو تو اپنی جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا اس کے لیے مندوب ہے۔

۱- نیل الاوطار (۳/ ۲۹۰) ابواب الجمعۃ: باب وجوب الأنصات والنہی عن اللغو

۲- التعلیق الممجد علی موطا محمد (۱/ ۶۰۵-۶۰۶)

عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِذَا نَعَسَ أَحَدُكُمْ فِي الْمَسْجِدِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَلْيَتَحَوَّلْ مِنْ مَجْلِسِهِ ذَلِكَ إِلَى غَيْرِهِ».

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کسی کو جمعہ کے دن مسجد میں اونگھ آجائے تو وہ اپنی جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو جائے''[1]

۵۸/۹- دوران خطبہ امام اور قبلہ کی طرف پیٹھ کرنے والے کی غلطی

امام ابن القیمؒ خطبۂ جمعہ میں نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طریقہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''آپ ﷺ جب کھڑے ہو کر جمعہ کا خطبہ دیتے تو صحابہ کرام اپنا رخ آپ کی طرف کر لیتے، اور آپ کا رخ بھی دوران خطبہ ان کی طرف ہوتا تھا''[2]۔

دیکھا جاتا ہے کہ بعض نمازی مسجد کی کسی دیوار یا کھمبے سے ٹیک لگاتے ہیں اور قبلہ اور خطیب جمعہ کی طرف ان کی پیٹھ ہوتی ہے، تعجب ہے ان لوگوں پر کیوں کہ شریعت نے صرف خطیب کو قبلہ کی طرف پیٹھ کرنے کی اجازت محض اس لیے دی ہے کہ وہ نمازیوں کی طرف رخ کر کے ان پر موثر ہو، اور انھیں معروف اور بھلی باتوں کا حکم دے، اور منکر اور بری باتوں سے روکے، اس کے باوجود ان لوگوں کا یہ عمل اس لیے ہے کہ اس مسئلہ کی حکمت پر نہ ان کی نظر ہے نہ توجہ، اور ان میں سے اکثر نہ خطیب کی طرف توجہ

۱- سنن ترمذی: ابواب الجمعۃ: باب فی من ینعس عن الجمعۃ انہ یتحول من مجلسہ (۵۲۶)، سنن ابوداود: کتاب الصلاۃ: باب الرجل ینعس والامام یخطب (۱۱۱۹) مسند احمد (۲/ ۲۲،۳۲)۔ امام ترمذی نے حدیث کو ''حسن صحیح'' کہا ہے، اور علامہ البانی نے حدیث کی تصحیح کی ہے ''صحیح ابی داؤد'' (۱/ ۲۰۸)

۲- زاد المعاد (۱/ ۴۱۵-۴۱۶)

دیتے ہیں، اور نہ اس سے قریب ہوتے ہیں، لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

۱۰/۵۸- دوران خطبہ کنکری یا دانوں والی تسبیح سے کھیلنے والے کی غلطی

صحیح حدیث میں ہے:

((وَمَنْ مَسَّ الْحَصَي فَقَدْ لَغَا)) ”جس نے کنکری چھوا اس نے لغو حرکت کی“۔[1]

خطبۂ جمعہ کے دوران مسواک کرنا بھی اسی حکم میں ہے، اس لیے کہ یہ خشوع اور کمال حضور سے مشغول کرتا ہے۔

۱۱/۵۸- جمعہ کے دن نمازیوں کی گردن پھاندنا اور لوگوں کو اذیت دینا

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی سابقہ حدیث میں دو جمعوں کے درمیان کے گناہوں کی مغفرت چند خصلتوں پر معلق کی گئی ہے، انھیں میں سے ہے:

......ثم راح فلم يفرق بين اثنين” ....پھر نکلا اور دو آدمیوں کے بیچ (سے گزر کر ان کے درمیان) تفریق نہیں کی“

اور عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

إِنَّ رَجُلا جَاءَإلي النَّبيِ صَلَّى اللّٰهَ عَلَيْهِ وَسَلَّم يَتَخَطَّى رِقَابَ النَّاسِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، وَالنَّبِيُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ فَقَالَ:

۱- صحیح مسلم: کتاب الجمعۃ: باب فضل من استمع وانصت فی الخطبۃ (۸۵۷)۔

«اجْلِسْ فَقَدْ آذَيْتَ وَآنَيْتَ ».

یعنی: ایک شخص جمعہ کے دن لوگوں کی گردنیں پھاندتے ہوئے نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا، اس حال میں کہ آپ خطبہ دے رہے تھے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: "بیٹھ جاؤ، تم نے لوگوں کو اذیت دی اور آنے میں دیر بھی کی"[1]۔

یہ حدیث جمعہ کے دن نمازیوں کی گردن پھاندنے کی حرمت پر دال ہے، جمعہ کے دن کے ساتھ کی قید سے ظاہر ہوتا ہے کہ حرمت اس کے ساتھ مخصوص ہے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس کے ساتھ قید اس اعتبار سے ہو کہ اس دن لوگوں کی کثرت ہوتی ہے، لہذا اگر دن پھاندنے کے ناجائز ہونے میں بقیہ نمازیں جمعہ کی مانند ہوں گی، یہی احتمال قوی ہے اس لیے کہ اس کی علت (ایذارسانی) ان تمام امور میں پائی جاتی ہے، بلکہ علمی مجالس وغیرہ کا بھی یہی حکم ہوگا۔

۱۲/۵۸- جمعہ کے دن دوران خطبہ احتباء کرنا (گوٹ مار کر بیٹھنا)

احمد، ابوداود، ترمذی اور حاکم معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

«إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ الْحَبْوَةِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالإِمَامُ يَخْطُبُ».

یعنی: "رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کے دن خطبہ کے دوران حبوۃ یعنی گوٹ مار کر بیٹھنے سے منع فرمایا"[2]۔

١- مسند احمد (٤/١٨٨، ١٩٠)، سنن ابن ماجہ: کتاب اقامۃ الصلاۃ والسنۃ فیھا: باب ماجاء فی النھی عن تخطی الناس یوم الجمعۃ (١١١٥)۔ علامہ البانی نے حدیث کو صحیح کہا ہے، "صحیح سنن ابن ماجہ" (١/١٨٤) التعلیق الرغیب (١/٢٥٦)

٢- سنن ابو داود: کتاب الصلاۃ: باب الاحتباء والامام یخطب (١١١٠)، جامع ترمذی: ابواب الجمعۃ: باب ماجاء فی کراھیۃ الاحتباء والامام یخطب (٥١٤)، سنن کبریٰ: کتاب الجمعۃ: باب من کرہ الاحتباء فی ھذہ الحالۃ (٥٩١٢)، مسند احمد (٣/٣٩)، مستدرک حاکم: کتاب الجمعۃ (١٠٧٥) امام حاکم نے فرمایا: "یہ حدیث شیخین کی شرط پر صحیح ہے" علامہ ذہبی نے ان کی موافقت کی، علامہ البانی نے بھی حدیث کو حسن قرار دیا ہے "صحیح سنن ابی داود (١/٢٠٦)

حبوۃ: احتباء سے ماخوذ ہے، اس کی کیفیت یہ ہے کہ انسان اپنے دونوں پاؤں پیٹ سے ملا کر انھیں کسی کپڑے سے پیٹھ کے ساتھ باندھ دے، کبھی کپڑے کے بجائے ہاتھوں کے ذریعہ احتباء ہوتا ہے۔

اس سے بہت سے ایسے لوگوں کی غلطی واضح ہو جاتی ہے جو دوران خطبہ اس کیفیت میں بیٹھتے ہیں، یہ کراہت اس لیے ہے کہ اس نوعیت کی بیٹھک سستی اور نیند کی مظہر ہے۔ ایسے شخص کے وضوء کے ٹوٹنے اور ستر کے کھلنے کا غالب امکان ہے، لہذا میرے نمازی بھائی! تم ممنوع چیز میں پڑ جانے سے دور رہنے کے حریص رہو، تاکہ نیکیاں اور ثواب تمہارے لیے ثابت ہو جائیں۔ ان شاء اللہ۔

۵۹- نماز جمعہ سے پہلے کی سنت

نبی اکرم ﷺ جمعہ کے دن اپنے گھر سے نکلتے ہی منبر پر چڑھتے، پھر مؤذن اذان کہتا، جب وہ فارغ ہو جاتا تو آپ ﷺ خطبہ شروع کرتے۔

اگر جمعہ سے قبل سنت (نفل نماز) ہوتی تو نبی اکرم ﷺ اذان کے بعد لوگوں کو سنت پڑھنے کا حکم دیتے، اور خود بھی اس پر عمل کرتے، عہد رسالت میں صرف وہی ایک اذان تھی جو خطیب کے سامنے دی جاتی ہے۔

اگر آپ کہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے دوران خطبہ مسجد میں داخل ہونے والے صحابی کو دو رکعت نماز پڑھنے کا حکم دیا، تو میں اس کے جواب میں کہوں گا: یہ دو رکعتیں تحیۃ المسجد تھیں، اس نے ان دونوں کو ادا نہیں کیا تھا، تو آپ نے فرمایا: "کھڑے ہو اور دو رکعت پڑھو" صحیح بخاری میں جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

جَاءَ رَجُلٌ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ النَّاسَ يَوْمَ

الْجُمُعَةِ فَقَالَ: « أَصَلَّيْتَ يَا فُلانُ، قَالَ: لاَ، قَالَ: قُمْ فَارْكَعْ رَكْعَتَيْنِ ».

یعنی: ایک شخص جمعہ کے دن اس وقت آیا جب نبی اکرم ﷺ خطبہ دے رہے تھے، آپ نے فرمایا: ''اے فلاں تم نے نماز پڑھ لی؟'' اس نے کہا: نہیں، آپ نے فرمایا: ''کھڑے ہو اور دو رکعت نماز پڑھو''[1]۔

اور ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت ''آپ جمعہ سے پہلے دو رکعت گھر میں پڑھتے تھے'' باطل و موضوع ہے۔

اگر آپ کہیں کہ جمعہ ظہر کی قصر ہے، لہذا اس میں اسی کی طرح پہلے سنت (نفلی نماز) ہے، تو میں کہوں گا: کہ اس کلام کا کئی اسباب سے تحقیق سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

۱- نمازوں کی مشروعیت میں قیاس جائز نہیں ہے۔

۲- سنت وہ ہے جو نبی اکرم ﷺ کے قول یا فعل یا خلفاء راشدین کے طریقے سے ثابت ہو، اور زیر بحث مسئلہ میں ان میں سے کچھ بھی ثابت نہیں۔

۳- جمعہ مستقل نماز ہے، جو ظہر سے باواز بلند قرأت، تعداد رکعات اور خطبہ میں مختلف ہے۔

۴- امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے:

صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَجْدَتَيْنِ قَبْلَ الظُّهْرِ، وَسَجْدَتَيْنِ بَعْدَ الظُّهْرِ، وَسَجْدَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ، وَسَجْدَتَيْنِ بَعْدَ

۱- صحیح بخاری: کتاب الجمعۃ: باب اذا رای الامام رجلا جاء وھو یخطب امرہ ان یصلی رکعتین (۹۳۰) باب من جاء والامام یخطب صلی رکعتین خفیفتین (۹۳۱)، صحیح مسلم: کتاب الجمعۃ: باب التحیۃ والامام یخطب (۸۷۵)۔

الْعِشَاءِ، وَسَجْدَتَيْنِ بَعْدَ الْجُمُعَةِ.

یعنی: "میں نے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ دو رکعتیں ظہر سے پہلے، دو اس کے بعد، دو مغرب سے پہلے، دو عشاء کے بعد اور دو جمعہ کے بعد پڑھی"[1]۔

یہ حدیث اس امر پر واضح دلیل ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نزدیک جمعہ ظہر کے علاوہ مستقل نماز ہے، ورنہ علیحدہ طور پر اس کے ذکر کی ضرورت نہیں ہوتی، اس لیے کہ ظہر کے نام میں وہ بھی داخل ہوتا، نیز اس کے لیے صرف بعد میں سنت کا ذکر ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ اس میں جمعہ سے پہلے سنت نہیں۔

اسی لیے جمہور ائمہ اس بات پر متفق ہیں کہ جمعہ سے پہلے ایسی سنت نہیں جس کا کوئی وقت مقرر ہو اور جس کی کوئی تعداد ہو، اس لیے کہ اس کا ثبوت نبی اکرم ﷺ کے قول یا فعل سے ہوگا، اور آپ نے اس سلسلے میں کوئی سنت نہیں چھوڑی، نہ قولی نہ فعلی۔ یہی مذہب امام مالک، امام شافعی اور ان کے اکثر اصحاب کا ہے، اور امام احمد کا بھی مشہور مذہب یہی ہے۔

۶۰- جمعہ کے دن تحیۃ المسجد کی ادائیگی میں نمازیوں کی غلطیاں

(دوران خطبہ مسجد میں داخل ہونے پر اسے ترک کرنا، خطیب کا داخل ہونے والے کو اس کے ترک پر ابھارنا، داخل ہونے کے بعد بیٹھ جانا، اور دو خطبوں کے درمیان خطیب کی بیٹھک کے وقت اسے ادا کرنا، اذان کا جواب دینے کی خاطر اسے مؤخر کرنا، اور خطبہ کے شروع ہونے کے بعد اس کو شروع کرنا)

۱۔ صحیح بخاری: کتاب التہجد: باب التطوع بعد المکتوبۃ (۱۱۷۲)، صحیح مسلم: کتاب صلاۃ المسافرین: باب فضل السنن الراتبۃ قبل الفرائض وبعدھن وبیان عددھن (۷۲۹)۔

۱/۶۰- جمعہ کے دن مسجد میں داخل ہوتے ہی لوگوں سے متعدد غلطیاں صادر ہوتی ہیں: چنانچہ بعض تحیۃ المسجد پڑھے بغیر بیٹھ جاتے ہیں، بالخصوص وہ جو تاخیر کرِ کے اس وقت پہنچتے ہیں جب امام خطبہ دے رہا ہوتا ہے، حالانکہ نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہے کہ:

«إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالإِمَامُ يَخْطُبُ، فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ، وَلْيَتَجَوَّزْ فِيهِمَا».

یعنی: ''جب تم میں سے کوئی جمعہ کے دن آئے اس حال میں کہ امام خطبہ دے رہا ہو، تو وہ دو رکعت نماز پڑھے، اور ان کو ہلکی پڑھے'' [۱]۔

غالباً اس فریق کا استدلال ابن عمر رضی اللہ عنہما کی درج ذیل مرفوع روایت سے ہے:

«إذا صعد الخطيب المنبر فلا صلاة ولا كلام». ''جب خطیب منبر پر چڑھ جائے تو نہ نماز ہے نہ کلام'' لیکن اس روایت کا متن باطل اور سند ضعیف ہے [۲]۔

۲/۶۰- یہ جہالت کی حد ہی تو ہے کہ بعض خطباء ایسے شخص کو جو دوران خطبہ مسجد میں داخل ہونے کے بعد تحیۃ المسجد پڑھنے کا ارادہ کرتا ہے حکم نبوی کی مخالفت کرتے

۱- صحیح مسلم: کتاب الجمعۃ: باب التحیۃ والامام یخطب (۸۷۵)۔

۲- یہ حدیث انھیں الفاظ میں زبان زد ہے، لیکن ان الفاظ میں اس کی کوئی اصل نہیں۔ البتہ طبرانی کبیر (۳/۲۸۰-۳۲۸۱/۳) میں ابن عمر سے مرفوعاً بایں الفاظ مروی ہے: ''اذا دخل احدکم المسجد والامام علی المنبر فلا صلاۃ ولا کلام حتی یفرغ الامام'' لیکن اس کی سند میں ''ایوب بن نہیک'' ہیں، جنھیں ابو حاتم رازی نے ''ضعیف الحدیث'' ابو زرعہ رازی نے ''منکر الحدیث'' اور بیہقی نے ''متروک ضعفہ جماعۃ'' کہا ہے: ''الجرح والتعدیل'' (۱/۲۵۹) مجمع الزوائد (۲/۱۸۴)۔ اسی بنیاد پر حافظ نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے (فتح الباری' (۲/۳۲۷)۔ اور بیہقی نے ''سنن'' (۳/۱۹۳) میں ابو ہریرہ سے مرفوعاً بایں الفاظ روایت کی ہے: ''خروج الامام یوم الجمعۃ للصلاۃ یقطع الکلام'' لیکن اس کے تعلق سے انھوں نے خود فرمایا: اس کا مرفوع ہونا خطأ فاحش ہے، اصلاً یہ سعید بن مسیب یا زہری کا قول ہے'' زیلعی نے بھی اس کی تائید کی ہے، (نصب الرایۃ'' (۲/۲۰۱)، علامہ البانی نے حدیث کو ''سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ'' (۱/۱۹۹-۲۰۰) (رقم: ۸۷) میں ذکر کرنے کے بعد مذکورہ تفصیل کی صراحت کی ہے۔

ہوئے اس نماز سے روکتے ہیں، اس قسم کے لوگوں کے متعلق مجھے خدشہ ہے کہ کہیں وعید الٰہی "﴿أَرَأَيْتَ الَّذِي يَنْهَى، عَبْدًا إِذَا صَلَّى﴾[۱] (بھلا اسے بھی تو نے دیکھا جو بندے کو روکتا ہے جب کہ وہ نماز ادا کرتا ہے) کی زد میں نہ آ جائیں۔

۶۰/۳- بعض لوگ تو خطبہ اولی کے دوران مسجد میں داخل ہونے پر بیٹھ جاتے ہیں، پھر جب خطیب دوسرا خطبہ شروع کرنے سے پہلے بیٹھتا ہے تو کھڑے ہو کر تحیۃ المسجد پڑھتے ہیں، یہ عمل جہالت کی وجہ سے ہے اور فرمان نبوی "جب تم میں سے کوئی جمعہ کے دن آئے اس حال میں کہ امام خطبہ دے رہا ہو تو وہ دو رکعت نماز پڑھے، اور ان میں اختصار کرے" کے مخالف ہے، اس سے اس شخص کی بھی غلطی واضح ہو جاتی ہے جو اس حالت میں اپنی نماز کو طول دیتا ہے۔

۶۰/۴- بعض لوگ اس وقت آتے ہیں جب خطیب منبر پر بیٹھ چکا ہوتا ہے، اور موذن اذان دے رہا ہوتا ہے، تو وہ فوراً تحیۃ المسجد نہیں پڑھتے بلکہ انتظار کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ جب مؤذن اذان ختم کر لیتا ہے، اور خطیب خطبہ شروع کر دیتا ہے، تب وہ تحیۃ المسجد کی ادائیگی کے لیے تکبیر تحریمہ کہتے ہیں، اس طور پر وہ خطبہ کو غور سے سننا جو کہ فرض ہے ترک کرتے ہیں، اور مؤذن کے کلمات دہرانے میں جو کہ سنت ہے مشغول رہتے ہیں ہے، حالانکہ ان کے لیے مناسب ہے کہ اس انتظار کے بغیر فوراً تحیۃ المسجد کی ادائیگی میں لگ جائیں۔

***

۱- سورۂ علق: (۹،۱۰)

۶۱- خطائے جمعہ کی چند غلطیاں

- تمہید:
- خطباء کی قولی غلطیاں
- خطباء کی فعلی غلطیاں
- نماز جمعہ میں خطیبوں کی غلطیاں

تمہید:

۶۱/۱- خطیب میں درج ذیل صفات ہونی چاہیے:

۱- صحیح عقائد کا علم رکھتا ہو، تاکہ وہ خود انحراف سے محفوظ رہے اور لوگوں کو اپنے فاسد عقیدے کے ذریعہ گمراہ نہ کرے۔

۲- ان امور کا علم رکھتا ہو جو نماز کی صحت کے لیے لازم ہیں، فقہی احکام سے واقف ہو تاکہ وہ سائل کو دلیل کی روشنی میں جواب دے سکے، اور سیدھے راستے کی طرف اس کی صحیح رہنمائی کرسکے، دینی امور میں ٹامک ٹوئیے نہ مارے، جیسا کہ اس دور کے بیشتر خطباء کا عمل ہے۔

۳- عربی زبان بالخصوص ادب وانشاء پر اسے دسترس ہو، تاکہ ایسا بلیغ کلام ترتیب دے سکے جس کے ذریعہ سامعین کے دلوں کو منور کردے، اور اس قدر بیدار مغز ہو کہ غائب وحاضر پر اس کی نظر رہے، نرم دل ہو، فصیح اللسان ہو، اور دل میں کھٹکنے والے معانی ورموز کی تعبیر پر قادر ہو[۱]۔

۱- یہی حکم دوسری زبانوں میں خطبہ دینے والوں کا ہے کہ وہ زبان کے ماہر اور فن خطابت سے آشنا ہوں تاکہ اپنی بات مؤثر طور پر پیش کرسکیں۔

۴- لوگوں کے احوال وظروف کی رعایت کرنے والا ہو کہ انھیں ان بدعات وخرافات سے متنبہ کرے جن میں وہ گھرے ہوتے ہیں۔

۵- نیک، پرہیز گار، باوقار، اور حد درجہ قانع ہو، کھلم کھلا معصیت کا ارتکاب اور شریعت کی مخالفت کرنے والا نہ ہو، اپنے قول پر عمل کرنے والا ہو، تاکہ دلوں میں اس کی ہیبت اور نفوس میں اس کی عظمت قائم ہو سکے، نیز اس کا کلام مؤثر ہو اور اس کے لیے اسے ایسے سامعین دستیاب ہو سکیں جو اس کے خطبہ کو محفوظ رکھنے والے، اور اس کے مطابق عمل کرنے والے ہوں، اس لیے کہ یہ اس کی نصیحت کی قبولیت اور اس کے مطابق عمل میں زیادہ مؤثر ہے۔

۲/۶۱- اکثر اسلامی ممالک میں خطبہ تقلیدی عادات اور سرکاری ملازمت کی حیثیت اختیار کر چکا ہے جسے اس انداز سے انجام دیا جاتا ہے کہ کاغذ سے متعین عبارت محفوظ کر کے جھاڑو دینے کی طرح کوئی شخص بھی منبر سے پیش کر دیتا ہے، اس کے طلب گار کی نگاہ میں وہ تحصیل رزق کا ایک پیشہ ہے، وہ بھولے ہوئے ہیں (یا بظاہر نسیان کا اظہار کرتے ہیں) کہ یہ مقام نبی اکرم ﷺ آپ کے خلفاء اور ان کے نائبین کا مقام ہے، اس مقام کی اس دور میں تحقیر ہو رہی ہے، چنانچہ اسے طلباء وعلماء کے بجائے اکثر ایسے لوگوں کے سپرد کیا جانے لگا ہے جو نرے جاہل اور عوام کے دلوں میں حد درجہ غیر محترم ہیں، تو یہ خطباء بدترین فتنہ ہیں، ان کے گناہوں کو شمار نہیں کیا جا سکتا، الا یہ کہ امت پر ان کے مضر خطبے کی تاثیر کا شمار ممکن ہو، اور یہ کیسے ہو سکتا ہے جب کہ اس کا تعلق معنوی امور سے ہے جن کی معرفت اعداد وشمار کے ذریعہ نہیں ہو سکتی۔

اس مقام پر ہمارے لیے مناسب ہے کہ ہم خطباء کو پکاریں، ممکن ہے وہ اس پکار سے

مستفید ہوں: ”کتنے منبر کراہ رہے ہیں، اور ان لوگوں کی شکایت کر رہے ہیں جنھوں نے ظلم اور جھوٹ کی بنیاد پر ان پر قبضہ کر لیا ہے، پھر ان کے سلسلے میں اللہ سے ڈرے نہ ان کا مطلوبہ حق ادا کیا، یہ منبران کے قدموں کے نیچے ایسے خطباء کے شوق میں دودھاری اونٹنی کی مانند کراہ رہے ہیں جو متبع سنت ہوں، بدعتی نہ ہوں، باعمل ہوں ایسے نہ ہوں جن کے قول وفعل میں تضاد ہے، اور جو تعمیر سے زیادہ تخریب کرتے ہیں، ایسے خطیب ہوں جو امت میں نئی روح پھونکیں، اور اسے خواب غفلت سے بیدار کریں۔ اس کا چراغ گل کرنے، اسے نیست ونابود کرنے، اسے ایسے مسائل میں الجھانے کی ناپاک سعی نہ کریں، جو دینی مسائل کی خدمت تو درکنار مصالح عامہ کی خدمت بھی نہیں کر سکتے تاکہ اس کے جوش کو سرد اور جذبات کو مار دیں۔

درجہ ذیل کلمات میں خطباء امت کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں، اللہ گواہ ہے کہ اس سے میرا مقصد محض نصیحت ورہنمائی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ أُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَاهُمُ اللَّهُ وَأُولَئِكَ هُمْ أُولُوا الْأَلْبَابِ﴾ [1]۔ (میرے بندوں کو خوشخبری سنا دیجئے، جو بات کو کان لگا کر سنتے ہیں، پھر جو بہترین بات ہو اس کی اتباع کرتے ہیں، یہی ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی ہے اور یہی عقلمند بھی ہیں۔)

یاد رکھو میرے خطیب بھائیو! آپ پر منبر کے متعدد حقوق ہیں:

انہیں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ اس کے سلسلے میں اللہ سے ڈریں، کیوں کہ یہ ایک امانت ہے جس کا آپ کے رب نے آپ کو اس لیے امین بنایا ہے کہ آپ اس رب ذوالجلال کی تعظیم، تمجید اور توحید بیان کریں، اس لیے نہیں کہ اس کے ذریعہ اپنی

۱- سورۂ زمر: (۱۷، ۱۸)

بڑائی و برتری کا اظہار کریں، اپنے ہمسروں پر اپنی برتری ثابت کریں اور آپ کی طرف انگلیوں سے اشارہ کیا جائے ﴿تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ﴾[۱]۔

(آخرت کا یہ بھلا گھر ہم انھیں کے لیے مقرر کر دیتے ہیں جو زمین میں اونچائی بڑائی اور فخر نہیں کرتے نہ فساد کی چاہت رکھتے ہیں، پرہیزگاروں کے لیے نہایت ہی عمدہ انجام ہے۔)

اے فاضل خطباء! منبر خیر کی طرف امت کی رہنمائی، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نیز اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر ہے، منبر آبروریزی، گالی گلوج، کینہ و حسد، دوسروں کو بیوقوف بنانے، انھیں نادان قرار دینے اور قبیح چیزوں کے ذریعہ متہم کرنے کی جگہ نہیں ہے۔

فاضل خطباء! منبر سینوں میں موجود تعصب اور مخفی کینوں کے نکالنے کی جگہ نہیں، بلکہ منبر ہوش و بصیرت کے ساتھ دعوت حق دینے، امت کو متحد کرنے، اور ان کے دلوں کو جوڑنے اور انھیں ایک کلمہ یعنی کتاب و سنت اور منہج سلف پر اکٹھا کرنے کے لیے سعی مسلسل کی جگہ ہے۔

اے خطباء کرام! لوگ آپ کو تعظیم و توقیر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، اور آپ کے دشمن آپ کے زوال اور آپ کی بربادی کے منتظر ہیں، لہذا آپ اپنے کردار سے دشمنوں کو خوش نہ کریں اور دوستوں بلکہ امت کی امیدوں پر پانی نہ پھیریں، کہ وہ آپ سے اپنا ہاتھ کھینچ لے، پس آپ متحد ہو کر اپنے دشمنوں کے مدمقابل ہو جائیں، دیکھئے! کہیں شیطان آپ کو آپس میں الجھا نہ دے۔

اے باکمال خطباء! دینی اصول و قواعد کا اہتمام کریں اور اس سے ربط و تعلق رکھیں،

۱- سورۂ قصص: (۸۳)

اختلاف وانتشار کا شکار نہ ہوں، اپنی رائے کے تئیں تعصب آپ کو اپنے بھائیوں سے قطع تعلق، ان پر یلغار اور منبر و محراب سے ان کی تشہیر پر برانگیختہ نہ کرے، کیوں کی یہ منبر آپ کی ملکیت نہیں کہ آپ جو چاہیں اس پر کہیں اور اپنی تائید کریں، بلکہ یہ اللہ رب العالمین کی ملکیت ہے، یاد رکھیں! تفرقہ وانتشار عذاب ہے اور اختلاف سخت جرم ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿وَلاَ تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ، مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ﴾[1]۔

(اور مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ، ان لوگوں میں سے جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور خود بھی گروہ درگروہ ہو گئے، ہر گروہ اس چیز پر جو اس کے پاس ہے مگن ہے)

اے معزز خطباء! فرمان الٰہی ﴿وَاتَّقُوا فِتْنَةً لاَّ تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنكُمْ خَآصَّةً﴾[2] (اور تم ایسے وبال سے بچو جو خاص کر صرف انہیں لوگوں پر واقع نہ ہوگا جو تم میں ان گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں) کو یاد کریں، ابھی فتنہ دبا ہوا ہے جو اس کو کریدے گا اس کے گناہ کے وبا سے نجات نہیں پا سکتا، اور جو آگ بھڑکائے گا وہ خود کسی نہ کسی دن شعوری یا غیر شعوری طور پر اس کی نذر ہو جائے گا۔

* اے خطباء مساجد! علمائے اسلام بالخصوص پیکر عمل، متبع کتاب و سنت اور منہج سلف پر کاربند ائمہ دین پر طعن و تشنیع سے اپنی زبان محفوظ رکھیں، کیوں کہ یہی لوگ تاریکیوں کے چراغ، اور رسول اکرم ﷺ کے حقیقی وارث ہیں، جو کوئی ان پر طعن و تشنیع کریگا وہ ہمارے نزدیک خود متہم ہوگا، اس لئے کہ اس نے دین کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا۔

۱- سورۂ روم: (۳۱، ۳۲)۔

۲- سورۂ انفال: (۲۵)۔

رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

((الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الأَنْبِيَاءِ)) "علماء انبیاء کے وارث ہیں"۔[1]

اور حدیث قدسی میں ہے:

((مَنْ عَادَىٰ لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ))

یعنی: "جس نے میرے ولی سے دشمنی کی میں اس سے اعلان جنگ کرتا ہوں"[2]

امام شافعیؒ فرماتے ہیں: "اللہ کے اولیاء اگر علماء نہیں تو اللہ کا کوئی ولی (دوست) نہیں"۔

* اے خطباء کرام! امت کے کھلے اور پوشیدہ دشمنوں کے سامنے اس کے کلمے کو متحد کرنا، اور اس کی صفوں میں یگانگت پیدا کرنا آپ کی ذمہ داری ہے، آپ سے اس کے متعلق سوال کیا جائے گا تو غور کرلیں کہ کیا کہنے اور کیا کرنے والے ہیں۔

* اے فاضل خطباء! آپ اپنے اختلافات کا علاج منبروں کی فضاء اور عوام کی مجلسوں سے ہٹ کر کریں، تاکہ آپ انھیں فتنہ و پریشانی، بے سمتی اور اپنے تئیں بد گمانی بلکہ طعن و تشنیع میں واقع نہ کردیں۔

* اے فاضل خطباء! امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کا قول یاد کریں کہ "تم اپنے بھائی کے منہ سے نکلے ہوئے کسی کلمہ کو برا مت گمان کرو جب تک کہ اسے خیر پر محمول کر سکتے ہو" اور بعض علماء سلف کا قول ذہن نشین کرلیں کہ "تمھارا اپنے بھائی پر یہ ظلم ہے کہ اس کی ننانوے حسنات چھپالو اور ایک برائی آشکارا کردو"

۱- سنن ابو داود: کتاب العلم: باب الحث علی طلب العلم (۳۶۴۱)، جامع ترمذی: ابواب العلم: باب فی فضل الفقہ علی العبادۃ (۲۶۸۲)، سنن ابن ماجہ: مقدمہ: باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم (۲۲۳) مسند احمد (۵/۱۹۶) ۔علامہ البانی نے حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، "صحیح سنن ابن ماجہ" (۱/۸۳)

۲- صحیح بخاری: کتاب الرقاق: باب التواضع (۶۵۰۲)

٭ اے فاضل خطباء! غور وتامل اور حقیقت حال معلوم کرنے سے قبل دوسروں پر فیصلہ کرنے میں جلد بازی نہ کریں، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ﴾[۱] (اے مسلمانو! اگر تمھیں کوئی فاسق خبر دے تو تم اس کی اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو، ایسا نہ ہو کہ نادانی میں کسی قوم کو ایذاء پہنچادو، پھر اپنے کیے پر پشیمانی اٹھاؤ) اور ہر چغل خور سے بچیں، کیوں کہ جو آپ سے کسی کی چغلی کھائے گا وہ آپ کی بھی دوسروں سے چغلی کھائے گا۔

٭ فاضل خطباء! آپ کی محبت اللہ اور اس کے رسول سے ہونی چاہیے، آپ کسی جماعت یا پارٹی یا مسلک کے لیے عصبیت سے کام نہ لیں، بلکہ صرف حق کی حمایت کریں اور خواہشات نفس کی اتباع سے بچیں، کیوں کہ کتنے ایسے لوگ ہیں جو خواہشات نفس کی اتباع کے باعث گمراہ اور راہ حق سے منحرف ہو گئے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يَا دَاوُودُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ﴾[۲] ۔(اے داود! ہم نے تمھیں زمین میں خلیفہ بنادیا، تم لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرو اور اپنی نفسانی خواہش کی پیروی نہ کرو، ورنہ وہ تمھیں اللہ کی راہ سے بھٹکا دے گا۔)

٭ فاضل خطباء! امت کو شرک سے ڈرائیں، شرک اصغر سے بھی اور شرک اکبر سے بھی، اور انہیں اللہ کی توحید اور خالص اسی کی عبادت کی دعوت دیں، انھیں ہر قسم کے ظاہری و باطنی فتنوں سے آگاہ کر دیں، اور بلا علم کوئی بات کہہ کر اللہ کے خلاف

۱- سورۂ حجرات: (٦)۔

۲- سورۂ ص: (٢٦)۔

کذب بیانی اور رسول کی طرف غیر ثابت شدہ احادیث منسوب کر کے آپ کے خلاف کذب بیانی سے پرہیز کریں۔

٭ فاضل خطباء! آپ کے نبی خطیبوں کے امام تھے، آپ جب خطبہ دیتے تو آپ کی آواز بلند ہوتی، آنکھیں سرخ ہو جاتیں گویا کسی لشکر سے ڈراتے ہوئے "صبحکم ومساکم" (صبح کو دشمن کا حملہ ہو شام کو دشمن کا حملہ ہو) کہہ رہے ہوں، احساسات کو مشتعل کرتے تھے، محض جوش وجذبہ کی خاطر نہیں، بلکہ اس لیے کہ دلوں میں احساس بیدار کریں، اور سینوں میں ایمان کی چنگاری بھڑکائیں، تو آپ اپنے خطبوں میں نبی اکرم ﷺ کی اقتداء کریں تاکہ اپنے اعمال کا پھل پائیں۔

٭ خطباء کرام! اپنے خطبوں کو اس قدر طول نہ دیں کہ لوگ اکتا جائیں، اپنے نبی کا فرمان یاد کریں "آدمی کے خطبے کا مختصر ہونا، اور اس کی نماز کا طویل ہونا، اس کی سمجھ کی پہچان ہے" پس آپ اپنے نبی کی مشابہت اختیار کریں کامیابی آپ کے قدم چومے گی۔

٭ فاضل خطباء! متبع سنت بنیں، مبتدع نہ بنیں، کیوں کہ آپ کے لیے اس کی گنجائش نہیں رکھی گئی ہے، اتباع کو لازم پکڑیں، بدعت سازی سے پرہیز کریں، رخصتوں کو تلاش نہ کریں کہ آپ دینِ الٰہی میں متساہل ہو جائیں، اور عوام وخواص سے حق کے مطابق معاملہ کریں کیوں کہ آپ خیر میں لوگوں کے قدوہ ہیں۔

٭ میرے محبوب خطباء! یہ میری آپ کے لیے نصیحت ہے، ایک ایسے بھائی کی نصیحت جسے آپ تمام سے محبت ہے، اور یہ نصیحت قبولیت وافادیت کی امید پر ہے، ﴿وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ﴾[1] (اور نصیحت کرتے رہیں یقیناً یہ نصیحت ایمانداروں کو نفع دے گی) ﴿إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ

---

[1]- سورۂ ذاریات: (۵۵)

قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ﴾[۱] (اس میں ہر صاحب دل کے لیے عبرت ہے اور اس کے لیے جو دل سے متوجہ ہو کر کان لگائے اور وہ حاضر ہو۔) ﴿إِنْ أُرِيدُ إِلاَّ الإِصْلاَحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي إِلاَّ بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ﴾[۲]۔ (میرا ارادہ تو اپنی طاقت بھر اصلاح کرنے کا ہی ہے، میری توفیق اللہ کی مدد سے ہے اسی پر میرا بھروسہ ہے اور اسی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔)

۳/۶۱- خطبے کو طول دینا اور نماز مختصر کرنا

عَنْ عَمَّارِ بِنْ يَاسِرٍ قَالَ: إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: « إِنَّ طُولَ صَلاَةِ الرَّجُلِ وَقِصَرَ خُطْبَتِهِ مَئِنَّةٌ مِنْ فِقْهِهِ، فَأَطِيلُوا الصَّلاَةَ وَاقْصُرُوا الْخُطْبَةَ، وَإِنَّ مِنَ الْبَيَانِ سِحْرًا».

یعنی: عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے فرماتے ہوئے سنا کہ "آدمی کی نماز کا طویل اور اُن کے خطبے کا مختصر ہونا، اس کی فقاہت کی علامت ہے، تو تم نماز لمبی کرو، اور خطبہ مختصر کرو، بعض بیان میں جادو کا اثر ہوتا ہے"[۳]۔

سابقہ کلام سے اس امر کی تغلیط ہو جاتی ہے جس پر عام خطیبوں کا عمل ہے کہ وہ خطبہ طویل اور نماز مختصر کرتے ہیں، کاش کہ یہ لوگ ایسے امور میں خطبہ طویل کرتے جو اس عظیم مقام اور بلند درجے کے مناسب ہیں، یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتے، موت اور روز محشر کے احوال سے لوگوں کو ڈراتے، کیوں کہ یہ مقام اس بات کے زیادہ لائق ہے کہ اس میں لوگوں کو دنیا سے بے رغبت کیا جائے، اور

۱- سورۂ ق: (۳۷)۔
۲- سورۂ ھود: (۸۸)۔
۳- صحیح مسلم: کتاب الجمعۃ: باب تخفیف الصلاۃ والخطبۃ (۸۶۹)۔

آخرت کی رغبت دلائی جائے، اور واضح پند و نصائح بکثرت کئے جائیں، کیوں کہ یہ مقام بدعت سے اجتناب اور سنت کے اعلان واظہار کا سب سے زیادہ مستحق ہے۔

حاصل یہ کہ خطبہ کی روح موعظہ حسنہ ہے، خواہ قرآن سے ہو یا اس کے علاوہ سے، لیکن ایسے اسلوب میں ہو جو بسط و ایضاح پر مشتمل اور رموز واشارات نیز پر تکلف سجع سے دور ہو۔

۴/۶۱- خطباء کی قولی غلطیاں

* امام کا منبر پر چڑھنے کے بعد لوگوں کی طرف متوجہ ہونے، اور انھیں سلام کرنے سے پہلے قبلہ رخ ہو کر دعا میں مشغول ہونا، اسی طرح اس کا منبر کے نیچے کھڑے ہو کر دعا کرنا، شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: "امام کا منبر پر چڑھنے کے بعد دعا کرنا بے اصل ہے"[۱]۔

* خطیب کا لوگوں کے پاس پہنچنے کے بعد انھیں سلام نہ کرنا۔

* خطباء کا خطبۂ حاجت "إنّ الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ...." اور نبی اکرم ﷺ کے اس قول سے اعراض کرنا جسے آپ اپنے خطبہ میں ترک نہیں کرتے تھے یعنی "أما بعد، فان خير الكلام كلام الله"

* خطباء کا اپنے خطبوں میں سورہ "ق" کے ذریعہ نصیحت کرنے سے اعراض کرنا باوجودیکہ نبی اکرم ﷺ نے اس پر مواظبت برتی ہے جیسا کہ صحیح میں آپ سے ثابت ہے۔

* خطباء کا جمعہ کے دن خطبہ کے اخیر میں ایک حدیث مثلاً "التائب من الذنب كمن لا ذنب له" کے پڑھنے پر مداومت برتنا۔

۱- مجموع فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ (۲۴/۲۱۸) باب صلاۃ الجمعۃ۔

٭ دور حاضر کے بعض خطباء کا خطبۂ اولیٰ سے فراغت کے بعد سلام کرنا۔

٭ دوسرے خطبہ میں حد درجہ سرعت اختیار کرنا۔

٭ دوسرے خطبہ کو وعظ و نصیحت اور تذکیر و ترغیب سے خالی رکھنا، اسے محض درود شریف اور دعا کے لیے مخصوص کر دینا۔

٭ خطیب کا درود پڑھتے ہوئے بقیہ خطبے میں اپنی عادت سے زائد آواز بہ تکلف بلند کرنا، نماز میں ہمیں درود کا حکم دیا گیا ہے، لیکن اس میں جہر مشروع نہیں قرار دیا گیا گرچہ نمازی جہری نماز میں ہی کیوں نہ ہو۔

٭ دوران خطبہ بعض خطباء کا اللہ کے نام یا (عیاذ باللہ) بعض صالحین کے نام کو پکارنا۔

٭ فرمان الٰہی ﴿إن الله يأمركم بالعدل والإحسان......﴾ یا لوگوں کے قول "أذكروا الله يذكركم" کے ذریعہ خطبہ ختم کرنے کا التزام کرنا۔

٭ خطباء کا دوسرے خطبہ میں خلفاء، شاہان اور سلاطین کا ترنم کے ساتھ بالالتزام ذکر کرنا، ہر سورت کا بعض حصہ یا ایک ہی سورت دونوں رکعتوں میں پڑھنا مستحب نہیں، یہ خلاف سنت ہے، حالانکہ جاہل امام اس پر مداومت برتتے ہیں۔

یہ خطباء کی بعض وہ قولی غلطیاں ہیں جن کے وہ خود مرتکب ہوتے ہیں، علاوہ ازیں کچھ ایسی غلطیاں بھی ہیں جن کا ان کے سامنے ارتکاب کیا جاتا ہے، میری خواہش ہے کہ انھیں اس مقام پر ذکر کروں اور انھیں خطیبوں کی غلطیوں سے ملحق کروں، کیوں کہ ان پر اگر ان کی خاموشی نہ ہوتی تو جاہل عوام اور عوام نما خواص ان پر عمل پیرا نہ ہوتے، جنھوں نے اپنی غلطیوں پر مداومت کے ذریعہ مسلمانوں کو اس وہم میں ڈال رکھا ہے کہ ان کا یہ عمل شرعاً ثابت ہے، حالانکہ اس کا شریعت سے کوئی واسطہ نہیں، تو ہم اللہ کی

توفیق سے عرض کرتے ہیں کہ:

انہیں غلطیوں میں سے وہ افعال ہیں جنھیں مؤذن حضرات دوران خطبہ انجام دیتے ہیں، یعنی ترضی وغیرہ، نیز سلطان کے ذکر پر باآواز بلند "آمین آمین، نصرہ اللہ و أدامہ" وغیرہ کہنا، یہ ایک قبیح بدعت اور حرام شئی ہے، اسی طرح خطیب کے سامنے جب وہ خطبہ اولی کے بعد بیٹھتا ہے "غفر اللّٰه لك ولوالديك ولنا ولوالدينا والحاضرين." کہنا، نیز خطیب کے نکلنے پر حدیث رسول "اذا قلت لصاحبک" اور قرآنی آیت ﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ.....﴾ باآواز بلند پڑھتے رہنا یہاں تک کہ وہ منبر تک پہنچ جائے[1]۔

ان میں سے ہر ایک ایسا منکر ہے جس پر انکار لازم ہے، اس لیے کہ یہ غیر مشروع ذکر ہے جسے اس وقت انجام دیا جاتا ہے جو نصیحت پذیر ہونے کی خاطر خاموشی اور قلبی تفکر و تدبر کا وقت ہے، لہٰذا اس پر تقدس موقع پر اس قسم کے اذکار کے ذریعہ آواز بلند کرکے حاضرین کے دلوں کو منتشر کرنا ایسا منکر ہے جس کی نکارت میں کسی فقیہ کو اختلاف نہیں ہو سکتا، اس لیے خطیب نیز ہر اس شخص پر جو اس کے ازالہ پر قادر ہو لازم ہے کہ دوسرے منکرات کی طرح اس سے بھی منع کرے۔

۶۱/۵- خطباء کی فعلی غلطیاں

خطبہ میں خطباء کی فعلی غلطیاں متعدد ہیں، ان میں سے بعض درج ذیل ہیں:

* منبر پر چڑھنے میں تاخیر کرنا۔
* اپنے قول "آمركم وأنهاكم" اور نبی اکرم ﷺ پر درود کے وقت دائیں

۱- ملاحظہ ہو: فتاویٰ ابن تیمیہ (۲۴/۲۱۷-۲۱۸)۔

بائیں متوجہ ہونا، اور منبر کی ایک اور سیڑھی پر چڑھنا پھر اس سے فراغت کے بعد اتر جانا، ان میں سے کسی کی بھی کوئی اصل نہیں ہے، بلکہ خطبہ کی حالت میں اول سے آخر تک لوگوں کی طرف متوجہ ہونا ہی سنت ہے۔

دعا کے وقت خطیب کا اپنے دونوں ہاتھ بلند کرنا

حصین بن عبد الرحمٰن تابعی رحمہ اللہ سے روایت ہے:

قَالَ: رَأَى عُمَارَةُ بْنُ رُوَيْبَةَ بِشْرَ بْنَ مَرْوَانَ وَهُوَ يَدْعُو فِي يَوْمِ جُمُعَةٍ، فَقَالَ: قَبَّحَ اللَّهُ هَاتَيْنِ الْيَدَيْنِ لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ مَا يَزِيدُ عَلَى هَذِهِ يَعْنِي، السَّبَّابَةَ الَّتِي تَلِي الإِبْهَامَ .

یعنی: عمارۃ بن رویبہ رضی اللہ عنہ نے بشر بن مروان کو جمعہ کے دن (حالت خطبہ میں ہاتھ اٹھا کر) دعا کرتے دیکھا تو فرمایا: "اللہ ان دونوں ہاتھوں کا برا کرے" میں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر دیکھا آپ اس سے (یعنی: شہادت کی انگلی کے ذریعہ اشارہ کرنے سے) جو انگوٹھے کے قریب ہوتی ہے) زیادہ کچھ نہیں کرتے تھے[1]۔

اس سے ثابت ہوا کہ خطبہ کی حالت میں ہاتھ نہ اٹھانا سنت ہے، یہی امام مالک اور امام شافعی کے اصحاب کا قول ہے۔

اس مقام پر نمازیوں کی ایک غلطی: ان کا امام کی دعا پر آمین کہتے ہوئے اپنے ہاتھ اٹھانا بھی ہے، ابن عابدین کا بیان ہے کہ اگر انھوں نے ایسا کیا تو صحیح مذہب کے مطابق گنہگار ہوں گے[2]، اسی طرح پہلے خطبہ کے اخیر میں امام کے قول "أدعو الله وأنتم

۱- صحیح مسلم: کتاب الجمعۃ: باب تخفیف الصلاۃ والخطبۃ (۸۷۴)، سنن ابوداود: تفریع ابواب الجمعۃ: باب رفع الیدین علی المنبر (۱۱۰۴)۔

۲- رد المختار علی الدر (۱/۵۵۰)

موقنون بالإجابة" پر دونوں خطبوں کے درمیان اس کی بیٹھک کے وقت ان کا اپنے ہاتھ بلند کرنا۔

اس باب سے متعلق مقتدیوں کا اس وقت شور و غل کرنا بھی ہے جب خطیب اپنے قول "اذکروا الله یذکرکم" وغیرہ کے ذریعہ خطبہ ختم کرتا ہے۔

۶۱/۶- نماز جمعہ میں خطباء کی غلطیاں

خاص طور پر نماز جمعہ میں صادر ہونے والی غلطیاں (نماز کی ان غلطیوں کے علاوہ جن کی طرف پہلے اشارہ ہو چکا ہے) چند امور پر مشتمل ہیں:

* صفوں کی درستگی سے قبل امام کا نماز شروع کر دینا۔
* امام کی آواز تمام مقتدیوں تک پہنچنے کے باوجود بلا ضرورت مکبر کا ہونا۔

طریقہ نبوی کے مخالف امور میں سے: غیر خطیب کا نماز جمعہ میں لوگوں کی امامت کرنا بھی ہے، یہ نماز کو باطل کرنے والا تو نہیں لیکن نبی اکرم ﷺ اور آپ کے اصحاب کی سنت کے خلاف ہے، علامہ شوکانی صاحب ازھار کے اس قول: غیر خطیب جمعہ کے لیے نماز جمعہ پڑھانا جائز ہے" پر تعقب کرتے ہوئے فرماتے ہیں: یہ عمل ثابت شدہ سنت کے خلاف ہے، کیوں کہ نبی اکرم ﷺ زندگی بھر خطبہ کے بعد خود امامت کرتے رہے، خلفاء راشدین اور ان کے بعد خلفاء کا اسی پر عمل رہا، خلفاء ہی پر بس نہیں، شہروں کے حکام کے یہاں بھی دائمی طور پر یہی رائج تھا[۲]۔

۶۱/۷- جمعہ کے بعد ظہر پڑھنا

نماز جمعہ کے بعد ظہر پڑھنا جائز نہیں، کیوں کہ دین اسلام سے یہ واضح طور پر

۲- السیل الجرار (۱/۳۰۱)۔

معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر بیک وقت دو فرض نمازیں فرض نہیں کی ہیں، لہذا جو شخص ایسی جگہ ہے جہاں جامع مسجد ہے اس پر واجب ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز جمعہ ادا کرے، الا یہ کہ اس کا یہ اعتقاد ہو کہ اس مقام پر بعض شرطوں کے فقدان کے باعث نماز جمعہ شرعاً باطل ہے، اس صورت میں اس کے لیے اس کا پڑھنا جائز نہیں، اس لیے کہ وہ اس طور پر ایک ایسی عبادت انجام دے رہا ہے جو اس کے اعتقاد کے مطابق (گرچہ وہ غلطی پر ہے) باطل و غیر مشروع ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے، لیکن اگر اللہ کی نافرمانی کرتے ہوئے اس کے بطلان کا اعتقاد ہونے کے باوجود اس نے اسے پڑھ لیا تو نماز ظہر اس کے ذمہ باقی رہے گی، بایں صورت اس پر ظہر پڑھنا لازم ہوگا، لیکن یہ بہر حال جائز نہیں کہ اس کے لیے دوسروں کے ساتھ جماعت قائم کرے، اس لیے کہ یہ اس کے اور اس کے ان مسلم بھائیوں کے درمیان تفریق ہے جو پہلے جمعہ قائم کر چکے ہیں۔

لیکن اگر اس نے نماز جمعہ اس کی صحت کا اعتقاد رکھتے ہوئے ادا کیا تو اس کے بعد ظہر پڑھنا اس کے لیے جائز نہیں، نہ انفرادی طور پر نہ جماعت کے ساتھ، اس لیے کہ وہ اپنے اس فعل کے ذریعہ اس امر کی مخالفت کرنے والا ہوگا جو دین میں پختہ طور سے ثابت ہے، جو بعض فقہاء کی رائے کے مطابق قطعی ہے۔

ہم تک یہ منقول نہیں کہ صحابہ کرام یا صاحب اجتہاد علمائے سلف میں سے کسی نے بھی جمعہ کے بعد ظہر پڑھی ہو، امام شافعیؒ بغداد پہنچے جب کہ اس میں چند مسجدیں تھیں، لیکن یہ منقول نہیں کہ جمعہ کے بعد ظہر پڑھی ہو، اور اگر ایسا کیا بھی ہوتا تو ان کا فعل قابل اتباع نہ ہوتا۔

جمعہ کے بعد ظہر پڑھنے والے اس گمان میں اسے آسان تصور نہ کریں کہ یہ خیر (نماز)

ہی میں تو زیادتی ہے، اس لیے کہ یہ اس حیثیت سے حد درجہ خطرناک ہے کہ اس نے ایسی عبادت مشروع قرار دی جس کی اللہ نے اجازت نہیں دے رکھی ہے، اور شارع صرف اللہ تعالیٰ ہے، لہٰذا جس نے شریعت میں کوئی نئی چیز ایجاد کی اس نے اپنے آپ کو اللہ کا اس کی الوہیت یا ربوبیت میں شریکِ قرار دیا، اور جس نے اس کی موافقت کی اس نے اس کو شریک تسلیم کیا، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿أَمْ لَهُمْ شُرَكَاء شَرَعُوا لَهُم مِّنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَن بِهِ اللَّهُ﴾[1]۔

(کیا ان کے ایسے شرکاء ہیں جنہوں نے ان کے لیے ایسا دین مقرر کر رکھا ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی ہے)

اہل کتاب کے تعلق سے قرآن کی صراحت کہ انھوں نے اپنے علماء و عُبّاد کو اللہ کے سوا رب بنا لیا تھا اس کا مفہوم نبی اکرم ﷺ نے بایں الفاظ واضح فرمایا:

«إِنَّهُمْ لَمْ يَكُونُوا يَعْبُدُونَهُمْ، وَلَكِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا أَحَلُّوا لَهُمْ شَيْئًا اسْتَحَلُّوهُ، وَإِذَا حَرَّمُوا عَلَيْهِمْ شَيْئًا حَرَّمُوهُ».

یعنی: ”وہ لوگ ان کی عبادت نہیں کرتے تھے، لیکن جب وہ ان کے لیے کوئی شئ حلال قرار دیتے تو وہ اسے حلال سمجھتے، اور جب وہ ان پر کوئی چیز حرام قرار دیتے تو وہ اسے حرام مانتے“[2]۔

علامہ محمد شمس الحق عظیم آبادی فرماتے ہیں: جب جمعہ ظہر کے قائم مقام ہے تو جمعہ کے بعد نماز ظہر کی ادئیگی جائز نہیں، صحابہ، تابعین، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین اور محدثین میں سے کسی سے منقول نہیں کہ اس نے جمعہ کے بعد ظہر پڑھی ہو، یا اس کا حکم

۱- سورۂ شوریٰ: (۲۱)

۲- جامع ترمذی (۴/۱۱۷) کتاب التفسیر: تفسیر سورۂ توبہ (۳۰۹۵)۔ مسند احمد، سنن کبریٰ وغیرہ۔

دیا ہو، لہٰذا جمعہ کے بعد اُسے احتیاطاً ادا کرنا دین میں ایجاد کردہ بدعت ہے، اس کا مرتکب گنہگار ہوگا، اس بدعت کو بعض متأخرین حنفیہ نے گڑھ لیا ہے جیسا کہ "البحر الرائق شرح کنز الدقائق" میں ہے[1]۔

٦٢- جمعہ کے بعد کی سنت میں نمازیوں کی غلطیاں

صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے:

أَرْسَلَ نَافِعُ بْنُ جُبَيْرٍ إِلَى السَّائِبِ ابْنِ أُخْتِ نَمِرٍ يَسْأَلُهُ عَنْ شَيْءٍ رَآهُ مِنْهُ مُعَاوِيَةُ فِي الصَّلاةِ، فَقَالَ: نَعَمْ، صَلَّيْتُ الْجُمُعَةَ فِي الْمَقْصُورَةِ، فَلَمَّا سَلَّمَ الإِمَامُ قُمْتُ فِي مَقَامِي، فَصَلَّيْتُ فَلَمَّا دَخَلَ أَرْسَلَ إِلَيَّ، فَقَالَ: لاَ تَعُدْ لِمَا فَعَلْتَ، إِذَا صَلَّيْتَ الْجُمُعَةَ فَلا تَصِلْهَا بِصَلاةٍ حَتَّى تَكَلَّمَ أَوْ تَخْرُجَ، فَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَنَا بِذَلِكَ أَنْ لا نُوصِلَ صَلاةً بِصَلاةٍ حَتَّى نَتَكَلَّمَ أَوْ نَخْرُجَ.

یعنی: نافع بن جبیر نے سائب ابن اخت نمر کی طرف بھیجا ان سے اس شئی کے بارے میں سوال کرنے کے لیے جسے ان کی طرف سے معاویہ رضی اللہ عنہ نے نماز میں دیکھا تھا، تو انھوں نے کہا: جی ہاں، میں نے مقصورہ میں نماز پڑھی، جب امام نے سلام پھیرا تو میں نے اپنی جگہ پر کھڑے ہو کر نماز پڑھ لی، جب وہ اندر گئے تو مجھے بلا بھیجا اور فرمایا: تم اس فعل کا اعادہ مت کرنا، جب تم جمعہ کی نماز پڑھ لو تو جب تک کوئی بات نہ کرلو یا نکل نہ جاؤ کوئی اور نماز نہ پڑھو، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اس بات کا حکم دیا ہے کہ ہم ایک نماز کے ساتھ دوسری نماز کو نہ ملائیں، یہاں تک کہ بات کرلیں

۱- التحقیقات العلی (۴٦)

یا نکل جائیں [۱]۔

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی اکرم ﷺ کی نفلی نماز کی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

كَانَ لا يُصَلِّي بَعْدَ الْجُمُعَةِ حَتَّى يَنْصَرِفَ فَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ فِي بَيْتِهِ.

یعنی: آپ جمعہ کے بعد کچھ نہیں پڑھتے یہاں تک کہ گھر لوٹ آتے، پھر گھر میں دو رکعت پڑھتے [۲]، ان دونوں حدیثوں سے درج ذیل امر ثابت ہوتا ہے:

۱/۶۲- فرض اور نفل کے درمیان تفریق وامتیاز کرنا اور ان دونوں میں سے کسی کو دوسرے کے بعد ادا نہ کرنا، یہاں تک کہ گفتگو اور انتقال مکانی دونوں کے درمیان فاصلہ ہو جائے، انتقال کی افضل صورت گھر منتقل ہو جانا ہے، کیوں کہ یہی نبی اکرم ﷺ کا طریقہ تھا، نیز گھروں میں نفلی نمازوں کی ترغیب متعدد احادیث میں وارد ہے مثلاً فرمان نبوی:

"إِذَا قَضَى أَحَدُكُمُ الصَّلاةَ فِي مَسْجِدِهِ فَلْيَجْعَلْ لِبَيْتِهِ نَصِيبًا مِنْ صَلاتِهِ، فَإِنَّ اللَّهَ جَاعِلٌ فِي بَيْتِهِ مِنْ صَلاتِهِ خَيْرًا".

یعنی: "جب تم میں سے کوئی مسجد میں نماز ادا کر لے تو اپنی نماز کا کچھ حصہ اپنے گھر کے لیے بھی رکھے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ اس کی نماز کی برکت سے اس کے گھر میں خیر مقدر کر دے گا" [۳] نیز آپ نے فرمایا:

۱- صحیح مسلم: کتاب الجمعۃ: باب الصلاۃ بعد الجمعۃ (۸۸۳)۔

۲- صحیح بخاری: کتاب الجمعۃ: باب الصلاۃ بعد الجمعۃ وقبلھا (۹۳۷) صحیح مسلم: کتاب الجمعۃ: باب الصلاۃ بعد الجمعۃ (۸۸۱)

۳- صحیح مسلم: کتاب صلاۃ المسافرین: باب استحباب صلاۃ النافلۃ فی بیتہ وجوازھا فی المسجد (۷۷۸)۔

”صَلَاةُ الْمَرْءِ فِي بَيْتِهِ أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهِ فِي مَسْجِدِي هَذَا إِلا الْمَكْتُوبَةَ“.

”آدمی کا اپنے گھر میں نماز پڑھنا میری اس مسجد میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے سوائے فرض نماز کے“[1]۔

۲ر ۶۲- اس مقام پر اس امر کی طرف اشارہ مناسب ہے کہ جمعہ کے بعد کی سنت کے تعلق سے جو اس تفصیل کے قائل ہیں کہ اگر مسجد میں ادا کرے تو چار رکعت اور گھر میں پڑھے تو دو رکعتیں اس پر کوئی دلیل نہیں، صحیح مذہب وہی ہے جس پر صحیحین کی درج ذیل مشہور حدیث دال ہے: «أَفْضَلَ صَلَاةُ الْمَرْءِ فِي بَيْتِهِ إِلا الْمَكْتُوبَةَ» ”گھر میں نماز ادا کرنا افضل ہے سوائے فرض نماز کے“[2]۔

لہذا اگر کوئی جمعہ کے بعد دو یا چار رکعتیں مسجد میں ادا کرتا ہے تو جائز ہے، اور اگر گھر میں ادا کرتا ہے تو یہ اس صحیح حدیث کی روشنی میں افضل ہے۔

***

۱- سنن ابوداود: کتاب الصلاۃ: باب صلاۃ الرجل التطوع فی بیتہ (۱۰۴۴) شرح السنۃ (۴/ ۱۳۰) باب فضل التطوع فی البیت ۔علامہ البانی نے حدیث کو صحیح قرار دیا ہے ”صحیح ابوداود“ (۱/ ۱۹۴)

۲- صحیح بخاری: کتاب الأذان: باب صلاۃ اللیل (۷۳۱)، صحیح مسلم: کتاب الصلاۃ: باب استحباب صلاۃ النافلۃ فی بیتہ (۷۸۱)

ساتویں فصل

مخصوص نمازوں نیز معذورین کی نمازوں میں نمازیوں کی غلطیاں اور دیگر متفرق اُمور کا بیان

* یہ فصل درج ذیل اموز پر مشتمل ہے۔
* نماز استخارہ میں نمازیوں کی غلطیاں۔
* عیدین کی نماز میں نمازیوں کی غلطیاں۔
* حضر (اقامت) میں جمع بین الصلاتین (دو نمازوں کو جمع کرنے) میں نمازیوں کی غلطیاں۔
* سفر کی نماز میں نمازیوں کی غلطیاں۔
* بعض لوگوں کا نماز خوف اور سجدہ شکر کی مشروعیت کا انکار کرنا، اور نماز کسوف (چاند و سورج گرہن) کو ترک کرنا۔
* چند مخصوص من گھڑت نمازوں نیز بعض زبان زد ضعیف و موضوع حدیثوں (جن کا ذکر اصل کتاب میں نہیں ہو سکا) پر تنبیہ۔

***

نماز استخارہ میں نمازیوں کی غلطیاں

۱/ ۶۳- بعض لوگوں کے یہاں یہ غلط فکر عام ہے کہ استخارہ اسی وقت معتبر ہوگا جب اس کے ذریعہ بعض لوگ دعا کریں، نیز اس میں خواب دیکھنا ضروری ہے، یہ دین میں غلو اور ایسا جمود ہے جس کا نہ اللہ نے حکم دیا، اور نہ ہی سنت رسول نے اس کی طرف رہنمائی کی ہے، بلکہ یہ اس تکلف کی پیداوار ہے جو مسلمانوں کے لیے مناسب نہیں، جس نے انھیں اس مقام تک پہنچایا کہ انھوں نے عظیم ترین سنت نبوی کو معطل کر کے اپنے آپ کو اس سنت کے ثواب و برکات اور اس کی عطیات کے طلب سے محروم کرلیا ہے۔

۲/ ۶۳- میرے مسلم بھائی! آپ استخارہ کے بعد اس چیز کو اختیار کریں جس پر آپ کا دل مطمئن ہو، اور اس سے پہلے کے دلی اطمینان پر اعتماد سے پرہیز کریں جس میں آپ کی خواہش نفس کا دخل تھا، بلکہ اسے کلی طور پر ترک کرنا ہی آپ کے لیے مناسب ہے، ورنہ آپ اللہ سے استخارہ کرنے والے نہیں ہوں گے، بلکہ (العیاذ باللہ) اپنی نفسانی خواہشات سے استخارہ کرنے والے ہوں گے۔

ساتھ ہی واضح رہے کہ بہت سے لوگ شرعی استخارہ جس کی ترغیب دلائی گئی ہے سے نابلد ہو چکے ہیں، انھوں نے اسے ترک کر کے اس کی بہت سی ایسی قسمیں رائج کر لی ہیں جو نہ کتاب و سنت میں وارد ہیں اور نہ سلف صالحین میں سے کسی سے منقول ہیں، اور وہ دین میں داخل کردہ ان بدعات سے اس طرح چمٹ گئے ہیں کہ اگر کسی ذی ہوش کو طریقہ رسول کے مطابق ان پر نکیر کرنے کی توفیق ہو تو اسے وہ تیز تیز زبانوں سے طعنے دیں گے، اور اسے دین کا باغی بلکہ اس کا دشمن غالی، متشدد اور تنگ نظر قرار دیں گے،

فلا حول ولا قوة إلا بالله.

* بدعی استخارے:

۳/۶۳- ان بدعی استخاروں کی ایک قسم وہ ہے جسے ہم نے پہلے ذکر کیا یعنی خواب کی شرط لگانا، مثلاً اس میں یہ شرط ہو کہ استخارہ کرنے والا خواب میں وہ شئی دیکھے جس کا اس نے ارادہ کیا، یا وہ سبزی، یا سفیدی دیکھے اگر اس کے ارادہ کئے ہوئے کام میں خیر ہو، اور زہر یا سیاہی دیکھے اگر اس کے ارادہ کئے ہوئے کام میں خیر نہ ہو۔

اس کی ایک قسم:

۴/۶۳- تسبیح والا استخارہ: اسے ضرور تمند خود انجام دیتا ہے یا اس کے لیے انجام دیا جاتا ہے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک شخص دانوں والی تسبیح لے، اور اس پر اپنی حاجت بڑبڑا دے، پھر اس کے بعض دانوں کو اپنے ہاتھوں کے درمیان روک کر اسے شمار کرلے، اگر وہ طاق ہیں تو مقصد سے اعراض کرلے، اور اگر جفت ہیں تو مقصد میں خیر تصور کرے، اور اسے کر گذرے۔

مجھے بتایا جائے کہ اس میں اور فضا میں چڑیا اڑانے کے جاہلی طریقے میں جسے شریعت نے طیرہ سے تعبیر کیا، اور اس سے منع فرمایا، کیا فرق ہے؟۔

اس کی ایک قسم:

۵/۶۳- استخارہ فنجان: ہے، عموماً اسے حاجت مند کے علاوہ کوئی اور انجام دیتا ہے، نیز اس کی انجام دہی مرد یا عورت کے ذریعہ ہوتی ہے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ حاجت مند پیش کردہ قہوہ نوش کر کے پیالی الٹ دیتا ہے، تھوڑی دیر بعد وہ اسے اپنے قاری کی طرف بڑھاتا ہے، تو وہ اس میں دیکھتا ہے بعد اس کے کہ قہوۃ کے باقیماندہ حصے نے اس میں ٹھیک اسی طرح مختلف نشانات اور نقشے پیدا کر دیے ہیں جیسے کہ برتن میں کوئی بھی

تہ میں جانے والی شئی برتن کو الٹنے کے بعد نشانات چھوڑتی ہے، اور اپنی فراست سے اپنا مقصد حاصل کر لیتا ہے، پھر وہ حاجت مند سے متعدد قصے اور حکایتیں اس طرح بیان کرتا جاتا ہے کہ اس کی مجلس چھوڑنے سے قبل اس کا دماغ اس افسانہ سے متاثر ہو چکا ہوتا ہے۔

۶/۶۳- استخارہ مندل: (عمل حاضرات کے ذریعہ استخارہ) اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایسے شخص کی ہتھیلی پر جس کی ہتھیلی میں مخصوص نشانات ہوں پانی سے بھری ہوئی چائے کی پیالی ہفتہ کے کسی متعین دن میں رکھی جائے، پھر عمل حاضرات کرنے والا (عراف وکاہن) غیر واضح کلام میں منتر پڑھنا اور آہستہ آہستہ بولنا شروع کرے، اور چور کو حاضر کرنے کی خاطر بعض جنوں کو پکارے۔

اس کی ایک قسم:

۷/۶۳- استخارہ رمل: اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک شخص بالو میں کٹی ہوئی لکیریں کھینچتا ہے، پھر انھیں حساب کے اس طریقہ پر جو ان کے یہاں معروف ہے شمار کرتا ہے، اخیر میں وہ اس شخص کا برج نکالتا ہے، پھر وہ اسے اس کتاب میں ظاہر کرتا ہے جو اسی مقصد کی خاطر حاضر کی گئی ہوتی ہے، اس کے بعد اس کی پچھلی اور اگلی زندگی کو بزعم خویش بیان کرتا ہے، اور جو بات اس کے سلسلے میں کہی گئی ہے وہی بعینہٖ اس شخص کے حق میں بھی کہی جاتی ہے جس کا برج وہی ہو جو اس کا ہے۔

اس کی ایک قسم:

۸/۶۳- استخارہ کف: (ہتھیلی کے ذریعہ استخارہ) یہ قسم سابقہ قسم سے الگ نہیں، اس میں ہتھیلی دیکھنے والا اپنی قوت فراست کو استعمال کرتے ہوئے اندرون ہتھیلی کے

نشانات کے اختلاف پر اپنے دعوی سے استعانت کرتے ہوئے اس شخص کے مستقبل کو بیان کرتا ہے۔

اس کی ایک قسم:

۹/ ۶۳- استخارہ مصحف: اس کی صورت یہ ہے کہ استخارہ کرنے والا بلا بصیرت وہدایت مصحف کھولتا ہے، جب اس کی نگاہ رحمت کی آیت پر پڑ جاتی ہے تو کام کر گزرتا ہے، ورنہ نہیں۔

اس کی ایک قسم:

۱۰/ ۶۳- بعض مشائخ اور صالحین کے پاس جا کر ان سے استخارہ کرانا۔

ان تمام قسموں کا تعلق بدعی امور سے ہے۔ ان میں ملوث شخص ناکامی ورسوائی کا سزاوار ہے، اس لیے کہ وہ اس ذات سے کٹ چکا ہے جس نے ہمیں پیدا کیا، صحیح سالم بنایا، اور ٹھیک اندازہ کیا پھر ہدایت دی۔

۱۱/ ۶۳- استخارہ میں لوگوں کی بعض دوسری غلطیاں

استخارہ کی مشروع صفت پر زیادتی کرنا، جیسے کوئی نماز اور ماثور دعاؤں پر اضافہ کرے یا اس کی مشروعیت کے لیے ایسی شرط کا اعتقاد رکھے جس پر کوئی دلیل موجود نہیں، مثلاً یہ کہے کہ استخارہ صرف انہی امور میں ہے جن میں شک اور تردد ہو، یا صرف مباح اشیاء میں ہے، یا نماز کے بعد دعا کرنے کے بجائے سجدے میں کرے، یا دونوں رکعتوں کو متعین قرأت کے ذریعہ مخصوص کر دے، اور اس کی سنیت واستحباب کا اعتقاد رکھے۔

نیز بہت سے لوگوں کی بدترین غلطی استخارہ کرنے کے بعد ان کا درج ذیل قول ہے:

"استخرنا وما انتفعنا" (ہم نے استخارہ کیا لیکن فائدہ نہیں ہوا) یا اس طرح کی دوسری عبارتیں جو حکم الٰہی کے نہ ماننے کی غماز ہیں، اللہ تعالیٰ ابن القیم پر رحم فرمائے، وہ اپنی کتاب "الفوائد" (ص: ۱۷۴) میں فرماتے ہیں:

"اور اسی طرح اولاد پر شفیق اور اس کی مصلحت سے باخبر باپ جب اس کے جسم سے فاسد خون نکالنے میں اس کی مصلحت تصور کرتا ہے تو اس کے چمڑے میں نشتر لگاتا ہے، اس کی رگیں کاٹتا اور اسے شدید تکلیف سے دوچار کرتا ہے، اگر وہ اس کی شفایابی اس کے کسی عضو کے کاٹنے میں تصور کرتا ہے، تو وہ اس کو اس سے الگ کر دیتا ہے، یہ سب اس کے ساتھ رحمت و شفقت کی بنیاد پر ہوتا ہے، اور اگر وہ عطیہ روک لینے میں اس کی مصلحت خیال کرتا ہے تو اسے عطیہ نہیں دیتا اور اس پر کشادگی نہیں کرتا، اس علم کے باعث کہ یہ اس کے فساد و ہلاکت کا سب سے بڑا سبب ہے، اسی طرح وہ اسے بہت سی خواہشات سے روک دیتا ہے، اس کے تحفظ اور مصلحت کی خاطر نہ کہ بخل سے کام لیتے ہوئے۔

تو سب حاکموں کا حاکم، سب سے زیادہ رحم کرنے والا، اور سب سے زیادہ علم رکھنے والا، جو اپنے بندوں پر خود ان سے اور ان کے ماں باپ سے زیادہ رحیم ہے جب انھیں کسی ایسے امر کا مکلّف کر دے جسے وہ ناپسند کرتے ہیں تو بلا شبہ یہ ان کے حق میں اس کا مکلّف نہ کیے جانے سے بہتر ہوگا، اور اس کا یہ عمل ان پر عنایت، احسان اور شفقت کے باعث ہوگا، اگر اپنے لیے مصالح کے انتخاب پر انھیں قدرت دی گئی ہوتی تو وہ علم، ارادہ اور عمل ہر اعتبار سے اس میں عاجز رہتے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے علم، حکمت اور رحمت کے بموجب ان کے معاملات کی تدبیر خود اپنے ذمہ لے رکھی ہے، خواہ انھیں

پسند ہو یا ناپسند، اس حقیقت کو اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات پر یقین رکھنے والوں نے سمجھا تو انہوں نے اس کو اس کے کسی فیصلے میں متہم نہیں کیا، اور یہ امر اس کے اسماء و صفات سے نابلد لوگوں پر مخفی رہا تو انھوں نے اس سے اس کی تدبیر میں جھگڑا کیا، اس کی حکمت پر ردو قدح کی، اور اس کے حکم کے تابع نہیں ہوئے، نیز اس کے فیصلے کا اپنی فاسد عقول، باطل آراء اور غلط سیاست سے معارضہ کیا، جس کا نتیجہ ہوا کہ نہ تو وہ اپنے رب کو پہچان سکے، اور نہ ہی اپنے مصالح حاصل کر سکے، اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔

جب بندہ اس معرفت سے بہرہ ور ہو جاتا ہے تو دنیا ہی میں اسے ایسی جنت حاصل ہو جاتی ہے جس کی نعمتوں کی مانند اخروی جنت کی نعمتوں کے سوا کوئی شئ نہیں، کیوں کہ وہ برابر اپنے رب سے راضی ہو گا، اور رضا دنیا کی جنت اور عارفین کی آرام گاہ ہے، اس لیے کہ ایسا شخص اپنے اوپر جاری ہونے والے اللہ کے فیصلے سے خوش ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کا اس کے لیے عین انتخاب اور اس کے دینی احکام میں طمانینت کا ذریعہ ہیں۔ یہی معنیٰ ہے اللہ سے بحیثیت رب، اسلام سے بحیثیت دین، اور محمد ﷺ سے بحیثیت رسول راضی ہونے کا، جسے یہ چیز حاصل نہ ہوئی اسے ایمان کی لذت حاصل نہیں ہو گی۔

۶۴- عیدین کی نماز میں نمازیوں کی غلطیاں

اسلام میں صرف دو عیدیں ہیں: عید الفطر اور عید الاضحیٰ، لیکن افسوس کہ مسلمانوں نے بہت سی بے بنیاد زمانی و مکانی عیدیں ایجاد کر رکھی ہیں، زمانی عیدوں کا ایک طویل سلسلہ ہے، عید میلاد النبی، شب معراج اور شب برأت اس کی اہم کڑیاں ہیں، وہ عید جو کسی صالح اور نیک آدمی کی پیدائش پر منائی جاتی ہے نیز وہ جو بعض بادشاہوں کی تاجپوشی پر منائی جاتی ہے، اسی طرح وہ عید جو بادشاہوں کے مخالفین کے

انقلاب اور بعض پر بعض کے غلبہ کی صورت میں منائی جاتی ہے جو در حقیقت عجمیوں کی عید مہر جاں سے ماخوذ ہے، سب بدعی زمانی عیدوں کی مختلف شکلیں ہیں، عید جلاء، عید آزادی، نیز خوشی و سرور کے موقع پر تمام غیر شرعی جشن و تقریبات بدعی عیدوں میں شامل ہیں۔

مکانی عیدوں سے مراد وہ باطل طریقہ ہے جسے احمق و رذیل لوگوں نے ایجاد کر رکھا ہے، یعنی قبروں کے پاس اکٹھا ہونا، اور وہاں مخصوص یا غیر مخصوص اوقات میں عادت کے مطابق پہنچنا بالخصوص وہ فعل جو مصر میں بدوی کی طرف منسوب قبر، کربلاء میں حسین رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب قبر، اور بغداد میں شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی قبر کے پاس انجام دیا جاتا ہے[۱]۔

۲/۶۴- دور حاضر میں مسلمانوں کی زندگی (بالخصوص عید) میں منکرات کی گرم بازاری ہے، مثلاً: عورتوں کا بے پردہ نکلنا، مردوں کا داڑھی مونڈ کر زینت حاصل کرنا، قبروں کی زیارت کو کسی دن کے ساتھ مخصوص کرنا، عورتوں اور مردوں کا میل جول، غیر محرم عورتوں پر داخل ہونا، بلا وجہ فضول خرچی کرنا۔

نماز عید میں نمازیوں کی غلطیوں میں سے:

۳/۶۴- بعض کا اس نماز کے بارے میں تساہلی برتنا، اس کے سنت ہونے کا اعتقاد رکھنا اور عید گاہ میں اسے ادا نہ کرنا بھی ہے۔

علامہ شوکانیؒ فرماتے ہیں: واضح رہے کہ نبی اکرم ﷺ نے عیدین (عید الفطر اور

۱- اسی طرح سے برصغیر پاک و ہند و بنگلہ دیش میں رائج مختلف بدعتیں، بدعی زیارت گاہیں، مشاہد و مقابر اور درگاہیں ہیں، سب کا حکم ایک ہی ہے، اور ہندوستان جیسے ملک میں مبلغین اسلام اور علمائے دین کی سب سے بڑی ذمہ داری یہی ہے کہ وہ عوام کو صحیح عقیدہ کی تلقین کریں، سنت و بدعت کے فرق کو سمجھائیں اور اصل دین کی دعوت دیں۔

الاضحیٰ) کی نمازیں ہمیشہ پڑھی ہیں، کسی بھی عید میں اسے ترک نہیں فرمایا ہے، اور لوگوں کو اس کے لیے نکلنے کا حکم دیا ہے، حتی کہ دوشیزہ، پردہ نشیں، اور حائضہ عورتوں کو بھی اس سے مستثنیٰ نہیں کیا، البتہ حائضہ عورتوں کو حکم دیا کہ وہ نماز سے الگ رہیں. لیکن مسلمانوں کی دعا اور دیگر اچھی باتوں میں حاضر رہیں گی، نیز بے چادر والی عورت کے تعلق سے حکم فرمایا کہ اس کی ساتھی (سہیلی) اسے اپنی چادر میں شامل کر لے، یہ تمام امور اس امر پر دال ہیں کہ یہ نماز ہر ہر فرد پر تاکیدی طور پر واجب ہے، واجب علی الکفایۃ نہیں [۱]۔

اس سے بہت سی مسلم خواتین کی اس نماز کو ترک کرنے کی غلطی اور بہت سے خطباء و ائمہ کی عیدگاہ میں اس کی ادائیگی میں سستی برتنے کی غلطی واضح ہو جاتی ہے، الحمد للہ! اب یہ سنت امت میں عام ہو رہی ہے۔

اس مقام پر درج ذیل غلطیوں پر تنبیہ مناسب ہے:

۴/۶۴- عیدگاہ جاتے ہوئے راستے میں بآواز بلند تکبیر (اللہ اکبر کہنا) ترک کرنا۔

۵/۶۴- بآواز بلند تکبیر کہنے میں یہ مشروع نہیں کہ سب اکٹھا ہو کر ایک ہی آواز میں آواز نکالیں جیسا کہ بعض کا عمل ہے، اسی طرح کوئی بھی ذکر خواہ اس میں آواز کا بلند کرنا ثابت ہو یا نہیں، مذکورہ طریقہ اس میں مشروع نہیں، یہی حالت جماعت کے ساتھ اذان کی ہے جو دمشق میں (اذان الجوق) جماعت کی اذان سے معروف ہے، عموماً یہ طریقہ کلمہ یا جملہ کے ایسی جگہ میں قطع کا باعث بنتا ہے جہاں وقف جائز نہیں، مثلاً صبح و مغرب کی فرض نماز کی تہلیل میں (لا الہ) پر جیسا کہ ہم نے بارہا سنا ہے۔

۱- السیل الجرار المتدفق علی حدائق الازھار (۱/۳۱۵)۔

نماز عید کی ادائیگی میں لوگوں کی غلطیاں

۶/۶۴- تکبیرات زوائد کے ساتھ لوگوں کا رفع الیدین کرنا (یعنی دونوں ہاتھوں کو اٹھانا)، حالانکہ نبی اکرم ﷺ سے یہ ثابت نہیں۔

۷/۶۴- اکثر مسلم علاقوں میں دیکھا جاتا ہے کہ نماز عید کے لیے عید گاہ میں حاضر ہونے والے امام کی طرف سے نماز شروع کئے جانے کے انتظار میں اپنی جگہوں پر بیٹھنے سے قبل دو رکعت نماز پڑھتے ہیں، حالانکہ یہ دونوں رکعتیں نبی اکرم ﷺ سے ثابت نہیں، بلکہ آپ سے ان کا ترک ہی ثابت ہے۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى يَوْمَ الْفِطْرِ رَكْعَتَيْنِ، لَمْ يُصَلِّ قَبْلَهَا وَلا بَعْدَهَا.

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے یوم الفطر کو دو رکعت نماز پڑھی، اور اس کے آگے پیچھے کچھ نہیں پڑھا[۱]۔

۸/۶۴- بہت سے خطباء اور واعظین عیدین کی راتوں میں شب بیداری کے ذریعہ تقرب الٰہی کے حصول پر لوگوں کو ابھارنے کے شیدائی ہوتے ہیں، حالانکہ ان کے اس قول پر کوئی صحیح دلیل موجود نہیں۔

خطباء کی غلطیاں

۹/۶۴- نماز عید کے خطبے میں خطباء کی غلطیوں میں سے:

ان کا تکبیر سے خطبہ کا آغاز کرنا، اور دوران خطبہ تکبیر کہنا، حافظ ابن القیمؒ فرماتے ہیں: "نبی اکرم ﷺ اپنے تمام خطبے اللہ تعالیٰ کی حمد سے شروع کرتے تھے، کسی ایک

۱- صحیح بخاری: کتاب العیدین: باب الخطبۃ بعد العید (۹۶۴) باب الصلاۃ قبل العید وبعدھا (۹۸۹)۔

حدیث میں بھی آپ سے ثابت نہیں کہ عیدین کے خطبے تکبیر سے شروع کرتے تھے"[1]۔

ان کی غلطیوں میں سے: عیدین کے لیے دو خطبے دینا بھی ہے، امام نووی فرماتے ہیں: "خطبہ مکرر کرنے کے سلسلے میں کچھ بھی ثابت نہیں"[2]۔

۶۵- حضر (اقامت) میں جمع بین الصلاتین (دو نمازوں کو ایک ساتھ ادا کرنے) میں نمازیوں کی غلطیاں

۱/۶۵- اس سلسلے کی بنیادی غلطی شیعوں کا فعل اور ان کا ثابت شدہ مذہب ہے کہ دو نمازوں یعنی: ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کو ملا کر پڑھنا مطلقاً جائز ہے، یعنی سفر ہو یا حضر، عذر کے تحت ہو یا بلا عذر، جمع تقدیم ہو یا تاخیر، ان کے اس مذہب پر ان کے حامیوں نے ان کی متابعت ہر دور اور ہر شہر میں کی ہے، اسی بنیاد پر انھیں عموماً ظہر وعصر اور مغرب وعشاء سفر و حضر میں نیز عذر کے تحت اور بغیر عذر کے ایک ساتھ پڑھتے ہوئے دیکھا جاتا ہے۔

یہ عمل شریعت کے قواعد عامہ سے ثابت شدہ معروف امر کے مخالف ہے، یعنی ہر نماز اپنے وقت پر ادا کی جائے الا یہ کہ عذر و حاجت ہو، اس صورت میں ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کو ایک ساتھ ادا کرنا سنت ہے، بر خلاف ان لوگوں کے جنھوں نے اسے ممنوع قرار دیا ہے، یا اس کی مشروعیت کو مغرب وعشاء میں محصور کر دیا ہے۔

اس سے بہت سے عوام کی بوقت ضرورت جمع بین الصلاتین (دو نمازوں کو ایک ساتھ ادا کرنا) ترک کرنے کی غلطی واضح ہو جاتی ہے، ان میں بہت سے ایسے ہیں جن

۱- زاد المعاد (۱/۴۳۱)

۲- ملاحظہ ہو: فقہ السنۃ (۱/۳۲۲) تمام المنۃ: (ص ۳۴۸)

کی نماز کلی طور پر فوت ہو جاتی ہے اور اس کی ادائیگی سے اس طرح غافل ہوتے کہ اسے دوسرے دن میں اسی وقت تک مؤخر کر دیتے ہیں، ان لوگوں نے رخصتوں سے اعراض کیا، اور اپنے آپ کو مشقت میں ڈالا تو معصیت میں واقع ہو گئے "العیاذ باللہ"۔

۶۵/۲- ان لوگوں کی غلطی جو اس مسبوق کو جسے نماز شروع کرتے وقت یہ علم نہیں کہ امام جمع کرے گا یا نہیں اس بنیاد پر جمع سے روکتے ہیں کہ اس نے پہلی نماز کی تکبیر تحریمہ کے وقت یا اس سے نکلنے سے پہلے جمع کی نیت نہیں کی۔

اسی طرح ان لوگوں کی غلطی جو مسجد کے دروازے یا کسی مقام پر تختی پر "سیجمع الإمام" عنقریب امام جمع کرے گا" یا اس طرح کی عبارت لکھتے ہیں جیسا کہ میں نے بعض مساجد میں دیکھا، اسی طرح یہ شرط لگانا بھی ایک غلطی ہے کہ امام جمع بین الصلوٰتین کی نیت کر لینے کے بعد مقتدیوں کو اپنے الفاظ میں اس کی خبر دے۔

مذکورہ تمام صورتیں جمع بین الصلاتین کی اس رخصت کے منافی ہیں جس میں مخلوق پر خالق کی رحمت نمایاں ہے کہ اس نے اس سلسلے میں ان پر آسانی فرمائی، لیکن بعض لوگ حرج، تنگی اور مشقت میں ڈالنے پر مصر ہیں۔

حضر میں جمع بین الصلاتین کی مشروعیت کو بارش کے ساتھ مخصوص کرنا

۶۵/۳- ٹھنڈی راتوں میں امام جب جمع بین الصلاتین کا ارادہ کرتا ہے تو بہت سے نمازیوں کی طرف سے یہ عبارت سنی جاتی ہے جسے وہ ان حالات کے درمیان جن میں جمع بین الصلاتین مشروع ہے اور ان کے درمیان جن میں ممنوع ہے فیصل تصور کرتے ہیں، یعنی: "إذا كانت السماء منهلة والأرض مبتلة جاز

الجمع، وإلا فلا" اس عبارت میں جمع بین الصلاتین کی مشروعیت کو بارش کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے، اس کے قائلین کا اعتقاد امام مالک کی اس روایت پر ہے جسے انہوں نے ابوزبیر مکی سے انہوں نے سعید بن جبیر سے اور انہوں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ظہر و عصر کو ایک ساتھ اور مغرب و عشاء کو ایک ساتھ بغیر خوف و سفر کے ادا کی۔

امام مالک فرماتے ہیں کہ "میرا خیال ہے کہ یہ بارش کے موقع پر تھا"[1] لیکن واضح رہے کہ اس سلسلے میں راجح وہ روایت ہے جس میں "فی غیر خوف ولا مطر" (یعنی یہ جمع بین الصلاتین خوف اور بارش کے بغیر تھا) کا ذکر ہے۔

اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں "مدینہ" کی صراحت ہے، کیوں کہ اس لفظ کا معنی "فی غیر سفر" ہی ہے، پس اس عبارت کا دوبارہ ذکر بے سود ہے، بلکہ اس میں تحصیل حاصل ہے، اس کے برخلاف "فی غیر مطر" میں اس معنی پر تنبیہ ہے جس کا حصول اس کے بغیر نہیں ہو سکتا، فتأمل۔

اس سے ان لوگوں کی غلطی بھی نمایاں ہو جاتی ہے جو امام کے تکبیر تحریمہ کہنے سے پہلے مسجد کی کھڑکیاں کھولنے پر اصرار کرتے ہیں، تاکہ معلوم کریں کہ بارش ہو رہی ہے یا نہیں۔

۶۵/۴- جس کا گھر مسجد سے قریب ہو اسے حضر میں جمع بین الصلاتین سے روکنا۔

۶۵/۵- بعض نمازی جمع بین الصلاتین کرنے کے بعد مسجد میں ٹھہرے رہتے ہیں یہاں تک کہ دوسری نماز کا وقت ہو جاتا ہے، اس کے لیے اذان کہی جاتی ہے، وہ نمازی اکٹھا ہوتے ہیں جنہوں نے مقرر امام کے ساتھ جمع نہیں کیا ہے، وہ جماعت سے

۱- موطا امام مالک (۵۰-۵۱) باب الجمع بین الصلاتین فی الحضر والسفر۔

نماز پڑھتے ہیں، اور یہ لوگ بیٹھ کر بات چیت میں مشغول ہوتے، ان کے ساتھ باجماعت نماز میں شریک نہیں ہوتے، اگر ان سے آپ سوال کریں کہ تم نماز کیوں نہیں پڑھتے؟ تو جواب دیں گے کہ "ہم نے امام کے ساتھ جمع کر لیا ہے" اس قسم کے نمازی تین غلطیوں کے مرتکب ہوتے ہیں:

اول: نمازیوں کی نماز میں خلل ڈالنا۔

دوم: جمع بین الصلاتین کر لینے کے بعد مسجد سے نہ نکلنا۔

سوم: ان کا جماعت سے نماز ترک کر دینا۔

۶۵/۶- بعض مذکورہ غلطیوں کے ساتھ ایک اور غلطی کے مرتکب ہوتے ہیں: جب وہ دوسری نماز کے لیے اذان سننے کے بعد مسجد سے نکل جاتے ہیں، اس غلطی کی طرف ہم نے پچھلے مبحث میں اشارہ کیا ہے، اس سلسلے میں جس امر پر تنبیہ مناسب ہے وہ ہے بہت سے ائمہ کی جمع بین الصلاتین کی حالت میں اپنا نائب مقرر کرنے کے سلسلے میں خامی۔

۶۵/۷- جمع بین الصلاتین صرف اس جماعت میں مشروع ہے جو امام راتب یا اس کے نائب کے ساتھ مسجد میں قائم کی جائے، امام ابن القیم نے تو جمع بین الصلاتین کی مشروعیت سے باجماعت نماز کی فرضیت کو مستنبط کیا ہے۔

اس سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہو جاتی ہے، جو اپنے گھر یا اس طرح کی کسی دوسری جگہ جمع بین الصلاتین کرتے ہیں خواہ ان کی یہ نماز باجماعت ہی کیوں نہ ہو، اسی طرح مقرر امام کے جمع کے بعد جمع کی غلطی بھی واضح ہو جاتی ہے۔

۶۶- سفر کی نماز میں نمازیوں کی غلطیاں

سفر میں نمازیوں سے اپنی نمازوں میں متعدد غلطیاں صادر ہوتی ہیں، ان کا تعلق

ان کے لیے مشروع جمع بین الصلاتین اور قصر کے ترک اور ان کے لیے ایسے شروط وضع کرنے سے ہے جن پر نہ دلیل ہے نا دلیل نام کی کوئی چیز، اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

* سفر میں قصر اور جمع بین الصلاتین ترک کرنا:

بعض لوگ سفر میں پانچ نمازیں پانچ اوقات میں بغیر قصر کے ادا کرتے ہیں، ایسے لوگ اپنے اس فعل میں سنت نبوی ترک کرتے ہیں، کیوں کہ آپ ﷺ سے قصر اور جمع بین الصلاتین ثابت ہے، اور علماء کے صحیح قول کے مطابق قصر واجب ہے اور اس کا تارک گنہگار ہے[1]۔

۲/۶۶- بعض لوگ قصر اور جمع بین الصلاتین کی مشروعیت کی خاطر سفر کے لیے متعین مسافت کی شرط لگاتے ہیں، علماء کا اس سلسلے میں سخت اختلاف ہے، جو تقریباً بیس اقوال پر مشتمل ہے، اور محقق علماء کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ عرف میں جسے سفر کہا جاتا ہے وہی وہ سفر ہے جس سے شارع علیہ السلام نے حکم کو معلق کیا ہے، یہی موقف

---

[1] یہ مسئلہ عہد صحابہ ہی سے مختلف فیہ آرہا ہے، صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین کی ایک جماعت نے وہی مذہب اختیار کیا ہے جسے مؤلف نے ذکر کیا ہے، ان کا استدلال بنیادی طور پر عائشہ رضی اللہ عنہا کی متفق علیہ روایت "فرضت الصلاة ركعتين ركعتين في الحضر والسفر فاقرت صلاة السفر وزيد في صلاة الحضر" اور سنن بیہقی و نسائی میں مروی عمر رضی اللہ عنہ کی روایت "صلاة السفر ركعتان تمام من غير قصر" سے ہے، نیز نبی اکرم ﷺ نے قصر پر دوام برتا ہے، کبھی بھی آپ سے اتمام بسند صحیح ثابت نہیں، اس سے بھی اس وجوب کی تائید ہوتی ہے جس پر مذکورہ دونوں حدیثیں دال ہیں۔

لیکن واضح رہے کہ خود ان دونوں کے قول و فعل سے ثابت ہوتا ہے کہ حدیث کا ظاہری معنی ان کے یہاں مراد نہیں تھا، چنانچہ عائشہؓ کے تعلق سے صحیح بخاری وغیرہ میں ثابت ہے کہ وہ سفر میں اتمام کرتی تھیں، ان سے اس کی بابت سوال کیا گیا تو فرمایا: " أنه لا يشق علي " اس کا مطلب یہ ہے کہ انھوں نے قصر کو رخصت تصور کیا، واجب نہیں، نیز عمر رضی اللہ عنہ کے تعلق سے صحیح مسلم وغیرہ میں مروی ہے کہ جب یعلی بن امیہ نے ان سے کہا کہ خوف دور ہو جانے کے بعد بھی قصر پر لوگوں کا کیوں کر عمل ہے جب کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "ان تقصروا من الصلاة ان خفتم ان يفتنكم الذين كفروا " تو آپ نے فرمایا: "عجبت مما عجبت منه " اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اتمام اصل ہے، کیوں کہ مسافر پر اگر دو ہی رکعتیں اصلاً فرض ہوتیں تو پھر عمرؓ عدم خوف کی صورت میں قصر پر تعجب نہ =

اسلام کے پیش کردہ سہولت سے مناسبت رکھتا ہے، کیوں کہ لوگوں کو ایسے سفر میں قصر کا مکلّف کرنا جس کی تحدید ایک دن یا تین دنوں کی مسافت سے ہو یا دوسری کوئی تحدید ہو اس بات کو مستلزم ہے کہ وہ ان راستوں کی مسافت معلوم کرنے کے بھی مکلّف ہیں، اور یہ ایسی چیز ہے جس کی طاقت اکثر لوگ نہیں رکھتے بالخصوص اس صورت میں جب کہ راستہ نیا ہو۔

۶۶/۳- یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ قصر کی ابتداء شہر سے نکلنے کے بعد ہو گی، جیسا کہ جمہور اہل علم کا مذہب ہے، اس سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہو جاتی ہے جو سفر!

= کرتے، نیز ان کا ظاہری مفہوم قرآن کے ظاہری معنی سے متعارض ہے، کیوں کہ اس کا ظاہری معنی یہی ہے کہ اصلاً ان کی تعداد کچھ اور تھی، سفر کے باعث ان میں کمی کی گئی ہے۔ علاوہ ازیں حدیث عائشہؓ کا عموم مغرب کے ذریعہ علی الاطلاق اور صبح کے ذریعہ اس میں عدم زیادتی کے باعث مخصوص ہے، اور عام مخصوص منہ البعض کی دلالت کمزور ہوتی ہے۔ انھیں وجوہات کے پیش نظر محقق علماء نے انھیں ظاہری معنی پر محمول نہیں کیا ہے، بلکہ ان کی تاویل کی ہے۔ سب سے مناسب تاویل وہ ہے جسے امام نوویؒ نے اختیار کیا ہے، وہ عائشہؓ کی حدیث کے تعلق سے فرماتے ہیں: "ان معناہ: فرضت رکعتین لمن اراد الاقتصار علیھا، فزید فی صلاۃ الحضر رکعتین-- علی سبیل التحتیم واقرت صلاۃ السفر علی جواز الاقتصار" شرح مسلم للنووی (۵/۱۹۵)، اور حدیث عمرؓ کے تعلق سے فرماتے ہیں: "فیکون المعنی: صلاۃ السفر رکعتان لمن اراد الاقتصار علیھما بخلاف الحضر، وقولہ: "تمام غیر قصر" معناہ: تامۃ الاجر" المجموع (۴/۲۲۲-۲۲۳)، اس تاویل کے بعد وجوب پر ان کی دلالت باقی نہیں رہ جاتی، اور ان کے علاوہ کوئی دوسری دلیل موجود نہیں، اس لیے کہ ابن عباسؓ کی حدیث کے تعلق سے عین ممکن ہے کہ انھوں نے عائشہؓ سے لیا ہو "معالم السنن" (۱/۴۷)۔ رہا نبی اکرم ﷺ کا فعل تو راجح موقف کے مطابق وہ وجوب پر دال نہیں ہوتا، لہٰذا اقوی موقف وہی ہے جسے جمہور سلف و خلف نے اختیار کیا ہے، یعنی قصر واجب نہیں۔ ان لوگوں نے اپنے اس موقف پر متعدد دلائل پیش کئے ہیں جن کی تفصیل مطولات میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے، ان میں سے ایک واضح ترین دلیل یہ ہے کہ اگر مسافر مقیم لوگوں کی جماعت میں شامل ہو اور ایک رکعت پالے تو جمہور فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ اس پر چار رکعتیں لازم ہو جائیں گی، یہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ قصر رخصت ہے، کیوں کہ اگر دو ہی فرض ہوتیں تو چار کسی حال میں اس پر لازم نہیں ہوتیں، "المغنی" (۲/۱۴۳-۱۴۴) حاصل یہ کہ یہ دونوں ہی جائز ہیں، البتہ قصر افضل ہے، اور چونکہ نبی اکرم ﷺ نے اس پر مداومت برتی ہے اس لیے ایک متبع سنت کا شیوہ یہی ہے کہ آپ کی اقتداء کرتے ہوئے اس پر مداومت برتے، اور اس کے عدم وجوب کے باوجود اس سے عدول نہ کرے، واللہ اعلم بالصواب۔

شروع کرنے سے پہلے ہی قصر شروع کر دیتے ہیں۔

۴/۶۶۔ اس سلسلے میں یہ امر قابل ذکر ہے کہ مسافر جب کسی مقام پر ٹھہرا ہوا ہے، تو جماعت اس کے حق میں واجب ہے، اور جمع بین الصلاتین محض ضرورت و حاجت کی صورت میں کرے گا، واللہ أعلم۔

اس سے بہت سے مسافروں کی باجماعت نماز میں کوتاہی کی غلطی بھی نمایاں ہو جاتی ہے۔

۶۷۔ بعض کا خوف اور چاشت کی نماز اور سجدہ شکر کی مشروعیت کا انکار کرنا اور نماز کسوف (سورج چاند گرہن) ترک کرنا

۱/۶۷۔ بعض فقہاء کا مذہب ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد صلوٰۃ خوف مشروع نہیں، یہ موقف غلط ہے، کیوں کہ صلوٰۃ خوف کی مشروعیت پر متعدد دلائل موجود ہیں، بعض نے تو اس پر اجماع نقل کیا ہے، لہٰذا اس کی مشروعیت کے انکار کی قطعاً کوئی صورت نہیں۔

اسی طرح چاشت کی نماز کے مشروع و مسنون ہونے پر بھی متعدد دلائل موجود ہیں، بلکہ اس سلسلے میں وارد احادیث متواتر ہیں جیسا کہ علامہ عراقی وغیرہ نے صراحت کی ہے، اس سے مراد وہ نماز ہے جو سورج کے اپنے حسن و چمک کے ساتھ پورے طور پر طلوع ہونے کے بعد ادا کی جاتی ہے، کیوں کہ بعض ان روایات میں جو نماز فجر کے بعد مصلی پر بیٹھنے پھر دو رکعت ادا کرنے کی فضیلت ثابت کرتی ہیں، وارد ہے کہ یہ دونوں

"سبحة الضحى"، "چاشت کی نماز" ہیں، لہذا یہ نماز وہی ہے جس پر بعض لوگ "صلوٰۃ شروق" (اشراق کی نماز) کا اطلاق کرتے ہیں، اسی کو علامہ آلوسی نے اپنی تفسیر سورۃ "ص" (۲۳/۱۷۶) میں راجح قرار دیا ہے، اس کے برخلاف ابن حجر ہیتمی نے ان دونوں کے درمیان تفریق کی ہے۔

۶۷/۲- بعض لوگ سجدۂ شکر کی عدم مشروعیت کے قائل ہیں، حالانکہ یہ علی رضی اللہ عنہ سے جب انہوں نے خوارج میں پستان والے کو پالیا تھا[1] اور کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے جب انھیں اپنے توبہ کی قبولیت کی بشارت ملی تھی، (ان کا واقعہ صحیحین میں موجود ہے)[2] نیز ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جب انھیں مسیلمہ کذاب کے قتل کی خبر ملی تھی، ثابت ہے[3]۔

۶۷/۳- بہت سے لوگ صلوٰۃ کسوف (سورج و چاند گرہن) ترک کرتے ہیں، یہ نماز دو رکعت ہے ان دونوں رکعتوں میں تطویل اور مسجد میں ان کی ادائیگی مستحب ہے ہر رکعت میں دو رکوع ہیں، اس کی ادائیگی باجماعت ہوگی، اور امام اس میں بالجہر قرأت کرے گا، اس کا اعلان بایں الفاظ "الصلوٰۃ جامعۃ" ہوگا، اس کے لیے اذان واقامت نہیں کہی جائے گی، اس کا وقت سورج یا چاند گرہن کی ابتداء سے اس کے اختتام تک ہے، اس وقت تکبیر، دعاء، صدقہ، استغفار اور اس کے بعد وعظ ونصیحت اور خطبہ مستحب ہے،

۱- مسند احمد: رقم (۸۴۴) و (۱۲۵۴)

۲- ان کا واقعہ صحیح بخاری (۴۴۱۸) اور صحیح مسلم (۲۷۶۹) میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے، البتہ توبہ کی قبولیت کی بشارت ملنے پر سجدہ کرنے کا ذکر صرف سنن ابن ماجہ (۱۳۹۳) میں ہے۔

۳- شرح السنۃ (۳/۳۱۶) سجود الشکر عند حدوث نعمہ طالما کان ینتظرھا الخ، سنن کبریٰ (۲/۵۱۹) کتاب الصلاۃ: باب سجود الشکر (۳۹۴۰)۔

واضح رہے کہ یہ سجدہ نبی اکرمؐ سے بھی ثابت ہے، جیسا کہ مسند احمد (۵/۴۵) ترمذی (۱۵۷۸) ابوداود (۲۷۷۴) ابن ماجہ (۱۳۹۴) میں حضرت ابو بکرہؓ سے مروی ہے، علامہ البانیؒ نے حدیث کو حسن قرار دیا ہے، لہذا اس کا ذکر مناسب تھا۔

اس میں عورتوں کا حاضر ہونا بھی مستحب ہے۔

۴/۷/۶-اس کے تعلق سے لوگوں کی ایک غلطی یہ ہے کہ بعض نمازی بسا اوقات امام کے ساتھ رکوع اول نہیں پاتے بلکہ اس کے بعد امام کی قرأت کے دوران نماز میں داخل ہوتے، وہ امام کے ساتھ سلام پھیر دیتے ہیں، یہ عمل غلط ہے، کیوں کہ اس نماز کی مخصوص کیفیت ہے جس کی شریعت نے تحدید کی ہے، لہٰذا اس پر لازم ہے کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد دو رکوع پر مشتمل ایک رکعت ادا کرے، اس سلسلے میں بہت سے لوگوں کی ایک غلطی سورج یا چاند گرہن کے موقع پر ان کی لاپروائی اور ان کا یہ قول کہ یہ عام امر ہے اس کے لیے گھبراہٹ کی کوئی ضرورت نہیں، یا اس کے مانند کوئی قول ہے، بلکہ بندے پر لازم ہے کہ وہ نصیحت پکڑے اور غور کرے، کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے اس کے متعلق فرمایا: "یخوف اللہ بھما عبادہ" (اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے)، ان کے اس غلطی میں پڑنے کا سبب گرہن سے پہلے اس کا اعلان ہے جو اس کی ہیبت، اور دلوں میں اس کی عمدہ تاثیر کو ختم کر دیتا ہے، اس کے علاوہ بعض ائمہ گرہن سے پہلے اس اعلان کے سبب نماز بھی شروع کر دیتے ہیں، لہٰذا اس اعلان اور نشر و اشاعت سے اجتناب مناسب ہے۔

***

۶۸- چند مخصوص من گھڑت نمازوں پر تنبیہ

۱/۶۸- ہفتے کی کوئی بھی مخصوص نماز صحیح نہیں۔

* جمعہ کی رات بارہ رکعتیں دس بار سورہ اخلاص کے ذریعہ باطل و بے بنیاد ہیں۔
* اسی طرح دس رکعتیں ایک بار اخلاص اور معوذتین کے ذریعہ بھی باطل ہیں۔
* نیز دو رکعتیں پندرہ مرتبہ اور ایک روایت کے مطابق پچاس مرتبہ ﴿إِذَا زُلْزِلَتِ...﴾ کے ذریعہ، یہ سب کی سب منکر و باطل ہیں
* جمعہ کے دن دو، چار، آٹھ، اور بارہ رکعتیں بے اصل ہیں۔
* نیز جمعہ سے قبل چار رکعتیں پچاس مرتبہ سورہ اخلاص کے ذریعہ بے بنیاد ہیں۔
* اسی طرح صلوٰۃ عاشوراء اور صلوٰۃ الرغائب بالاتفاق من گھڑت ہیں۔
* رجب کی راتوں نیز اس کی ستائیسویں رات اور شعبان کی پندرہویں رات کی سو رکعتیں، ہر رکعت میں دس مرتبہ سورۂ اخلاص کے ذریعہ، مذکورہ نمازوں کی قبیل سے ہیں۔
* عیدین کی راتوں میں شب بیداری۔
* حفظ قرآن کی مخصوص نماز۔
* مروہ کی خالی جگہ پر سعی کے بعد دو رکعتیں پڑھنا۔
* تراویح کی آخری رکعت میں دعاء کی تمام آیات کا استقصاء کرنا۔
* ختم قرآن کی رات تراویح میں سجدہ کی تمام آیات پڑھنا۔
* نیز اس رات اکٹھا ہونا اور منبروں کی تنصیب کرنا۔
* رمضان کے اختتام پر الوداعی گیت پڑھنا۔

* اسی طرح مغرب و عشاء کے درمیان متعین رکعتیں جو صلوٰۃ الاوابین سے موسوم ہیں پڑھنا، یہ سب باطل اور خود ساختہ امور ہیں۔

کچھ زبان زد ضعیف وموضوع احادیث پر تنبیہ

اب میں یہ مختصر رسالہ کچھ ایسی ضعیف وموضوع احادیث کے بیان کے ساتھ ختم کر رہا ہوں، جو اس وقت لوگوں کے درمیان عام ہیں، یا خطباء و مدرسین کے یہاں متداول ہیں، اور ان کا ذکر اصل کتاب میں نہیں ہو سکا ہے باوجودیکہ اس کے اخیر میں نماز سے متعلق ۵۴ حدیثوں کے ضعف پر تنبیہ کی گئی ہے، وہ احادیث درج ذیل ہیں:

۱-"لا یشوش قارئكم علی مصلیكم" (تم میں سے قرأت کرنے والے نمازیوں پر خلل نہ ڈالیں)۔

علامہ عجلونی "کشف الخفاء" (۲/۵۰۹، رقم: ۳۱۹۴) میں فرماتے ہیں: نجم نے کہا کہ: "یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ غیر معروف ہے"۔

۲-"من صلی خلف عالم تقي فكأنما صلی خلف النبي ﷺ" (جس نے کسی پرہیزگار اور متقی عالم کے پیچھے نماز پڑھی، گویا کہ اس نے نبی ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی)۔

علامہ سخاوی "المقاصد الحسنہ" (۳۰۴) میں رقمطراز ہیں: ان الفاظ میں یہ حدیث مجھے نہیں ملی، ملا علی قاری حنفی "المصنوع" (۱۵۲) میں فرماتے ہیں: یہ حدیث بے اصل ہے۔

۳-"من صلی صلاة في جماعة، فقد ملأ نحره عبادة" (جس نے کوئی نماز جماعت سے ادا کی اس نے اپنا سینہ عبادت سے لبریز کر لیا)۔

علامہ عراقی "تخریج إحیاء علوم الدین للغزالي" (۱/۱۴۸) میں فرماتے ہیں: میں نے

اس حدیث کو مرفوعاً نہیں پایا، بلکہ یہ سعید بن میتب کا قول ہے جسے محمد بن نصر مروزی نے ''کتاب الصلاۃ'' میں روایت کیا ہے۔ واضح رہے کہ یہ ان کے یہاں ۳۴۹ نمبر کی حدیث ہے، نیز ابونعیم نے ''حلیۃ الأولیاء'' (۱۶۲/۲) اور حکیم ترمذی نے ''اسرار الصلاۃ'' (۴۵) میں اسی مفہوم کی حدیث بسند حسن روایت کی ہے۔

۴- نبی اکرم ﷺ قریب قریب قدم رکھتے ہوئے نماز کی طرف چلے، پھر آپ نے اپنے ساتھی سے فرمایا: ''تم جانتے ہو کہ میں تمہارے ساتھ اس چال میں کیوں چل رہا ہوں؟'' انہوں (زید بن ثابت رضی اللہ عنہ) نے کہا: اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس لیے کہ نماز کی طرف چلتے ہوئے تمھارے قدموں کی تعداد زیادہ ہو جائے''۔

یہ حدیث ضعیف ہے، بلکہ صحیح یہ ہے کہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے جیسا کہ ابوحاتم رازی نے صراحت کی ہے، (العلل لابن ابی حاتم) ''(۱۹۱/۱))۔

٦٩- خاتمہ

"القول المبین فی أخطاء المصلین" کی تہذیب واختصار کا کام اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ختم ہوا اب اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ اس کے ذریعہ لوگوں کو فائدہ پہنچائے اور اسے مقبول خاص وعام بنائے، آمین۔

وآخردعوانا أن الحمد للّٰه رب العالمین

مراجع تخریج و تعلیق

١ القرآن الكريم.

٢ الأباطيل والمناكير والصحاح والمشاهير، حافظ ابو عبد الله الحسين بن ابراهيم الجورقاني، تحقيق و تعليق: ڈاکٹر عبدالرحمٰن بن عبدالجبار الفريوائی، ادارة البحوث الاسلامية والدعوة والافتاء بالجامعة السلفية، بنارس، طبع اول۔

٣ إتحاف الكرام شرح بلوغ المرام، صفی الرحمٰن مبارکپوری، ادارة البحوث الاسلامية والدعوة والافتاء بالجامعة السلفية، بنارس الهند، طبع اول۔

۴ إحياء علوم الدين، ابو حامد محمد بن محمد الغزالی، دار القلم، بیروت - لبنان، طبع دوم۔

۵ إرواء الغليل في تخريج احاديث منار السبيل، محمد ناصر الدين الالبانی، المكتب الاسلامی، طبع اول۔

٦ أسد الغابة في معرفة الصحابة، عزالدين بن الأثير أبوالحسن علی بن محمد الجزری، مكتبه ابن تيميه۔

۷ الإصابة في تمييز الصحابة، حافظ شهاب الدين أبوالفضل أحمد بن علی بن محمد المعروف بابن حجر العسقلانی، طبعة هنديه، ۸۵۳ھ

٨ أضواء البيان في إيضاح القرآن بالقرآن، محمد أمين بن محمد مختار الشنقيطی، مكتبه ابن تيميه، قاہره ۱۴۰۸ھ - ۱۹۸۸ء

٩ الإقناع لطالب الانتفاع، شرف الدين موسى بن أحمد بن موسى بن سالم أبوالنجاء المقدسی، تحقيق: ڈاکٹر عبدالله بن عبدالمحسن الترکی، هجر للطباعة والنشر والتوزيع والإعلان، طبع اول۔

۱۰ ألفية الحديث، حافظ أبوالفضل زین الدین عبدالرحیم بن حسین العراقی تحقیق و تصحیح: احمد محمد شاکر، عالم الکتب، طبع دوم۔

۱۱ الإنصاف في معرفة الراجح من الخلاف، شیخ الاسلام علاء الدین أبوالحسن علی بن سلیمان المرداوی، تصحیح و تحقیق: محمد حامد الفقی، مکتبہ ابن تیمیہ، طبع اول۔

۱۲ الباعث على إنكار البدع والحوادث، امام ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن اسماعیل المقدسی المعروف بأبي شامۃ، تحقیق و تخریج: بشیر محمد عیون، مکتبہ المؤید، مکتبہ دارالریان، دمشق، طبع اول۔

۱۳ بلوغ المرام من أدلة الأحكام، حافظ ابن حجر العسقلانی، وسیم بکڈپو، نئی دہلی، ۱۵۶۵ھ

۱۴ التاريخ الكبير، امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم الجعفی البخاری، مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ، بیروت۔

۱۵ تحذير الساجد من اتخاذ القبور مساجد، محدث محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ۔

۱۶ تحفة الأحوذي شرح جامع الترمذي، محدث عبدالرحمٰن مبارکپوری، ضیاء السنۃ، ادارۃ الترجمۃ والتالیف، رحمت آباد، فیصل آباد۔

۱۷ تحفة الأشراف بمعرفة الأطراف، حافظ جمال الدین ابوالحجاج یوسف بن الزکی عبدالرحمٰن بن یوسف المزی، مکتبہ ابن تیمیہ۔

۱۸ تذكرة الموضوعات، علامہ محمد طاہر بن علی الھندی، داراحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، طبع دوم۔

۱۹ الترغيب والترهيب، حافظ زکی الدین المنذری، تحقیق و تخریج: ایمن صالح، دارالحدیث قاہرہ

۲۰ التعليقات السلفية، علامہ محمد عطاءاللہ بھوجیانی، مکتبہ سلفیہ، لاہور۔

۲۱ التعليق المغني على سنن الدارقطني، محمد شمس الحق عظیم آبادی، حدیث اکیڈمی، نشاط آباد، فیصل آباد۔

۲۲ التعليق الممجد على موطا محمد، علامہ عبدالحیٔ لکھنوی، تعلیق و تحقیق: ڈاکٹر تقی الدین ندوی، دارالسنۃ والسیرۃ، ممبئی ۔

۲۳ تفسير ابن كثير، حافظ عماد الدین ابو الفداء اسماعیل بن کثیر القرشی الدمشقی، مکتبۃ الدعوۃ الاسلامیۃ شباب الازھر، ۱۴۰۰ھ-۱۹۸۰ء۔

۲۴ تفسير الطبري (جامع البيان عن تاويل القرآن) امام ابو جعفر محمد بن جریر الطبری، تقریب و تہذیب: ڈاکٹر صلاح الدین ابو الفتاح الخالدی، دارالقلم، دمشق، الدار الشامیۃ، بیروت، طبع اول۔

۲۵ تفسير القرطبي، ابو عبداللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی، دارالفکر، طبع سوم۔

۲۶ تقريب التهذيب، حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر العسقلانی، تحقیق: محمد عوامہ، دارالرشید، سوریا، طبع سوم۔

۲۷ التقييد والايضاح، حافظ زین الدین عبدالرحیم بن حسین العراقی، دار الفکر العربی۔

۲۸ تلبيس ابليس، جمال الدین ابو الفرج عبدالرحمٰن بن الجوزی، دارالجیل بیروت، ۱۴۰۸ھ۔

۲۹ التلخيص الحبير في تخريج أحاديث الرافعي الكبير، ابو الفضل شہاب الدین احمد بن علی بن حجر العسقلانی، تحقیق و تعلیق: ڈاکٹر شعبان محمد اسماعیل، مکتبہ ابن تیمیہ، قاہرہ۔

۳۰ تمام المنة في التعليق على فقه السنة، علامہ محمد ناصر الدین الالبانی، دار الرأیۃ للنشر والتوزیع، طبع سوم۔

۳۱ تهذيب التهذيب، حافظ شہاب الدین ابو الفضل احمد بن حجر العسقلانی، دائرۃ المعارف النظامیۃ حیدر آباد، الھند، طبع اول۔

۳۲ تهذيب سنن أبي داود وإيضاح علله ومشكلاته (مع عون المعبود) حافظ ابن قیم الجوزیۃ، دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع، طبع سوم۔

۳۳ تهذيب اللغة، ابو منصور محمد بن احمد الازہری، تحقیق: عبد السلام محمد ہارون، المؤسسۃ المصریۃ العامۃ للتالیف والأنباء والنشر، الدار المصریۃ للتالیف والترجمۃ۔

۳۴ جامع الترمذي، امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی، مکتبۃ المعارف للنشر والتوزیع۔

۳۵ الجامع لشعب الإيمان، حافظ ابو بکر احمد بن حسین البیہقی، تحقیق و تخریج: عبد العلی عبد الحمید حامد، الدار السلفیۃ، ممبئی، ہند۔

۳۶ الجرح والتعديل، امام ابو محمد عبد الرحمٰن بن ابی حاتم الرازی، دار الکتاب الاسلامی۔

۳۷ حلية الاولياء، ابو نعیم احمد بن عبد اللہ الاصبہانی، دار الکتاب العربی، بیروت، طبع دوم ۱۳۸۷ھ۔

۳۸ الدر المنثور فی التفسیر الماثور، جلال الدین السیوطی، دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع، طبع اول۔

۳۹ دلائل النبوۃ، الحافظ ابو بکر احمد بن حسین البیہقی، تحقیق و تخریج: ڈاکٹر عبد المعطی قلعجی، دار الزیان للتراث، القاہرۃ، طبع اول۔

۴۰ رد المختار علی الدر المختار، ابن عابدین، دار احیاء التراث العربی۔

۴۱ روضۃ الطالبین وعمدۃ المفتین، امام نووی، المکتب الاسلامی، طبع سوم۔

۴۲ ریاض الصالحین، الامام ابو زکریا یحیٰ بن شرف النووی، تحقیق: عبد العزیز رباح، العرفان، طبع دوم۔

۴۳ زاد المعاد فی ھدي خیر العباد، امام ابن قیم الجوزیۃ، تحقیق و تعلیق: شعیب الارنوؤط، عبد القادر الارنوؤط جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی، مؤسسۃ الرسالۃ۔

۴۴ سلسلۃ الأحادیث الصحیحۃ، محدث محمد ناصر الدین البانی، مکتبۃ المعارف، ریاض۔

۴۵ سلسلۃ الأحادیث الضعیفۃ، محدث محمد ناصر الدین البانی، مکتبۃ المعارف، ریاض۔

۴۶ سنن ابن ماجه، امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید القزوینی، بیت الأفکار الدولیۃ۔

۴۷ سنن ابوداود، حافظ ابو داود سلیمان بن اشعث السجستانی الازدی، بیت الأفکار الدولیۃ۔

۴۸ سنن دارقطني (مع التعليق المغني) امام علی بن عمر الدار قطنی، حدیث اکیڈمی، نشاط آباد، فیصل آباد۔

۴۹ سنن الدارمي (مع شرحه فتح المنان) امام ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمٰن الدارمی، دار البشائر الاسلامیۃ، المکتبۃ المکیۃ، طبع اول۔

۵۰ السنن الکبری، امام ابو بکر احمد بن حسین بن علی البیہقی، تحقیق: محمد عبد القادر عطا، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، طبع اول۔

۵۱ سنن النسائي (المجتبیٰ) امام ابو عبد الرحمٰن بن شعیب النسائی، بیت الافکار الدولیۃ۔

۵۲ السنن والمبتدعات المتعلقة بالاذكار والصلوات، محمد بن احمد بن محمد عبد السلام خضر الشقیری الحوامدی، دار الریان للتراث۔

۵۳ السيل الجرار المتدفق على حدائق الازهار، علامہ محمد بن علی بن محمد الشوکانی، لجنۃ احیاء التراث الاسلامی، قاہرہ، طبع دوم۔

۵۴ شرح السنة، امام حسین بن مسعود البغوی، تحقیق و تعلیق: شعیب الارنؤط و محمد زہیر الشاویش، المکتب الاسلامی، بیروت، طبع دوم۔

۵۵ شرح صحيح مسلم، امام محی الدین ابو زکریا یحیٰ بن شرف النووی، المطبع المصریۃ۔

۵٦ شرح معاني الآثار، امام ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ الطحاوی الحنفی، تحقیق و تعلیق: محمد زہری النجار، دار الکتب العلمیۃ۔

۵۷ صحيح ابن حبان مع الاحسان، امام ابو حاتم محمد بن حبان اللیثی، مؤسسۃ، طبع اول۔

۵۸ صحيح ابن خزيمة، امام الائمۃ ابو بکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ السلمی النیسافوری، تحقیق: ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی، المکتب الاسلامی، طبع اول۔

۵۹ صحيح البخاري، امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری، بیت الافکار الدولیۃ۔

۶۰ صحيح الترغيب والترهيب، محدث محمد ناصر الدین البانی، مکتبۃ المعارف ریاض، طبع دوم

۶۱ صحيح الجامع الصغير، محدث محمد ناصر الدین البانی، المکتب الاسلامی، بیروت، طبع سوم۔

۶۲ صحيح سنن أبي داود، محدث محمد ناصر الدین البانی، مکتب التربیۃ العربی لدول الخلیج، طبع اول۔

۶۳ صحيح سنن ابن ماجه، محدث محمد ناصر الدین البانی، مکتب التربیۃ العربی لدول الخلیج، طبع سوم۔

۶۴ صحيح سنن الترمذي، محدث محمد ناصر الدین البانی، مکتبۃ المعارف للنشر والتوزیع، ریاض، طبع اول۔

۶۵ صحيح سنن النسائي، محدث محمد ناصر الدین البانی، مکتب التربیۃ العربی لدول الخلیج، طبع اول۔

۶۶ صحيح مسلم، امام ابو الحسین مسلم بن الحجاج القشیری النیسابوری، بیت الافکار الدولیۃ للنشر والتوزیع۔

۶۷ صفة صلاة ألنبي، محدث محمد ناصر الدین البانی، مکتبۃ المعارف للنشر والتوزیع، ریاض، طبع اول۔

۶۸ ضعيف الجامع الصغير وزيارته، محدث محمد ناصر الدين البانی، المكتب الاسلامی، طبع سوم

۶۹ ضعيف سنن ابن ماجه، محدث محمد ناصر الدين البانی، المكتب الاسلامی، طبع اول۔

۷۰ ضعيف سنن أبي داود، محدث محمد ناصر الدين البانی، المكتب الاسلامی، طبع اول۔

۷۱ ضعيف سنن ترمذي، محدث محمد ناصر الدين البانی، المكتب الاسلامی، طبع اول، ۱۴۱۱ھ - ۱۹۹۰ء

۷۲ ضعيف سنن النسائي، محدث محمد ناصر الدين البانی، المكتب الاسلامی، طبع اول، ۱۴۱۱ھ - ۱۹۹۰ء

۷۳ طرح التثريب في شرح التقريب، زين الدين ابوالفضل عبدالرحيم بن حسين العراقی، ولی الدين ابوزرعة العراقی، دارالفكر العربی۔

۷۴ عمدة القاري شرح صحيح البخاري، حافظ بدرالدين ابومحمد محمود بن احمد العينی، دارالفكر، ۱۳۹۹ھ - ۱۹۷۹ء

۷۵ عمل اليوم والليلة لابن السني، امام ابوبكر احمد بن محمد بن اسحاق الدينوری المعروف بابن السنی، تخريج و تعليق: ابومحمد سالم بن احمد السّلفی، مؤسسة الكتب الثقافية، بيروت، لبنان۔

۷۶ عون المعبود شرح سنن أبي داود، علامه ابوالطيب محمد شمس الحق العظيم آبادی، ضبط و تحقيق: عبدالرحمٰن محمد عثمان، دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع، طبع سوم۔

۷۷ فتاوی اسلامیة، جمع و ترتیب: محمد بن عبد العزیز المسند، دار الوطن، ریاض، طبع دوم، ۱۴۱۴ھ۔

۷۸ فتح الباري شرح صحیح البخاري، حافظ احمد بن علی بن حجر العسقلانی، دار المعرفة، بیروت، لبنان۔

۷۹ فتح القدیر الجامع بین فني الروایة والدرایة من علم التفسیر، امام محمد بن علی بن محمد الشوکانی، ضبط و تصحیح: احمد عبد السلام، دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان، طبع اول ۱۴۱۵ھ - ۱۹۹۴ء۔

۸۰ فتح القدیر شرح الهدایة، امام کمال الدین محمد بن عبد الواحد السیواسی المعروف بابن الہمام الحنفی، دار الفکر، بیروت، لبنان۔

۸۱ الفقه الاسلامي وأدلته، ڈاکٹر وہبہ زحیلی، دار الفکر، طبع سوم ۱۴۰۹ھ - ۱۹۸۹ء۔

۸۲ الفقه علی المذاهب الاربعة، عبد الرحمٰن الجزری، دار الریان للتراث، دار الکتب العلمیة، بیروت لبنان، طبع اول۔

۸۳ فوائد مکیة۔

۸۴ فیض القدیر، علامہ محمد عبد الرؤف المناوی، دار المعرفة للطباعة والنشر بیروت، لبنان، طبع دوم۔

۸۵ قواعد التحدث من فنون مصطلح الحدیث، علامہ محمد جمال الدین القاسمی، دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان، طبع اول۔

۸۶ الکافي في فقه الإمام أحمد بن حنبل، شیخ الاسلام ابو محمد موفق الدین عبد اللہ بن قدامة المقدسی، تحقیق: زہیر شاویش، المکتب الاسلامی، بیروت، طبع پنجم۔

۸۷ الکامل فی التاریخ، علامہ ابن الاثیر الجزری، دار الکتب العربی، بیروت، طبع ششم

۸۸ کتاب الام، امام محمد بن ادریس الشافعی، دار المعرفۃ، بیروت، لبنان۔

۸۹ کتاب الفتاوی، الامام عزیز الدین عبد العزیز بن عبد السلام السلمی الشافعی، تخریج و تعلیق: عبدالرحمٰن بن عبد الفتاح، دار المعرفۃ، بیروت۔

۹۰ کتاب المجروحین من المحدثین والضعفاء والمتروکین، امام محمد بن حبان بن احمد ابی حاتم التمیمی البستی، تحقیق: محمود ابراہیم الزائد، دار الوعی۔

۹۱ کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، علامہ علاء الدین المتقی بن حسام الدین الھندی، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۰۹ھ-۱۹۸۹ء۔

۹۲ لسان العرب، ابن منظور، دار المعارف۔

۹۳ اللآلي المصنوعة في الأحاديث الموضوعة، جلال الدین عبد الرحمٰن السیوطی، دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر، بیروت، لبنان۔

۹۴ مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الھیثمی مؤسسۃ المعارف، بیروت ۱۴۰۶ھ ۱۹۸۶ء۔

۹۵ المجموع شرح المهذب، امام ابو زکریا محی الدین بن شرف النووی، تحقیق و تکمیل: محمد نجیب الرفاعی، مکتبۃ الارشاد، جدۃ، المملکۃ العربیۃ السعودیۃ۔

۹۶ مجموع فتاوی ابن باز، علامہ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز، دار الوطن، ریاض۔

۹۷ مجموع فتاوی ابن تیمیۃ، شیخ الاسلام احمد ابن تیمیۃ، مجمع الملک فھد لطباعۃ المصحف الشریف، مدینۃ منورۃ، ۱۴۱۶ھ-۱۹۹۵ء۔

۹۸ المحلی، امام ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم، تحقیق: لجنة احیاء التراث العربی، دار الجیل، بیروت، دار الآفاق الجدیدة، بیروت۔

۹۹ المدونة الکبری، امام مالک بن انس الاصبحی، دار الفکر للطباعة والنشر والتوزیع، بیروت۔

۱۰۰ مرعاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح، محدث ابو الحسن عبید اللہ بن علامہ محمد بن عبد السلام المبارکپوری، ادارة البحوث الاسلامیة والدعوة والافتاء، بالجامعة السلفیة، بنارس، الھند، طبع سوم، ۱۴۰۵ھ - ۱۹۸۵ء

۱۰۱ المستدرك علی الصحیحین، حافظ ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الحاکم النیسابوری، تحقیق: مصطفےٰ عبد القادر عطا۔ دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان۔

۱۰۲ مسند أبوداود طیالسي، الامام سلیمان بن داود بن الجارود الفارسی البصری الشھیر بابی داود الطیالسی، مکتبة المعارف، ریاض، دار المعارفة، بیروت، لبنان۔

۱۰۳ مسند أبو یعلی، امام حافظ احمد بن علی المثنی التمیمی، تحقیق و تخریج: حسین بن سلیم اسد، دار المامون للتراث، دمشق، طبع اول۔

۱۰۴ مسند أحمد، امام احمد بن حنبل، دار الفکر العربی۔

۱۰۵ مسند أحمد بشرح علامہ احمد شاکر، دار المعارف، مصر، ۱۳۷۴ھ - ۱۹۵۵ء

۱۰۶ مشکاة المصابیح بتحقیق محدث محمد ناصرالدین الباني، محمد بن عبد اللہ الخطیب التبریزی، المکتب الاسلامی، بیروت، طبع سوم، ۱۴۰۵ھ - ۱۹۸۵ء۔

۱۰۷ مصنف ابن أبي شیبه، امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ العبسی، ادارة القرآن والعلوم الاسلامیة، کراچی، پاکستان۔

۱۰۸ مصنف عبد الرزاق، حافظ ابو بکر عبد الرزاق بن همام الصنعانی، تحقیق: حبیب الرحمٰن اعظمی، المکتب الاسلامی

۱۰۹ المطالب العالية بزوائد المسانيد الثمانية، حافظ ابن حجر احمد بن علی العسقلانی، تحقیق: حمدی عبد المجید السّلفی، دار المعرفۃ بیروت، لبنان۔

۱۱۰ المعجم الأوسط، الحافظ ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، تحقیق: دکتور محمود طحان، مکتبۃ المعارف ریاض، طبع اول۔

۱۱۱ المعجم الكبير، حافظ ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، تخریج و تحقیق: حمدی عبد المجید السّلفی، مکتبہ ابن تیمیہ القاہرہ۔

۱۱۲ المغني، موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن محمد بن قدامۃ المقدسی، تحقیق: ڈاکٹر عبد اللہ بن عبد المحسن الترکی، عبد الفتاح محمود الحلو، ھجر للطباعۃ والنشر والتوزیع والاعلان، قاہرہ، طبع دوم۔

۱۱۳ المقاصد الحسنة في بيان كثير من الاحاديث المشتهرة على الألسنة، علامہ محمد عبد الرحمٰن السخاوی، درائۃ و تحقیق: محمد عثمان، دار الکتب العربی، بیروت طبع اول۔

۱۱۴ مقدمة ابن الصلاح في علوم الحديث، امام ابو عمرو عثمان بن عبد الرحمٰن الشہرزوری المعروف بابن الصلاح، مکتبۃ العلم، جدہ۔

۱۱۵ المنار المنيف في الصحيح والضعيف، حافظ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر الحنبلی المعروف بابن القیم الجوزیہ، تحقیق: عبد الفتاح ابو غدہ، مکتب المطبوعات الاسلامیۃ، حلب۔

۱۱۶ منتقى لابن الجارود، امام ابو محمد عبد اللہ بن علی الجارود النیسابوری، حدیث اکیڈمی، نشاط آباد، فیصل آباد، پاکستان۔

۱۱۷ موسوعة الاجماع في الفقه الاسلامي، سعدی ابو حبیب، دار الفکر، دمشق، طبع دوم۔

۱۱۸ الموضوعات، حافظ ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن الجوزی القرشی، تحقیق: ابو عبد الرحمٰن محمد عثمان، مکتبہ ابن تیمیہ، قاہرہ۔

۱۱۹ موطا إمام مالك، ابو عبد اللہ مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر الاصبحی، یاسر ندیم اینڈ کمپنی، دیوبند۔

۱۲۰ نزهة النظر في توضيح نخبة الفكر، شیخ الاسلام حافظ احمد بن حجر العسقلانی، تصحیح وتہذیب حواشی: شیخ عبد السلام مدنی، دار التالیف والترجمۃ والنشر، جامعہ سلفیہ بنارس، طبع سوم۔

۱۲۱ نصب الرأية لاحاديث الهداية، الحافظ جمال الدین ابو محمد عبد اللہ بن یوسف الحنفی الزیلعی، دار الحدیث۔

۱۲۲ النكت على كتاب ابن الصلاح، حافظ ابن حجر العسقلانی، تحقیق: ڈاکٹر ربیع بن ہادی عمیر، دار الرأیۃ للنشر والتوزیع۔

۱۲۳ النهاية في غريب الحديث، ابن الاثیر الجزری، تحقیق: محمود محمد الطناعی، طاہر احمد الزاوی، انصار السنۃ المحمدیۃ، لاہور، پاکستان۔

۱۲۴ نيل الاوطار شرح منتقى الاخبار، علامہ محمد بن علی بن محمد الشوکانی، انصار السنۃ المحمدیۃ، لاہور، پاکستان۔

۱۲۵ نيل المرام، علامہ ابو الطیب صدیق بن حسن بن علی الحسینی القنوجی، تحقیق: رائد بن صبری، طبع اول۔

****

Daruddawah Product No. 37

AKHTAUL MUSALLEEN

Writen By

SHAIKH ABU UBAIDAH MASH'HOOR HASAN

Translated :

RIYAZ AHMAD SALAFI

Supervision :

AHMAD MUJTABA SALAFI

Preface and Revision :

DR. ABDUR RAHMAN FAREWAI

Professor:

Muhammad Bin Saud Islamic University Riyadh

FAREWAI ACADEMY

New Delhi

أخطاء المصلين

تالیف : الشیخ أبو عبیدہ مشہور بن حسن آل سلمان

فریوائی اکادمی، نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵